یعنی

اسٹینلی لین پول کی مشہور کتاب موس ان اسپین کا ترجمہ

از

جناب مولانا سید عبدالغنی وارثی (علیگ) مرحوم

سابق مددگار صدر محاسب ریاست حیدرآباد دکن و مترجم "نعمت عظمیٰ" وغیرہ

باہتمام

اسحاق علی علوی سپرنٹنڈنٹ و پبلشر

در الناظر پریس واقع بلدہ لکھنؤ طبع یافت

سنہ ۱۹۲۵ع

قیمت عہ

مطبوعات الناظر پریس لکھنؤ

تصانیف حالی

مقدمہ شعر و شاعری - مولانا حالی کا دیوان چھپے ہوے پچیس سال گذر چکے تھے اور عرصہ سے بازار مین ایک نسخہ بھی نہیں ملتا تھا - الناظر پریس نے دوسرا ایڈیشن چھاپا تو مقدمہ کو دیوان سے الگ کر دیا - اُسوقت سے مقدمہ اسقدر مقبول ہوا کہ متعدد ایڈیشن چھپ چکے ہین جدید ایڈیشن پھر تیار ہوا ہے - ۱۲؍

چہار گلزار حالی - مولانا حالی کی چار نظمین نشاط امید - کلمۃ الحق - تعصب و انصاف - ترکیب بند - قیمت ۳؍

شکوۂ ہند مولانا حالی کی مشہور نظم ۲؍

بیوہ کی مناجات 〃 ۲؍

مناظرہ رحم و انصاف 〃 ۱؍

بڈھے اور لڑکے کا مناظرہ 〃 ۱؍

مسدس ننگ خدمت 〃 ۱؍

عرض حال 〃 ۱؍

حب وطن 〃 ۱؍

تصانیف شبلی

موازنہ انیس و دبیر - مولانا شبلی کی یہ تصنیف اُردو مین تنقید ادبی کا نمونہ ہے جس مین دو معاصر استادان سخن میر انیس و مرزا دبیر کا جو ایک ہی صنف شاعری یعنی مرثیہ گوئی کے مرد میدان تھے باہم موازنہ کیا گیا ہے اور شاعری کے عام اصول اور فن مرثیہ گوئی کے تمام پہلوؤن پر نہایت دلچسپ اور نکتہ سنجانہ تبصرہ کیا ہے مولانا شبلی کے چھپوائے ہوئے نمونہ کے بالکل مطابق چھاپی گئی ہے صرف تقطیع چھوٹی کر دی گئی ہے۔ ۳؍

مجموعۂ کلام شبلی - مولانا شبلی کے اُردو کلام کا مجموعہ جس کا ایک ایک شعر انکی قادر الکلامی اور اعلیٰ ذوق شاعری کا نمونہ ہے - اس مین مثنوی مسدس، قومی و سیاسی نظمین غزلیات اور قطعات غرضکہ ہر زمانہ و ہر صنف کا کلام موجود ہے - قیمت ۱۰؍

مثنوی صبح امید - مولانا شبلی کی سب سے پہلی نظم ۱۲؍

زیب النسا مولانا شبلی کا ایک مضمون ۱؍

جہانگیر اور تزک جہانگیری 〃 ۲؍

اسلامی حکومت 〃 ۲؍

اسلامی مدارس 〃 ۱۲؍

سفرنامہ مصر و روم و شام - مولانا شبلی کا سفرنامہ - ان ممالک اسلامیہ کے متعلق تاریخی، علمی، معاشرتی معلومات کا ذخیرہ ہے - مقبولیت کا یہ حال ہے کہ متعدد بار چھپ چکا ہے اور اسوقت بھی کئی مطبعون کا چھپا ہوا مل سکتا ہے - الناظر پریس نے کاغذ کی انتہائی گرانی کے زمانہ مین عمدہ سفید کاغذ پر نہایت خوشخط لکھوا کر چھاپا ہے - قیمت ۱۲؍

بیان خسرو - حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کے حالات زندگی قیمت

تصانیف نواب محسن الملک

اسلام - نواب محسن الملک کا قابل دید مضمون ۲؍

مسلمانون کی تہذیب - مسلمانون کی تمدنی ترقی کے متعلق فاضلانہ لکچر - ۶؍

تصانیف منشی احمد علی شوق قدوائی

قاسم و زہرہ - یہ لاجواب مثنوی حضرت شوق کی قدرت زبان کا نمونہ ہے جس مین التزام کے ساتھ کہین اضافت نہین آنے پائی ہے قیمت ۱۲؍ و ۸؍

میکفرن (اور لوسی) - ایک مختصر قابل دید ڈراما ۲؍

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

قوم قوط کا پچھلا شخص

جس وقت سکندر اعظم کی فوجیں مشرق کی قدیم سلطنتوں کو پامال کر رہی تھیں اُس وقت ایک ہی ملک ایسا تھا جو امن و عافیت میں تھا اور بالکل بے کھٹکے تھا۔ اہل عرب نے کوئی عاجزانہ سفارت اس زبردست بادشاہ کی خدمت میں نہیں بھیجی۔ سکندر منصوبہ کر چکا تھا کہ گستاخ عربوں کے سر اپنے سامنے جھکوائے۔ وہ انکے ملک پر چڑھائی کرنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ دستِ بیدادِ اجل نے اُسکا کام تمام کر دیا، اور عرب غیر مفتوح کے غیر مفتوح ہی رہے ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

یہ تذکرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو برس سے بھی کچھ پیشتر کا ہے۔ اس زمانے میں یہی عرب اپنے وسیع صحرائی جزیرہ نما میں مدت ہائے دراز سے خود مختاری جھنڈا اگاڑے ہوئے تھے۔ اور تقریباً ہزار برس بعد تک بھی وہ اسی عجیب و غریب تنہائی میں بے تعلقی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اُنکے چاروں طرف بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ سکندر کے

جانشینوں نے ملک شام کی سیلیوسائڈ سلطنت کی اور مصر کے خاندان بطلیموسی کی بنیادیں قائم کیں۔ اغسطس کو روم میں امپراطور کا تاج پہنایا گیا۔ قسطنطین بانی زنیتم (قسطنطنیہ) میں پہلا عیسائی بادشاہ بنا۔ اور وحشیوں کی جماعتوں نے قیصر کے دور تک پھیلے ہوئے علاقوں کو تہ و بالا کر دیا۔ یہ سب کچھ ہوگیا مگر عربوں کی کسی نے کچھ تعرض نہ کیا نہ انکے آرام اور چین میں خلل ڈالا، نہ انکی حالت دریافت کی نہ انکو مفتوح کیا۔ ممکن ہے کہ ان کے سرحدی شہروں نے خسرو و قیصر کی اطاعت کا دم بھرا ہو اور روم کے جرار لشکر نے انکے پہاڑی میدانوں میں کبھی کبھی اپنی چمک دمک دکھائی ہو، لیکن یہ نقش کچھ گہرا اور دیرپا نہ تھا عرب جس طرح تھے اسی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے۔

چونکہ وہ چاروں طرف اُن زمینوں سے گھرے ہوئے تھے جن پر قدیم تاریخی خاندان حکمراں تھے لہذا اُنکے چٹیل میدان اور انکی بہادری ہمیشہ حملہ آوروں کو دور باش کہا کرتی تھی۔ اور نہایت ہی قدیم زمانے سے ساتویں صدی عیسوی تک ان گوشہ گیر لوگوں کا کچھ حال بجز اسکے معلوم نہ ہو کہ انکا وجود ہے، اور کسی نے کامیابی کے ساتھ انپر چڑھائی نہیں کی۔ اسکے بعد دفعتاً عربوں کی رفتار میں ایک تغیر پیدا ہوا جسکے ساتھ ہی وہ گوشہ گیری کو خیرباد کہکے دنیا کے سامنے آموجود ہوئے، اور بڑی متانت استقلال سے اسکو فتح کرنا شروع کر دیا۔ یہ تغیر صرف ایک شخص کا پیدا کیا ہوا تھا، جس سے مراد محمد صلعم ہیں۔ عرب کے پیغمبر محمد صلعم نے ساتویں صدی کی ابتدا میں مذہب اسلام کی تبلیغ شروع کی اور انکے قوانین نے ایک ایسی قوم میں پہونچکر جو تیز جنبشوں کیلیے تیار اور گہرا اثر قبول کرنے کیلیے مستعد تھی ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ انکی تعلیم بالکل سادی تھی۔ انہوں نے عبرانیوں کے پرانے عقائد لیے جنکے ماننے والے ملک عرب میں موجود تھے اور ان میں ایسا اضافہ و ترمیم کر کے جسکی انھیں ضرورت معلوم ہوئی ایک تازہ الہام کی حیثیت سے بت پرستوں کی قوم میں خدائے وحدہٗ لاشریک لہ کی عبادت کی منادی کی۔ وہ بے روک جنبش جو محمد صلعم کے سیدھے سادے اور

بے جوش مذہب نے ملک عرب کے کل قبائل میں پیدا کردی تھی اُسکا فی الحال ہمارے
قیاس میں آنا مشکل ہے لیکن اتنا ہم جانتے ہیں کہ ایسے مذہبی انقلاب اکثر ہوتے رہتے ہیں۔
اور ایک سچے پیغمبر کے ذاتی رسوخ میں ہمیشہ ایک مخفی و قوی دلربائی ہوا کرتی ہے۔ بہرحال
محمد صلعم اس حد تک تو ضرور صادق تھے کہ جن عقائد کی نسبت اُنکو یقین تھا کہ صرف یہی صحیح
ہیں انکی تعلیم وہ دیانت و دلسوزی سے کرتے تھے اور اس مذہب میں اسقدر کافی اولوالعزمی
اور پیغمبر اور انکے سامعین میں ایسا مذہبی نشہ تھا کہ وہ بے روک عام جوش بخوبی پیدا ہو سکتا
جسے لوگ حرارتِ دینی کہتے ہیں۔ محمد صلعم کے زمانے سے پہلے عرب کی قومیں ایسے قبیلوں
اور جرگوں کا مجموعہ تھیں جنمیں باہم وحشیانہ نیکیوں یعنی بہادری مہمان نوازی و شہسواری میں
بڑھے چڑھے رہنے کی رقابتیں اور جنگی لوٹ گھسوٹ کی عادتیں تھیں۔ پیغمبر صلعم نے موجودہ
غرض کے لیے اُنھیں مسلمان بنا دیا اور اُنکے دلوں کو شوق شہادت سے معمور کردیا اور انکی
مال غنیمت کی حرص میں زیادہ تر شریفانہ حوصلہ اس بات کا اضافہ کردیا کہ کل بنی نوع
انسان کے کانوں میں سچائی کی آواز پہونچائیں۔

محمد صلعم اپنی وفات سے پہلے ملک عرب کے سردار ہوگئے اور وہ متفرق قبیلے جنھوں نے
مذہب اسلام قبول کیا تھا اُسی وقت آس پاس کی زمینوں میں پھیل رہے اور حیرت زدہ
قوموں کو محکوم بنا رہے تھے۔ اُنکے جانشین خلفاء کے زمانے میں مسلمانوں کی فوجوں نے
فارس و مصر و شمالی افریقہ کو ہرقل کے ستونوں تک تابع فرمان کرلیا۔ اور خود اُن کی افواج
وسطِ ایشیا کے دریاے عمان (آکسس) سے لیکر بحر اعظم مغربی کے کناروں تک ہو پہنچ گئیں
مسلمانوں یعنی شرقیوں کو ایشیاے کوچک میں تو شہنشاہ یونان کی فوجوں نے روکدیا
اور پندرہویں صدی کے گزرتے ہی یہ نوبت پہونچی کہ قسطنطنیہ جسپر زمانے سے دانت تھا ترکان
عثمانی کی شجاعت سے فتح ہوا۔ یہی حال بحر روم کی دوسری جانب ہوا کہ شہنشاہ یونان کے ایک
افسر نے ایک صدی تک عربوں کو آگے بڑھنے سے روک رکھا۔ ان فاتحوں نے شمالی افریقہ کے

اضلاع کو قبضے میں کر لیا اور ایک ممتد کشاکش کے بعد بربر کے فساد انگیز قبیلوں کو ایک عرصے کے لیے تابع فرمان بنا لیا یہاں تک کہ صرف سبتہ کا قلعہ اُنکے مقابلے میں ڈٹا رہا۔ سبتہ بھی بحر روم کے اور جنوبی حصوں کی طرح شہنشاہ یونان کی حکومت میں تھا مگر یہ مقام قسطنطنیہ سے اسقدر فاصلے پر واقع تھا کہ اپنے پاس کی سلطنت ہسپانیہ کی تائید کا محتاج تھا۔ اور گو وہ برائے نام شہنشاہ کے تحت میں تھا لیکن واقع میں طلیطلہ کے بادشاہ کی معاونت و حفاظت پر اسکا دارومدار تھا۔ یہ تو قیاس میں نہیں آتا ہے کہ وہ ساری ملک جو ہسپانیہ کے سکتا تھا شرقیوں کے حملہ کے موج افزا طوفان کو روکدینے کیلیے کارگر ہوتی، لیکن جو اتفاق کہ پیش آیا وہ یہ تھا کہ اُس زمانے میں سبتہ کے حاکم یولیان (جولین) اور ہسپانیہ کے بادشاہ رزریق (راڈرک) سے نزاع تھی جسنے عربوں کیلیے دروازہ کھول دیا۔

ہسپانیہ اُس زمانے میں مغربی قوم قوط (گاتھ) کی حکومت میں تھا، جو وحشیوں کی ایک قوم تھی اور اُن دیگر وحشیوں کے مشابہ تھی جو سلطنت روم کے تنزل کے زمانہ میں اُنکے اضلاع کو زیر حکومت کرکے پھیل گئے تھے۔ آستر و قوطوں نے اطالیہ پر قبضہ کر لیا تھا اور انکے رشتہ دار مغربی قوطوں نے صابئین اور جرمن کمو و سیریو سیڈ سادے قبیلوں کو محکوم یا خارج کر کے پانچویں صدی عیسوی میں روم کے علاقہ آئی بیریا (ہسپانیہ) میں اپنے قدم جما لیے تھے۔ ان لوگوں نے اس ملک کو اُسی زنانہ بنانے والی عشرت و ذلت میں پایا جو اس سلطنت کے دوسرے حصوں کی تباہی کا باعث ہوئی تھی۔ اکثر جنگجو قوموں کی طرح رومیوں نے بھی جب اپنا کام پورا کر لیا اور دنیا انکی مطیع ہو گئی تو اُن ترقیوں پر قناعت کر کے محنت و مشقت کو چھوڑ بیٹھے اور اُسی عیش و عشرت میں مبتلا ہو گئے جسکی طرف ہمیشہ مال و دولت و امن و فراغت انسان کو متوجہ کر دیا کرتے ہیں۔ رومی اب گویا وہ اگلے بہادر و جفاکش آدمی ہی نہ تھے جو سادی زندگی بسر کرتے تھے۔ اب تو یہ حال تھا کہ کسی پوپ یا قیصر کا کوئی سپہ سالار اپنے ملک کے بچانے یا کسی بر اعظم کے فتح کرنے کیلیے بلاتا تو اپنی ہانا ہل چلانے والوں کے سر نا لدیتے تھے۔

ہسپانیہ میں زیادہ تر مالدار فرقے عیش پسندی و شہوت پرستی کے بندے ہو رہے تھے۔ اُنکی زندگی کھانے پینے، جوا کھیلنے اور ہر قسم کے محرکات نفسیانیہ کیلیے وقف تھی انکے عوام الناس یا تو غلام تھے یا وہ لوگ جو غلاموں کے مماثل تھے یعنی مزدور۔ زمینوں کے بندے جو اُن زمینوں سے جن میں وہ کاشت کرتے تھے علیحدہ نہیں کیے جا سکتے تھے، بلکہ اُنھیں ارضی کے ساتھ ساتھ ایک آقا سے دوسرے آقا کے پاس جاتے تھے۔ دولتمندوں اور غلاموں کے بیچ میں ایک درمیانی جماعت آزاد لوگوں کی تھی جنکی حالت شاید اور بھی بدتر تھی، اسلیے کہ اُنھیں کی گردنوں پر سلطنت کے سنبھالنے کا سارا بوجھ تھا۔ یہی محصول ادا کرتے تھے، یہی دیوانی و منیوسپل خدمتیں انجام دیتے تھے، اور یہی وہ روپیہ بہم پہونچاتے جن کو امرا اپنی عیش و عشرت میں اُڑایا کرتے تھے۔ ایسی بگڑی ہوئی قوم میں کوئی عنصر اسکا نہ تھا کہ ایک ثابت قدم حملہ آور کا مقابلہ کر سکے۔ مالدار امرا اپنی عیش و عشرت میں ایسی گہری نیندیں لے رہے تھے کہ کسی دشمن کی آمد کی افواہیں اُنھیں آسانی سے بیدار نہیں کر سکتی تھیں انکی تلواروں میں بہت دنوں پڑے رہنے سے زنگ لگ گیا تھا۔ غلاموں کو آقاؤں کی تبدیلی سے بہت کم دلچسپی تھی۔ اس لیے کہ انکی حالت جیسی تھی اُس سے بدتر اور کیا ہو سکتی تھی۔ اور درمیانی آزاد لوگ بار سلطنت کے انتظام سے ناراض تھے جسکی وجہ سے اکثر مصارف اُنھیں اُٹھانے پڑتے تھے اور اُنکے فوائد اُنکو مطلق حاصل نہ تھے۔

ایسے لوگوں سے کوئی قومی و ثابت قدم فوج قائم نہیں کیجا سکتی تھی اور یہی وجہ ہوئی کہ گوطھ (گاتھ) تھوڑی ہی دشواری کے ساتھ ہسپانیہ میں داخل ہو گئے۔ شہریوں نے خوشی سے اپنے پھاٹک کھول دیے اور رومی ہسپانیہ کے مریض تہذیب نے بغیر اسکے کہ ایک وار بھی کرے اطاعت قبول کر لی۔ اور سچ پوچھو تو وحشیوں کی اگلی جماعتوں (یعنی الانس اور وندلس اور سوویی) سے انکا راستہ اسقدر صاف کر دیا تھا کہ انکے لیے زیادہ کوشش کرنے کی ضرورت باقی نہ تھی۔ رومی تا اسپینرڈ (اندلسی) بخوبی سیکھ چکے تھے کہ وحشیوں کے

حملے اپنے ساتھ کیا لاتے ہیں - وہ اپنے شہروں کو جلتے، اپنی بیویوں اور بچوں کو قیدی ہوکر جاتے، اور اپنے اُن معدودے چند سرغناؤں کو جنھوں نے کچھ بھی مردانہ مزاحمت کی، تہ تیغ ہوتے دیکھ چکے تھے، اُنکو وحشیوں کے تاز یانے کے نتیجے معلوم تھے، یعنی وبا، قحط، کھیتوں کا اُجڑنا، باشندوں کا بھوکوں مرنا، اور عموماً ہر جگہ وحشیانہ طوائف الملوکی پھیل جانا وہ سبق تو پہلے ہی پڑھ چکے تھے - پس نرمی سے اُن لوگوں نے قوطوں کو آنے دیا، اور کسی نے مزاحمت نہ کی -

آٹھویں صدی کی ابتدا میں جبکہ شہسواران (مسلمانان عرب) بحر مغرب کے افریقی کنارے پر پہونچکر آبنائے ہرقل سے اندلس کے چمکتے دمکتے اضلاع پر نظر دوڑا رہے تھے - قوطوں کو ہسپانیہ پر قبضہ کیے ہوے دو سو برس گزر چکے تھے - اس سلطنت کی تباہ حالت کو درست کرنے اور حواس کی ایسی تازہ اُمنگوں سے بھرنے کے لیے جو پیرانہ سال تہذیب بعض اوقات وحشی مگر مردانہ قوموں کے آجانے سے حاصل کر لیا کرتی ہے کافی مہلت مل چکی تھی - اسکی بھی خاص وجہیں تھیں کہ کیوں قوط لوگوں کو ہسپانیہ کی حالت درست کرنی لازم تھی - وہ جری، مضبوط، اور با عافیت زندگی کے خراب اثر سے محفوظ ہی تھے بلکہ وہ نو عیسائی تھے، اور عیسائی بھی کیسے، کہ اپنے طریقے میں با اخلاص - انکی آمد کے وقت ہسپانیہ نے صرف برائے نام عیسائیت قبول کی تھی - اس میں شک نہیں کہ قسطنطین نے عیسائیت کی اشاعت اس حیثیت سے کی تھی کہ سلطنت روم کا مذہب ہے لیکن مغربی اضلاع میں اُس نے بہت کم جڑ پکڑی تھی - گمان غالب تھا کہ قوطوں کی ایسی ایک جاہل مگر پابند مذہب قوم کی آمد اس نئے مذہب میں جو سلطنت کی بوسیدہ بہت پرستی کے بیچ میں تھا ایک تازہ روح پھونکے گی - اور کیتھلک پادریوں کے دلوں میں اپنے مذہب کی آیندہ بہتری کی اُمیدیں بھری ہوئی تھیں لیکن کسی طور سے نتیجہ نے اُمید کی مساعدت نہ کی - قوط تو بلاشبہہ مذہب کے پابند رہے مگر وہ اپنے مذہبی افعال کو خاصکر اپنی بُرائیوں

کی تلافی سمجھتے تھے۔ وہ غیر معمولی سخت گناہوں کا معاوضہ بھاری توبہ سے کرتے تھے اور پھر دوبارہ بے کھٹکے گناہوں کے مرتکب ہو جاتے تھے۔ یہ بالکل ویسے ہی بگڑے ہوئے اور بد اطوار تھے جیسے رومی امراء ان سے پہلے تھے اور انکے طرز عیسائیت نے انہیں اسکی ہدایت نہیں کی کہ اپنی رعایا کی حالت درست کریں۔ غلام پہلے سے بھی زیادہ قابل رحم حالت میں مبتلا تھے۔ وہ نہ صرف اراضی یا آقا کے پابند تھے بلکہ وہ بغیر اس کی رضامندی کے شادی بھی نہ کر سکتے تھے۔ اور اگر پاس پڑوس کی زمینداریوں کے غلام آپس میں شادی بیاہ کر لیتے تھے تو ان کی اولاد ان زمینداریوں کے مالکوں کے درمیان تقسیم ہوتی تھی۔ درمیانی جماعتیں رومیوں کے زمانہ کی طرح اب بھی محصولوں کا بار اٹھاتی تھیں جسکے سبب سے وہ دیوالیہ اور تباہ تھیں۔ اراضی ابھی تک معدودے چند لوگوں کے قبضہ میں تھی اور بڑی زمینداریوں میں ایسے بدحال غلاموں کے گروہ کاشت کرتے تھے جنکی تیرہ و تار زندگی میں نہ امید اصلاح کی شعاعیں پہونچتی تھیں اور نہ موت سے پہلے رہائی کی کرنیں۔ خود پادری جو اخوت عیسوی کے وعظ کہتے پھرتے تھے، اب جو مالدار اور بڑی بڑی زمینداریوں کے مالک ہو گئے تو پرانی مصلحت ظلم کے گیت گانے لگے اور اپنے غلاموں اور مزدوروں کے ساتھ ویسے ہی نہایت ناگوار برتاؤ کرنے لگے جیسے کوئی رومی امیر کرتا تھا۔ مرا شہوت پرستی کی اسی دلدل میں پھنس گئے جو رومیوں کی تباہی کا باعث ہوئی تھی، اور عیسائی قوطوں کی بدکاریاں مجوسیوں کی سکھی ہوئی بدکرداریوں پر اگر سبقت نہیں لے گئیں تو انکے برابر تو ضرور ہو گئیں۔ وہاں کے وقائع نگار کا بیان ہے کہ شاہ غیطشہ (وٹیزا) کو چونکہ دل سے یہ منظور تھا کہ عیسائیوں کو الحاد پھیلنے کی کوئی وجہ شرعیین کے ہاتھ آئے اسنے سارے ہسپانیہ کو گناہ کرنا سکھایا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہسپانیہ کو پہلے ہی سے گناہ کرنے میں خوب دستگاہ حاصل تھی اور شاید غیطشہ اپنے اسلاف سے کچھ زیادہ برا نہ ہوگا، لیکن قوطوں نے تمام بدکرداری کی جدید سند دیدی۔ اکثر وحشیوں کی بد فعلیاں بوسیدہ تہذیب کی بد فعلیوں سے بہت ہی مشابہ ہوا کرتی ہیں اور اسی وجہ

حکمرانوں کی تبدیلی سے اخلاق کی حالت درست نہ ہوئی۔

جس وقت مسلمان ہسپانیہ کی سرحدوں کے قریب پہونچ گئے تھے ہسپانیہ والوں کی یہ حالت تھی، بگڑے ہوئے امرا نے اراضی کو آپس میں تقسیم کر لیا تھا۔ بڑی بڑی زمینداریاں بدحال و مایوس غلاموں کے ذریعہ سے بوئی جوتی جاتی تھیں اور درمیانی جماعتیں تباہ و ویران تھیں۔ اور آبنائے جبل الطارق کے دوسری جانب مبارزان اسلام تھے۔ سب کے سب جیالے سپاہی، نئے ایمان کے جوش میں مشتعل، بچپن سے ہتھیاروں کی گود میں پلے ہوئے سادے اور اپنی زندگی میں بے تکلف، اور کافروں کی زرخیز زمینوں کے لوٹنے کے مشتاق ایسی قوموں کے درمیان کی جنگ کے نتیجے کی نسبت کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن شبہ کے امکان کو بھی مٹا دینے کیلیے دغا بازی حملہ آوروں کی مدد کو پہونچی۔

غیطشہ کو رزریق نے تخت سے اُتار دیا، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود اُسنے اپنی حکمرانی شروع تو عمدہ طور سے کی مگر دولت و اقتدار کی ترغیبوں کا شکار بن گیا۔ اسکے خودغرضانہ و عیش دوست مزاج نے اُن بھڑک اُٹھنے والے مادوں میں آگ لگا دی جو اُسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے اور مشتعل ہو جانے اور اسکی سلطنت کو خاک سیاہ کر دینے کیلیے صرف ایک چنگاری کے محتاج تھے۔ اُن دنوں سلطنت کے امرا میں یہ رسم تھی کہ اپنے بچوں کو آداب تہذیب سیکھنے کیلیے شاہی محل میں بھیجا کرتے تھے۔ منجملہ اوروں کے یولیان (جولین) سبتہ کے حاکم نے اپنی دختر فلورنڈا کو رزریق کے محل واقع طلیطلہ میں ملکہ کی خواصوں میں تعلیم پانے کیلیے بھیج دیا تھا۔ یہ دوشیزہ لڑکی بہت خوبصورت تھی اور بادشاہ نے اپنی عزت کو جسکا تقاضا یہ تھا کہ اسکی بھی اپنی بیٹی کی طرح حفاظت کرے طاق نسیاں پر رکھ کر اس لڑکی کی آبروریزی کی۔ یہ بے حرمتی زیادہ تر سخت اس وجہ سے تھی کہ یولیان کی بی بی غیطشہ کی بیٹی تھی، اسلیے فلورنڈا کی ذات کے ساتھ شاہی خون کی ہتک کیگئی۔ اس لڑکی نے اپنی مصیبت کی حالت میں اپنے باپ کو ایک خط لکھا اور ایک معتبر شاگرد پیشہ کو بلا کر کہا کہ اگر تم ایک ناٹ کی

عزت حاصل کرنا اور ایک خاتون کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہو تو حتی الامکان تیزرو کے ساتھ
رات دن خشکی و تری میں سفر کرکے جاؤ اور یہ خط یولیان کے ہاتھ میں دے دو۔

یولیان کو کوئی وجہ نہ تھی کہ شاہ رذریق کو دوست رکھتا خود اسکا ذاتی تعلق جو
سلطنت سے معزول اور غالباً مقتول شاہ غیطشہ کے ساتھ تھا وہ اس امر کا مقتضی تھا کہ اس
غاصب کے ساتھ بھی دشمن رہے اور اسکی بیٹی کی بےحرمتی کی عداوت۔ نے اس دبی
ہوئی آگ کو بھڑکا کر انتقام گیر شعلہ بنا دیا۔ اسوقت تک تو اس نے کامیابی کے ساتھ
عربوں کے حملوں کا مقابلہ کیا تھا لیکن اب اس نے مصمم ارادہ کرلیا کہ اپنی دختر کی عزت کو
خاک میں ملانے والے کی سلطنت کی حفاظت نہیں کریگا۔ اُسنے اپنے دل میں کہا کہ عرب
اگر ہسپانیہ فتح چاہتے ہیں تو لے لیں میں اُنھیں راہ دکھانے کو آمادہ ہوں۔ یولیان
انتقام کے جوش میں بھرا ہوا مستعجلاً رذریق کے دربار میں پہونچا یہاں اُس نے ایسی
ہوشیاری سے اپنے اصلی جذبہ پر پردہ ڈالا کہ بادشاہ نے جسکو کچھ تاسف معلوم ہوتا تھا اور یہ
اعتقاد ہوتا تھا کہ فلورنڈا نے اس راز کو پوشیدہ رکھا ہے اعزاز سے اسکو مالا مال کردیا۔ اور
اپنی سلطنت کی حفاظت کے متعلق ہر چیز میں اُس سے مشورہ لینے لگا اور نیز اسکی [illegible]
سے ہسپانیہ میں جو عمدہ گھوڑے اور اسلحے تھے اُنھیں یولیان کی سرکردگی میں جنوب کی طرف
اس غرض سے روانہ کیا کہ مسلمان حملہ آوروں کے مقابلہ کیلئے تیار رہیں۔ یولیان طلیطلہ
بادشاہ کا سب سے زیادہ مورد عنایات ہوکر اپنی بیٹی کو ہمراہ لے کر روانہ ہوا۔ رذریق نے
اُس کونٹ سے الوداع کے وقت یہ خواہش ظاہر کی کہ شکار کے واسطے مجھے خاص قسم کے
بازوں کی ضرورت ہے تم مجھے ضرور بھیجنا۔ یولیان نے جواب دیا کہ میں آپ کیلئے ایسے
باز لیتا آؤں گا کہ آپ نے عمر بھر نہ دیکھے ہونگے۔ عربوں کے آنے کے اس ذو معنین فقرہ
کے ساتھ اُس نے سبتہ کی جانب مراجعت کی۔

اُس نے وہاں پہونچنے کے ساتھ ہی موسیٰ بن نصیر سے ملاقات کی جو شمالی افریقہ کا

ظالم تھا اور جسکے مقابلہ میں اُسکے سپاہیوں نے بارہا اپنی تلواروں کے جوہر دکھائے
تھے اور اُس سے کہا کہ اب ہمارے تمہارے درمیان لڑائی کا خاتمہ ہوگیا۔ اب سے ہم تم باہم
دوست ہیں۔ اسکے بعد اُسنے ہسپانیہ کی خوبصورتی زرخیزی، اُسکی ہریالی، سبزہ زاروں
انگوروں اور زیتونوں، اسکے شاندار شہروں اور محلوں اور اہلِ قوط کے خزانوں کے قصوں
سے عربوں کے کان بھرنے شروع کیے۔ اُس نے کہا یہ وہ زمین ہے جہاں دودھ اور شہد
کی نہریں بہتی ہیں۔ اور موسیٰ کو صرف یہی کرنا پڑیگا کہ جائے اور جاکر اُسپر قبضہ کرلے میں خود
تمھیں راستہ دکھاؤنگا اور تم کو اپنے جہاز بھی مستعار دونگا۔ لیکن یہ عرب ایک ہوشیار
سپہ سالار تھا۔ اس نے خیال کیا کہ شاید اس بات کی تحریک میں کوئی پوشیدہ کمینگی ہو
اس لیے اُس نے اپنے آقا دمشق کے خلیفہ کے پاس قاصد بھیجے اور ہدایتیں طلب کیں۔
اور اس اثنا میں اسی پر قناعت کی کہ ایک چھوٹی سی پانچسو آدمیوں کی جماعت ۷۱۰ء
میں طریف کی ماتحتی میں چھیڑ چھاڑ شروع کردینے کے لیے یولیان کے چار جہازوں پر ساحلِ
اندلس کی طرف روانہ کی۔ اسوقت تک عرب بحرِ روم میں جہازرانی کے عادی نہیں
ہوئے تھے، اور موسیٰ نہیں چاہتا تھا کہ اپنی فوج میں سے ایک ناچیز جزو سے زیادہ
کو گہرے پانی کے خطرے میں ڈالے۔

طریف کامیابی کے ساتھ اپنا کام انجام دے کے جولائی میں واپس آگیا۔ وہ اُسی
مقام پر اُترا تھا جو اِسوقت تک اُسکا نام بتلاتا ہے۔ طریف نے الجسرہ کو لوٹا اور
اسقدر کافی طور پر اس ملک کو دیکھ لیا کہ اُسے یولیان کا بیان ہسپانیہ کے بیدست و پا ہونے کی
نسبت سچ معلوم ہوا اور وہ سمجھا کہ حملہ آوروں کو اُسکی وفاداری پر بھروسا کرنا چاہیے۔ تاہم
موسیٰ اسپر مائل نہ ہوا کہ اس نئی فتح پر زیادہ اعتماد کرے۔ دمشق کے خلیفہ نے اسکو حکم بھیجا تھا
کہ کسی طرح ساری اسلامی فوج کو غیر معلوم خطروں کا نشانہ نہ بنائے۔ اور صرف چھوٹی چھوٹی حملہ آور
مہموں کی اجازت دی تھی۔ باینہمہ طریف کی کامیابی سے قوی دل ہوکر موسیٰ نے کسقدر بڑی

فوج بھیجنے کی ٹھان لی۔

سنہ ۷۱۱ء میں موسیٰ کو جب یہ خبر لگی کہ رذریق اپنی سلطنت کے شمال میں اہل بشکنس کی بغاوت فرو کرنے میں مصروف ہے تو اپنے سپہ سالاروں میں سے طارق مراکشی کو سات ہزار سپاہیوں کے ساتھ جن میں سے اکثر مراکشی تھے اندلس میں ایک دو تاخت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ حملہ اُسکی اُمید سے زیادہ دور لے گیا۔ طارق شہر کی چٹان کے پاس خشکی میں اُترا، جو اُس زمانے سے آج تک اُسی کے نام سے جبل الطارق یا جبرالٹر کہلاتی ہے۔ اور قارطیہ کو لے لینے کے بعد خشکی پر آگے بڑھا۔ وہ بہت دور نہیں گیا تھا کہ قوم قوطی کی ساری فوج کو اپنے مقابلہ کیلیے رذریق کی ماتحتی میں اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ یہ دونوں فوجیں ایک چھوٹے دریا کے کنارے جسے شریش وادی لک (گاڈ لاک) کہتے تھے اور جو اس (ٹریفل گار) اطراف الغار کے پاس آبنائے میں گرتا ہے مقابل ہوئیں۔

روایت چلی آتی ہے کہ اس واقعہ سے چند روز پہلے ایک دن شاہ رذریق قدیم شہر طلیطلہ میں تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ دو سن رسیدہ آدمی دیوان عام میں داخل ہوئے۔ یہ اسگلے دونوں کی بنی ہوئی سفید قبائیں پہنے تھے اور انکے پٹکے جن میں بارہ برجوں کی صورتیں بنی ہوئی تھیں انمیں کنجیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ ان بوڑھوں نے کہا کہ بادشاہ سلامت سنیے۔ قدیم زمانہ میں جس وقت ہرقل نے اپنے ستون سمندر کی اس آبنائے پر قائم کیے تھے اُسنے اس پرانے شہر طلیطلہ کے قریب ایک مستحکم برج کی بنیاد ڈالی اور اُسکے اندر ایک طلسمی جادو بند کیا جسکو بڑے وزنی آہنی پھاٹکوں سے جن میں فولادی قفل لگے ہوئے ہیں محفوظ کیا اور وصیت کی کہ ہر نئے بادشاہ کو لازم ہے کہ ایک نیا قفل دروازہ میں لگا دے اور پیشینگوئی کی کہ جو شخص اس برج کا راز افشا کرنا چاہیگا اُسکی شامت آ جائیگی۔ اور ہمنے اور ہمارے آباؤ اجداد نے ہرقل کے زمانہ سے اسوقت تک اُس برج کے دروازہ کی دربانی کی ہے اور اگرچہ ایسے بادشاہ بھی گزرے ہیں جنہوں نے اس راز کو دریافت کرنا چاہا، لیکن ہمیشہ اُنکو

انجام موت یا افزاد و حسرت انگیز ہوا ہے۔ کوئی شخص کبھی چوکھٹ سے آگے نہ جا سکا
اے بادشاہ، اسوقت ہم تجھسے یہ عرض کرنے کو آئے ہیں کہ تو بھی اُس طلسمی برج میں اپنا
قفل ڈالدے جیسا کہ تجھسے پہلے سارے بادشاہوں نے کیا ہے - یہ کہکر دونوں سن رسیدہ
آدمی چلے گئے -

لیکن جو کچھ ان بڈھوں نے کہا تھا رذریق نے جب اُسکو سوچا تو اُسکے دل میں
ناقابل ضبط خواہش اس بات کی پیدا ہوئی کہ اُس طلسمی برج میں داخل ہونا چاہیے -
اور ہر چند اُسکے پادریوں اور صلاح کاروں نے منع کیا اور اُس سے دوبارہ کہا کہ
کوئی شخص کبھی اُس برج میں زندہ داخل نہیں ہوا اور قیصر اعظم نے بھی اُسمیں جانیکی جرأت نہیں
کی تھی

نامہائے باستاں گوید کہ نکشاید ہمی / جز از آں شاہے کہ نبود غیر او در خاندان
مملکت آں گاہ باشد در شکست و ریختن / بیوفائیہا کنند قیصرے و چاہے بہر آں
و آتش قہر الٰہی از فلک شعلہ فشاں

مگر اسپر بھی وہ ایکدن اپنے مصاحبوں کو ساتھ لیکر گھوڑے پر سوار ہوا اور اُس برج کے قریب
جا ہی پہونچا - وہ برج ایک بلند چٹان کے اوپر بنا ہوا تھا جسے چاروں طرف سے بطور حاشیہ
کے نشیب و فراز ٹیلے اور ٹیکرے گھیرے ہوے تھے - اُسکی دیواریں زبرجد و سنگ مرمر کی
تھیں جنمیں بڑی صناعی سے نقش و نگار بنے ہوے تھے اور آفتاب کی کرنوں میں چمکتے تھے
اُس میں جانے کی راہ ایک راستہ میں سے تھی جو پتھر میں کاٹا گیا تھا - اور ایک بڑا آہنی
پھاٹک اُس میں لگا تھا، جو ہرقل کے زمانہ سے رذریک کے وقت تک کئی صدیوں کے زنگ آلود
قفلوں سے ڈھنکا ہوا تھا اور داہنے بائیں وہ دونوں بڈھے آدمی کھڑے تھے جو دیوان عام
میں حاضر ہوے تھے - تمام دن دونوں بڈھے دربانوں نے باوجود اسکے کہ قفل بہت سے
تھے رذریق دراڈرک کے وضعدار مصاحبوں کی مدد سے زنگ خوردہ کنجیوں کے گھمانے

میں محنت کی اور جب آفتاب غروب ہونے کو آیا تو پھاٹک کھلا اور بادشاہ مع اپنے مصاحبین کے دروازہ کی طرف بڑھا۔ پھاٹک پیچھے پھر گیا اور سب لوگ ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے جسکے دوسری جانب اک دوسرے دروازہ کو روکے ہوئے ہیبتناک صورت کی ایک برنجی مورت کھڑی تھی جو ایک بڑا سا گرز لگاتار چلا رہی اور بڑے زور سے آس پاس کی زمین پر مار رہی تھی۔ جب رذریق نے اس مورت کی صورت دیکھی تو تھوڑی دیر تک سناٹے میں رہا۔ لیکن اسکے سینے پر یہ الفاظ کہ "میں اپنا فرض انجام دیتا ہوں" دیکھکر اُسنے ہمت باندھی اور اُس سے بالحاح وزاری کہا کہ مجھے بخیر اُدھر جانے دو کیونکہ میں کسی طرح کی بے ادبی کرنا نہیں چاہتا بلکہ صرف اس برج کا راز دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ اسپر وہ مورت اپنے گرز کو اوپر اُٹھائے چپ چاپ کھڑی ہو گئی اور بادشاہ اور اُسکے مصاحب اُسکے نیچے سے دوسرے کمرے کو چلے گئے اس کمرے کی گچ میں جواہرات جڑے ہوئے تھے اور اسکے بیچ میں ایک میز رکھی ہوئی تھی جسکو ہرقل نے اُس مقام پر نصب کیا تھا۔ اور اسپر ایک صندوقچہ تھا جسپر یہ الفاظ کندہ تھے "اسی دُرج میں اس برج کا راز ہے۔ بادشاہ کے سوا کسی کا ہاتھ اسکو کھول نہیں سکتا۔ مگر اُسکو آگاہ ہونا چاہیے کہ عجیب و غریب چیزیں اُسپر ظاہر ہونگی جنکا اُسکی موت سے پہلے وقوع میں آنا ضرور ہے"۔

جب بادشاہ نے اُس صندوقچہ کو کھولا تو اُسمیں ایک چرمی کاغذ کے سوا جو دو مسی پتروں کے درمیان موڑا ہوا تھا، کچھ بھی نہ تھا۔ اُسکے اوپر آدمیوں کی صورتیں بنی ہوئی تھیں جو گھوڑوں پر سوار، مہیب صورت، کمانوں اور خنجروں سے مسلح تھے اور اُنکے اوپر کی طرف یہ جملہ لکھا ہوا تھا" او بے لحاظ۔ دیکھ لے اُن لوگوں کو جو تجھے تیرے تخت سے نیچے پٹک دینگے اور تیری مملکت کو اپنے زیر فرمان کرینگے"۔ اور جوں ہی ان لوگوں نے ان تصویروں کو نظر گڑو کر دیکھا، کیا بارگی جنگ کی آواز سنائی دی اور آنکھوں سے دھندلا سا

دکھائی دیا کہ اُن عجیبی سواروں کی تصویروں نے حرکت کرنا شروع کیا، اور وہ تصویریں جنگ کا مرقع بن گئیں۔

خیالی صورتوں کا آنکھیں رذریق تھیں کی | پا پیچ آتے جاتا عجب طرفہ تماشا تھا
آلِ جنگ انجامِ حوادث۔ ناشدہ ظاہر | مگر کوئی نہ مردہ تھا نہ زخموں سے تڑپتا تھا

اُن لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ایک بڑا میدانِ جنگ دکھائی دیا، جہاں عیسائی و مراکشی جانکاہ لڑائی میں مشغول تھے۔ اُنکے کانوں میں گھوڑوں کے دوڑتے پھرنے، ترنے و بوق کے بجنے، جلاجل کے جھنجھنانے اور ہزاروں طبل پر زور زور سے تھاپ پڑنے کی صدائیں آئیں۔ شمشیر و گرز و تیر کی چپک بھی تھی اور تیروں کی سنسناہٹ اور بھالوں اور برچھیوں کی کھٹاکھٹ بھی۔ عیسائی اپنے حریف کے سامنے لرزاں و ترساں تھے اور مسلمان اُن پر پل پڑے اور اُنکو بالکل منتشر کر دیا۔ صلیبی جھنڈا سرنگوں تھا اور ہسپانیہ کا علم قدموں کے نیچے پامال۔ ہوا میں خوشی کے نعرے، غیظ کی چیخیں اور دم توڑنے والوں کی آہیں گونج رہی تھیں شاہ رذریق نے دیکھا کہ بھاگنے والے دستوں کے بیچ میں ایک سپاہی تاج شاہی پہنے ہوئے ہے جسکی پشت اسکی طرف ہے مگر اُسکے اسلحہ و سامان خود اُسی کے ہیں اور وہ ایک نقرہ گھوڑے پہ سوار ہے جو خود اُسی کے لڑائی کے گھوڑے اور ریلیا نام کے مشابہ ہے۔ لڑائی کی گھبراہٹ میں وہ سوار گھوڑے کی پیٹھ سے جدا ہو گیا، اور پھر نہیں معلوم وہ کہاں گیا اور کیا ہو گیا۔ اور ریلیا میدانِ جنگ میں بے سوار ہو کر بے تحاشا بھاگ کھڑا ہوا۔

جب بادشاہ اور اُسکے مصاحب اس طلسمی برج سے ہراساں ہو کر بھاگے تو وہ بڑی بڑھی صورت غائب تھی، دونوں سن رسیدہ دربان دروازہ پر مرے پڑے تھے اور قدرت کی مختلف طوفان افزا بدشگونیوں کے درمیان وہ برج مشتعل اور اُسکا ایک ایک پتھر جل کر خاک سیاہ و برباد ہو رہا تھا۔ اور لوگوں کا بیان ہے کہ جہاں کہیں اسکی خاک زمین پہ گری وہاں خون کا ایک قطرہ دیکھنے میں آیا۔

عہد متوسط کے عیسائی و عرب مورخ دونوں ہی کو اس قسم کی بدفالیوں کو بیان کرنے میں خوشی حاصل ہوتی تھی۔

داستان وہم علامتہا و خواب فالہا طرفہ تصویر خیالی را بیاذار آورند

پیکر تخئیل قوطی بالباس و نقش و رنگ عاریت کردہ ز اوہام عرب باز آورند

اور ہم کتابوں میں دیکھتے ہیں کہ کیونکر اس آنیوالی جنگ کے بارے میں دونوں فریق مختلف قسم کے شگونوں سے شاداں و ہراساں تھے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بیان ہے کہ طارق کے پاس خواب میں تشریف لائے اور اُن سے فرمایا کہ ہمت کرکے لڑو اور فتح حاصل کرو۔ اور بہت سی اسی قسم کی کہانیاں بیان کیگئی ہیں۔ لیکن جو فوجیں کہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں دریائے وادی لک پر اور اُسکے قریب خیمہ زن تھیں اُنکے خواب و خیال چاہے کچھ ہی رہے ہوں اس جنگ کا نتیجہ کبھی مشتبہ نہ رہا۔ گو طارق کے پاس بلاشبہہ پانچہزار بربروں کی کمک پہونچی تھی تاہم اُسکے تحت میں ایک چھوٹی سی فوج بارہ ہزار سپاہیوں کی تھی اور رذریق کے پاس اسکے چھ گنے آدمی پشت پر موجود تھے۔ لیکن حملہ آور قوی بہادر و پختہ کار، لڑائی کے عادی اور ایک جری سردار کے ماتحت تھے اور اندلسی بدحال غلاموں کے غول تھے جنکے سپہ سالاروں میں دغاباز امرا شامل تھے۔ شاہ وٹیزا کے اقربا بھی رذریق کی طلبی پر آموجود ہوے تھے مگر اُنکا ارادہ یہ تھا کہ عین جنگ میں اُنھیں چھوڑ کر دشمنوں کے ساتھ جا ملیں اور شرقیین کو لڑائی جتادیں اُنھیں اسکا کچھ خیال نہ تھا کہ وہ ہسپانیہ کے ساتھ بیوفائی کرتے ہیں۔ یہ سمجھتے تھے کہ حملہ آور صرف مال غنیمت کی تلاش میں ہیں اور جب یہ مڈبھیڑ تمام ہو جائیگی اور مال و متاع اُنکے ہاتھ لگجائیگا تو وہ افریقہ واپس چلے جائینگے اور غیطشہ کے خاندان کو اُسکا قدیم تخت واپس ملجائیگا۔ یہ وجہ ہوئی کہ ان لوگوں نے اس فتح میں حملہ آوروں کی مدد کی۔ جسنے ہسپانیہ کے عمدہ ترین اضلاع کو آٹھ صدیوں کے لیے مسلمانوں کی حکومت میں دیدیا۔

جب مسلمانوں نے اُس جرار فوج پر نظر ڈالی جو رزریق انکے مقابلہ کیلیے لایا تھا اور
بادشاہ کو اُسکے پر شکوہ اسلحہ سے مسلح ایک زرق برق شامیانہ کے نیچے دیکھا تو ایک لمحہ
کیلیے اُنکے اوسان خطا ہوگئے۔ مگر طارق نے زور سے نعرہ مارا۔ "سنلے لوگو! دشمن تو تمہارے
سامنے ہیں اور سمندر تمہاری پشت پر۔ بجز اسکوئی صورت تمہارے سفر کی نہیں ہے بجز اسکے
کہ بہادری کے جوہر دکھاؤ اور استقلال سے کام لو"۔ سب نے ہمتیں باندھیں اور چلا اٹھے
کہ او طارق، ہم تیرا اتباع کرینگے۔ اور اپنے سپہ سالار کے پیچھے جان توڑ کر ہولیے۔ یہ جنگ
پورے ہفتہ بھر قائم رہی اور دونوں جانب بہادری کے بعید از قیاس واقعات قلمبند
ہوئے ہیں۔ رزریق نے بار بار اپنی فوج کو سنبھالا مگر جانبداران ویٹزا کے ادھر ملجانے
نے میدان جنگ کی تقدیر پلٹ دی اور اُسکو مصیبت انگیز شکست کی تماشہ گاہ بنادیا۔

ہوئی تھی رزریق کی جماعت بہت ہی ابتر مسبب خرابی
جو ہارا وہ آٹھویں لڑائی تھی دل میں قوت نہ آس باقی
جو دیکھا اُس نے کہ رن میں ہارا نہیں ہے باقی کوئی سہارا
تو بھاگنے والوں سے کنارے چلا اکیلا ستم کا مارا
وہ خون آلودہ خاک پر سر بھا نکلا ببول سے مثل اخگر
بہت ہی بیچین و سخت مضطر لیے ہوے ہاتھ میں تھا خنجر
مگر تھی دھار اُسکی شل اژدہ جو رنگ پر چہرہ تو سرخ و تیرہ
زرہ مرصع تھی پرزے پرزے ہوا تھا خود اُس کا پارہ پارہ
تھی ایک پہاڑی کی اونچی چوٹی اُسی کو اُسنے بنایا امن
وہیں سے ہر سو نگاہ ڈالی کہ پھر نہ ہونگے نصیب درشن
نظر پڑے اُسکو شاہی جھنڈے پھٹے ہوے اور زمیں پہ لتھڑے
سُنے وہیں سے ظفر کے نعرے عرب کا طعنہ کہ لو وہ ہارے

نگہ نے ڈھونڈا بہادروں کو لڑاتے تھے جو سواروں کو
تو پایا سب چل دیے گھروں کو کوئی نہیں جو گنے سروں کو
جہاں تک اسکی نگاہ پہونچی تو خون ہی خون دیا دکھائی
گھٹا مصیبت کی اُسپہ چھائی تو آنکھ نے اک ندی بہائی
میں کل کی شب تھا تمام دنیا کا سلطاں ہوں آج کے دن مگر پریشاں
تھے رات رہنے کو قصر و ایواں پہ آج پڑ رہنے کو ہوں حیراں
ابھی تھے خدمتگزار صدہا جو میرے آگے تھے کرتے سجدہ
پہ آج کوئی نہیں ہے اپنا الٰہی یہ ماجرا ہے کیسا
بہت برا تھا وہ روز و ساعت ہوئی تھی جسدم مری ولادت
کہ جب بڑا ہوں میں یہ نحوست کروں میں اس ملک پر حکومت
میں نحس طالع ہوں موت آئے نہ دیکھوں سورج غروب ہوتے
کہاں چھپی ہائے موت مجھسے لگائی کیوں دیر آج تو نے

ہسپانیہ کے قدیم آلھے تو اسی طرز پر ہیں۔ لیکن آج تک سراغ نہ لگا کہ رذریق کا کیا حشر ہوا۔ اُسکا گھوڑا اور اُسکے جوتے اس لڑائی کے دوسرے دن دریا کے کنارے پر ملے مگر اُسکی لاش وہاں نہ تھی۔ بلاشبہ وہ ڈوب مرا۔ اُسکی لاش بہکر سمندر میں چلی گئی۔ لوگوں نے اُس مردہ بادشاہ کو ایسے پُر تقدس راز کا لباس پہنایا جو اُسکی زندگی میں کبھی اُسے نصیب نہ ہوا تھا۔ لوگوں نے قوم قوط کے آخری بادشاہ کو قصہ کہانی کے ذریعہ سے ویسا ہی نجات دینے والا بنایا جس طرح شاہ آرتھر کو (انگلستان والوں نے) اور اُنکا اعتقاد یہ تھا کہ وہ سمندر کے کسی جزیرہ میں ٹھیرا ہوا ہے جہاں سے وہ اپنے زخموں کے اچھا ہو جانے کے بعد آئیگا اور کافروں (مسلمانوں) کے مقابلہ میں عیسائیوں کا سردار بنے گا۔ ہسپانیہ کی کہانیوں میں یہ ہے کہ رذریق نے اپنی بقیہ زندگی کفارہ کے باتقا اعمال میں بسر کی اور جو

گناہ اُسنے کیے تھے اُنکی سزا میں آہستہ آہستہ اُسکو سانپ کھا گئے۔ یہاں تک کہ آخرکار اُسکے گناہ دھلگئے۔ جسمانی اذیت نے روحانی تکلیف سے اُسے نجات دی اور رزریق کو ایمن جزیرہ میں جانے دیا گیا۔ جہاں سے اُسکے واپس آنے کا اُسکے اہل وطن زمانہ دراز تک انتظار کرتے رہے۔

دوسرا باب

موج فتوحات

"اے امیرالمومنین۔ یہ عام طور کے فتوحات نہیں ہیں، یہ قیامت کے دن قوموں کے باہم ملنے سے مشابہ ہیں"۔ موسیٰ حاکم افریقیہ نے خلیفہ ولید کو فتح وادی لک کی کیفیت میں یہ مضمون لکھا تھا۔ کچھ ایسے تعجب کا مقام نہیں ہے کہ عرب اپنی فتح کے مکمل ہونے سے متحیر ہوے۔ اُن خیالی باتوں سے درگزر کرکے جن سے ہسپانیہ کے مورخوں نے رزریق کے زوال کو ہرطرف سے گھیر دیا ہے۔ یہ ایک سنجیدہ تاریخی واقعہ ہے کہ فتح وادی لک نے سارا ہسپانیہ مرتفعو کے ہاتھ میں دیدیا۔ طارق اور اُسکے بارہ ہزار بربریوں نے صرف ایک جنگ کے ذریعہ سے اس پورے جزیرہ نما کو جیت لیا اور جو ضعیف مزاحمتیں کہ بعض شہروں میں ابھی تک پیش آنیوالی تھیں اُنکے فرو کرنے کے لیے صرف معمولی ستعدی و عجلت کی ضرورت تھی۔ اُس فاتح نے اپنی کامیابی کی تکمیل میں ذرا بھی سستی نہیں کی۔ علی الرغم اُس حکمنامہ کے جو موسیٰ نے جسکو اپنے بربری ماتحت کی غیر مترقب نام آوری پر سخت حسد ہوا تھا اُسے آگے بڑھنے کی ممانعت میں لکھا تھا وہ خوش نصیب سپہ سالار بلا توقف آگے بڑھتا چلا گیا۔ اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کرکے اُسنے جزیرہ نما میں پھیلا دیا اور تھوڑی وقت کے ساتھ شہروں کو یکے بعد دیگرے تابع کرلیا۔ اُسکے افسروں میں سے ایک شخص مغیث نامے سات سو سواروں کے ساتھ قرطبہ پر قبضہ کرنے کو بھیجا گیا۔ یہ سب چھپے رہے۔ جب اندھیرا ہوا مغیث چپ چاپ شہر کے قریب

پہونچا۔ اولے کے طوفان نے جسکو مسلمانوں نے قادرِ مطلق کی خاص مہربانی خیال کیا اُنکے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازوں کو دبا دیا۔ ایک چرواہے نے وہ جگہ بتا دی جہاں دیواریں ٹوٹی ہوئی تھیں، اور مسلمانوں نے اُسی مقام سے حملہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اُنمیں کا ایک آدمی جو سب سے منچلا تھا، انجیر کے ایک درخت پر چڑھ گیا جو دیوار کے شگاف کے نیچے اُگا ہوا تھا، اور اُسپر سے دیوار پر کود گیا اور وہاں سے اپنی لانبی دستار لٹکائی اور اپنے ساتھیوں کو اوپر کھینچتا گیا۔ ان لوگوں نے فوراً بے سان بے گمان محافظوں پر حملہ کر دیا۔ اور حملہ آوروں کی بڑی جماعت کے لیے شہر کے دروازے کھولدیے۔ اور ایک دو دارجی نہ چلنے پائے کہ شہر ہاتھ آگیا۔ حاکم شہر و قلعہ دار نے ایک عیسائی خانقاہ میں پناہ لی۔ جہاں مہینوں وہ سخت محاصرے میں رہے۔ جب مجبور ہو کر ان لوگوں نے اطاعت قبول کی تو قرطبہ یہودیوں کی سپردگی میں دیا گیا۔ اسلیے کہ ان لوگوں نے اثنائے جنگ میں اپنے آپ کو مسلمانوں کا جاں نثار دوست ثابت کیا تھا، اور اسکے بعد سے ہمیشہ فاتحوں نے ان لوگوں کا بہت خیال رکھا۔ مسلمانوں نے یہودیوں کو اپنا خالص دوست بنا لیا اور بہت اخیر زمانہ تک انکو کبھی آزار نہیں دیا، جس طرح کہ قوطی پیشوایان مذہب اُنھیں ستایا کرتے تھے۔ جہاں کہیں شرقیوں کے اسلحہ پہونچے وہاں اُنکے پیچھے پیچھے یہودی بھی آموجود ہوے۔ جب تک عرب لڑتے رہتے تھے یہودی خرید و فروخت کرتے تھے اور جب لڑائی ختم ہو جاتی تھی تو یہودی و عرا کشی دونوں باہم مل کر تعلیم و فلسفہ و علوم و فنون کی اُس ترقی میں مصروف ہو جاتے تھے جس نے متوسط زمانہ میں شرقیین کی حکومت کو سب سے بڑھ کر ممتاز بنایا تھا۔

یہودیوں کی معاونت اور ہسپانیہ والوں کی دہشت سے طارق کی ملک گیری بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھی۔ ارشیدونا بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے قبضہ میں آگیا۔ کل باشندے پہاڑوں میں جا چھپے تھے۔ مالقہ نے خود اطاعت قبول کر لی، اور البیرا

(جسکے قریب اب غرناطہ قائم ہے) پر حملہ کیا گیا۔ مرشیا کے پہاڑی دروں کی تھوڑے عرصہ تک تھیوڈمیر نے بڑی بہادری و ہشیاری سے حفاظت کی لیکن آخرکار جب وہ میدان میں نکلکر کھلی لڑائی لڑنے کیلیے عد سے زیادہ سمجھایا گیا تو عیسائی فوج بالکل تہ تیغ بیدریغ ہو گئی۔ اور تھیوڈمیر صرف ایک شاگرد پیشہ کو ساتھ لیکر شہر اوریہویلا کو بھاگ گیا وہاں اُس نے اپنے تعاقب کرنیوالوں کو بڑی ذہانت سے دھوکا دیا۔ چونکہ شہر میں کوئی مرد نہیں بچا تھا' اسلیے کہ جوانانِ مرشیا میدان میں کام آچکے تھے۔ اُسنے عورتوں کو اسپر آمادہ کیا کہ مردانہ لباس پہنیں اور خود اور نیزوں کی سی لانبی لاٹھیوں سے مسلح ہوں اور اپنے سر کے بالوں کو ٹھوڑیوں کے نیچے لے آئیں تاکہ داڑھیاں دکھائی دیں۔ اسکے بعد اُس نے ان عجیب قلعہ داروں کا پرا فصیلوں پر جما دیا۔ اور جب دشمن شام کے سایہ میں قریب پہونچے تو فصیلوں کی ایسی عمدہ حفاظت دیکھکر بد دل ہو گئے۔ پھر تو تھیوڈمیر نے صلح کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں اور شاگرد پیشہ کو ایلچی کا چغہ پہنا کر ساتھ میں لیا۔ اور دونوں آدمی صلح کی شرطیں طے کرنے کو دشمن کے لشکر میں پہونچے۔ مسلمان سپہ سالار مہربانی کے ساتھ ان سے ملا اور اُسنے شہزادے کو نہیں پہچانا۔ تھیوڈمیر نے کہا کہ میں اس شہر کے سپہ سالار کے پاس سے آتا ہوں تاکہ اس وضع کی شرطیں طے کروں جو آپ کی اولوالعزمی اور اسکی عزت کے لایق ہوں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ یہ شہر اس لایق ہے کہ ایک ممتد محاصرہ کو سنبھال سکے مگر اسکی خواہش ہے کہ اپنے سپاہیوں کی جانیں ضایع نہ کرے۔ آپ وعدہ کیجیے کہ باشندوں کو اس بات کی آزادی رہیگی کہ بلا تعرض مع اپنے اسباب کے چلے جائیں اور کل صبح کو بغیر لڑے ہوے یہ شہر آپ کے حوالہ کر دیا جائے۔ ورنہ جبتک ایک آدمی بھی باقی رہیگا ہم آپ سے لڑینگے۔ اُسیوقت صلح کے شرایط لکھے گئے اور جب اُس مراکشی نے اپنی مہر اُس پر ثبت کر دی تھیوڈمیر نے قلم لیکر اپنا دستخط کر دیا اور کہا کہ مجھی کو دیکھو میں ہی اس شہر کا سپہ سالار ہوں۔ صبح کو پو پھٹتے ہی پھاٹک کھولدیے گئے

اور مسلمان سمجھے کہ ایک بڑی فوج اب باہر نکلیگی۔ مگر صرف تھیوڈمیر اور اُسکے شاگرد پیشہ کو
ٹوٹے پھوٹے اسلحہ سے مسلح نکلتے دیکھا، اور اُنکے پیچھے غول کے غول بوڑھے مرد، عورتیں،
اور بچے تھے۔ مراکشی نے پوچھا کہ وہ سپاہی کہاں ہیں جنکو میں نے کل فصیلوں پر صف بستہ
دیکھا تھا؟ تھیوڈمیر نے کہا کہ سپاہی تو میرے پاس ایک بھی نہیں ہے۔ رہے میرے
قلعہ دار، اُنھیں اپنے سامنے دیکھ لو۔ انھیں عورتوں سے میں نے اپنی فصیلوں پر مورچہ بندی
کی تھی اور یہ شاگرد پیشہ میرا ایلچی، محافظ اور مصاحب ہے۔ مراکشی سالارِ فوج اس چال
کی دلیری و پُر ذہانت ہونے سے جو اُس سے کیگئی ایسا متاثر ہوا کہ اُس نے تھیوڈمیر
کو علاقۂ مرشیا کا حاکم مقرر کیا جو اسکے بعد ہمیشہ عربی میں ارضِ تھیوڈمیر کے نام سے مشہور
رہی۔ اس ابتدائی زمانہ میں بھی مراکشی سچی بہادری کے اصول کو جانتے اور برتتے تھے۔ ان
لوگوں نے اُسی وقت وہ استحقاق بہادر ہونے کا حاصل کرلیا تھا جسنے بعد کی کئی صدیوں
تک فتحمند اہلِ ہسپانیہ کو اسپر مجبور کیا کہ انھیں بہادرانِ غرناطہ و شرفا کے نام سے پکاریں۔

اسی اثنا میں طارق طلیطلہ تک جو قوم قوطہ کا دار السلطنت تھا بڑھتا چلا گیا۔ وہ قوطی
امرا کی تلاش میں تھا۔ اُسے اُمید تھی کہ وہ قرطبہ میں ملیں گے مگر وہاں سے وہ بھاگ نکلے
تھے۔ طلیطلہ میں بھی جسکو یہودیوں نے اُسکے سپرد کردیا وہ نہ ملے۔ وہ بھاگ کر آگے چلے گئے
اور استوریا کے پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ صرف ملکی امرا خاندان وٹیزا اور کونٹ
یولیان کی طرح کے لوگ رہ گئے تھے اور ان لوگوں کو انعام میں حکومت کے عہدے
عنایت ہوئے بقیہ امرا غائب ہوگئے۔ اور ملک مراکشیوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا گیا۔ فی الحقیقت
خلفاءِ عرب کی وسیع مملکت کا جسکا دار الخلافہ دمشق تھا اور جنکے قبضۂ اقتدار میں ایسی
مملکت تھی جو ہندوستان کے پہاڑوں سے لیکر ہرقل کے ستونوں تک پھیلی ہوئی تھی ایک حصہ
ہوگیا۔ ہسپانیہ کو سکون و اطمینان کی حالت پر لانے کے لیے جو تدبیر باقی رہگئی تھی اُسکو آکر
موسیٰ نے تمام کیا اس لیے کہ جب اسکو طارق کی مسلسل کامیابیوں کی خبر ملی تو نہایت عجلت

کے ساتھ اپنے عربوں کو ہمراہ لیکر آبنائیوں کے پار اس غرض میں پورا حصہ لینے کیلیے جہازوں پر روانہ ہوا۔ وہ ۷۱۲ء کے موسمِ گرما میں اٹھارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ اس طرف پہونچا۔ اور کارموٗنا، سیو ائل، ومیرڈا کو قبضے میں کر لینے کے بعد طلیطلہ میں طارق سے آملا۔ اس فاتح اور اسکے افسر بالادست کی ملاقات دوستانہ نہ تھی۔ طارق بڑے تزک و احتشام کے ساتھ حاکمِ مغرب کے استقبال کو باہر نکلا۔ لیکن موسیٰ نے اُسکو تازیانہ مارا اور اپنی ہدایتوں سے تجاوز کرنے کی علت میں اُسکی سخت زجر و توبیخ کی۔ اور یہ لکھکر کہ یہ امر محال ہے کہ ایسے بے احتیاط و تندمزاج افسر کے ہاتھ میں مسلمانوں کی جانیں دیجائیں، اُسکو قیدخانہ میں ڈالدیا۔ جب اس حاسدانہ ظلم کی کیفیت خلیفہ ولید کے کانوں میں پہونچی، اُسنے موسیٰ کو دمشق طلب کر لیا اور طارق کو پھر ہسپانیہ کی سپہ سالاری پر بحال کیا۔

ملکِ شام واپس جانے سے پہلے موسیٰ نے پی رینیز پہاڑ پر کھڑے ہوکے یورپ کے فتح کرنے کا خیال دوڑایا تھا۔ اُسکے واپس بلائے جانے نے اُسکی سبقت میں خلل ڈالدیا۔ مگر اور لوگ فوراً آگے کی طرف بڑھ چلے۔ ایک عرب حاکم نے نہیت ہی ابتدا یعنی ۷۱۹ء میں قدیم فرانس کے جنوبی حصہ پر جو سپٹی مینیا کہلاتا تھا اور جسمیں شہر کارکےسون و شہر ناربون شامل تھے قبضہ کرلیا۔ اور انھیں مرکزوں سے اُسنے برگنڈی اور اکوی ٹینیا میں لوٹ مچانا شروع کیا۔ یوڈس اکوی ٹینیا کے ڈیوک نے عربوں کو ۷۲۱ء میں ٹوُلوس کی دیواروں کے اندر کامل شکست دی۔ مگر اس سے صرف یہ ہوا کہ اُنکا رُخ اور آگے کی طرف ہوگیا۔ ان لوگوں نے شہر بون کو لوٹا، قوم سِن سے خراج لیا، ۷۲۵ء میں اوٹن پر قبضہ کرلیا اور آس پاس کے اضلاع پر متعدد حملے کیے۔ شہر ناربون کے نئے حاکم عبدالرحمٰن نے منصوبہ باندھا کہ سارے گال (قدیم فرانس) کو فتح کرلے اس نے یوڈس کی کارروائیوں کو پہلے ہی روکدیا۔ جسنے ٹولوس کی فتحیابی کے بعد یہ خیال خام کیا تھا کہ شرقیوں کے ملک میں جا کر لڑائیاں لڑونگا اور اب اُس نے قوم برگونڈی پر حملہ کیا اور دلیری کے ساتھ اکوی ٹین پر چڑھائی کی۔ دریائے گیرون کے کنارے پر یوڈس

کو شکست دی - بورڈون کو تلہ کرکے لیلیا اور ۷۳۲ء میں فتحمندی کے ساتھ ٹورس کیطرف بڑھا جہاں کی نسبت اُسنے سنا تھا کہ سینٹ مارٹن کی ابی (خانقاہ) میں خزانے ہیں - پوئی ٹیرس اور ٹورس کے درمیان چارلس سے مقابلہ ہوا - چارلس پےپن دوی ہے اسٹل کا بیٹا تھا جو اُسوقت میں گویا فرانس کا بادشاہ تھا - اس لیے کہ کمزور بادشاہ یوتھر میں اس قدر قوت نہ تھی کہ محلسرا کے باقتدار منتظم کا مقابلہ کرسکے - شرقیین خوشی کے ساتھ لڑنے کو گئے - انھیں توقع ہوئی کہ یہ دوسرا (لگا ڈیلیٹ) وادی لک کا میدان ثابت ہوگا - اور سمجھے کہ کیلیے سے لیکر مارسلس تک خوبصورت فرانس ہمارے قبضہ میں آجائیگا - اس لڑائی میں ایک ایسے مسئلہ کا فیصلہ ہونیوالا تھا جو یورپ کے لیے نہایت ہی مہتم بالشان تھا - اس جنگ کو جن لوگوں نے دنیا کی اُن پندرہ لڑائیوں میں سے شمار کیا ہے جن سے لوگوں کی قسمتوں کا فیصلہ ہوا ہے اُنھوں نے بہت ٹھیک کیا ہے - جس مسئلہ کا فیصلہ اسلحہ کے زور سے ہونیوالا تھا وہ یہ تھا کہ آیا یورپ عیسائی رہیگا یا مسلمان ہو جائیگا - یعنی آیندہ کے لیے آیا فرانس کی قومی عبادتگاہ مسجد ہوگی یا گرجا؟ اور شاید یہ بھی کہ انگلستان میں سینٹ پال (پولوس مقدس) کے گرجا میں جب وہ بنجائے عیسیٰ مسیح کے گیت کی آواز گونجے یا اسلام کی نماز پڑھی جائے؟ اگر شرقیین ٹورس میں روکے نہ جاتے تو کوئی وجہ یہ قیاس کرنے کی نہیں ہے کہ وہ انگلش چینل کے پاس ٹھیر جاتے - لیکن جیسا کہ قسمت نے فیصلہ کر دیا تھا اسلامی حملے کا طوفان اپنی انتہائی حد تک پہونچ چکا تھا - عنقریب اُس میں جزر آنیوالا تھا - چارلس اور اُسکے فرنگی رومی نما اہل اسپین اور روما کی طرح کوئی نامرد قوم نہ تھے - بدرجۂ اوّل وہ ویسے ہی مضبوط بہادر تھے جیسے خود مراکشی - اور اُنکے شاندار قد و قامت سے اُنھیں ایسی فوقیت حاصل تھی جو اپنا اثر ظاہر کیے بغیر نہیں رہ سکتی تھی - چھ دن جزوی لڑائیوں میں بسر ہوئے اور ساتویں دن عام جنگ کی نوبت آئی چارلس بے روک قوت کے ساتھ مسلمانوں کی صفوں کو چیرتا دائیں بائیں ایسے بھاری ہاتھ لگاتا چلا گیا کہ اُسی دن سے اُسکا نام چارلس مارٹل (یعنی ہتھوڑے کی ضرب) پڑگیا - اُسکے

فرنگی سپاہیوں نے جو اپنے سردار کی ایسی بہادری دیکھی تو جوش میں بھر گئے اور پامال کر دینے والی قوت کے ساتھ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور مسلمانوں کی پوری صف نہایت ابتری سے بھاگ گئی۔ اس جگہ کا عرصۂ دراز تک اندلس میں ہیبت و خوف کے ساتھ "فرشِ شہدا" نام مشہور رہا۔

مغربی یورپ کا خطرہ ٹل گیا۔ یہ مصیبت ایسی مغلوب کرنیوالی تھی کہ اندلس کے مسلمانوں نے اُن تمام صدیوں کے اندر جن میں وہ جنوب پر حکمراں رہے پھر کبھی فرانس پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہاں اس میں شبہہ نہیں کہ کچھ زیادہ عرصے تک (یعنی ۷۵۹ء تک) نوربون اور ان اضلاع پر جو کوہ پیرنیز کے شمالی دامن کے کنارے واقع ہیں ان لوگوں نے قبضہ باقی رکھا۔ اور تیرہ بھی جرأت کی کہ پروونس پر لوٹ کھسوٹ کے حملے کیے مگر انکے حوصلے یہیں تک تھے یہ ٹورس کی لڑائی نے ہمیشہ کے لیے فرانس کی خودمختاری کو سنبھال لیا اور فتوحاتِ اسلامیہ کی حد بندی کر دی۔ سمندر کے اونچے اُٹھنے والے جوار بھاٹے کی طرح مسلمان خشکی میں چل نکلے تھے اور اب فرنگیوں کے ہتوڑے کے ذریعہ سے یہ صدا بلند ہوئی کہ "یہاں تک تو تو آئیگا مگر آگے نہیں۔ اور یہیں تیری مغرور موجیں ٹھیر جائیں گی"۔

اِدھر کا تو یہ حال ہوا اور اُدھر بادشاہانِ فرانس کے قلب پر اپنے مسلمان پڑوسیوں کی جرأت کا ایسا سکہ بیٹھا کہ گو وہ بھی وقتاً فوقتاً غارتگری کے حملوں سے دل بہلایا کیے لیکن صرف ایک ہی مرتبہ اندلس کو تابع فرمان کرنے کی کوشش کی۔ شارلیمین سکندرِ ثانی بھی اطمینان کے ساتھ یہ خیال دل میں نہ لا سکا کہ پیرنیز کے دوسری جانب کو مسلمانوں کے قبضۂ اقتدار سے باہر نکال لے۔ نیکوکار عیسائی ہونے کی حیثیت سے اُس پر واجب تھا کہ کافروں (مسلمانوں) کی بیخکنی کر دے اور شہنشاہ ہونے کے اعتبار سے اندلس کی خودمختار سلطنت کا وجود اسکی توہین کا باعث تھا۔ لیکن آخر کو اُسے موقع ہاتھ آیا۔ وہ موقعہ یہ تھا کہ خاندان بنی اُمیہ میں سے اول اندلسی شہزادہ کی تخت نشینی نے اُن گروہوں کی آتش عداوت کو بھڑکایا جو ہمیشہ اندلس میں فساد برپا کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔

شارلی مین کو ان لوگوں نے اس معاملے میں دخل دینے اور غاصب کو نکالنے کے لیے بلا بھیجا۔ ہسپانیہ والے وقائع نگار کہتے ہیں کہ اسچوریا کے بادشاہ اور پلے جیس کے وارث الفونسو نامی نے شہنشاہ فرانس کو اپنی مدد کے لیے بلا بھیجا۔ مگر یہ یقین کرنے کی زیادہ تر وجہیں ہیں کہ یہ بلاوا بعض نارض مسلمان سرداروں کی طرف سے گیا تھا۔ اس لیے کہ یہ سردار عبدالرحمن اموی کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس نئے فرمانروا کو بادشاہ مان لینے سے اسکو بہتر سمجھتے تھے کہ اسلام کے مسلم الثبوت دشمن کی اطاعت قبول کریں۔ ان لوگوں کی درخواست کا وقت بھی حسب دلخواہ تھا۔ کیونکہ شارلے مین نے اپنے خیال کے موافق فوراً سیکسن لوگوں کو مطیع کرنے کا کام تکمیل کو پہونچا یا تھا۔ انکا سردار ویٹے کنڈ نامی جلاوطن ہو چکا تھا اور اسکے پیرووں میں سے ہزاروں آدمی پیڈربارن کے پاس اصطباغ لینے کو چلے آرہے تھے۔ اس وجہ سے اس فاتح کو اسقدر فرصت تھی کہ ملک گیری کی اور تدبیروں کی طرف متوجہ ہو۔ یہ امر طے پا گیا کہ وہ اندلس پر حملہ کرے اور اس اثنا میں بعض سرداران اسلام تین مختلف مقاموں میں لوگوں کو اصلی حالات سے بےخبر رکھنے کے لیے الجھا رکھیں۔ مگر قرطبہ کے نئے خاندان شاہی کی خوش قسمتی تھی کہ یہ مہیب سازش کالعدم ہو گئی۔ اندلسی رفقا نے وقت کے شمار میں غلطی کی۔ وہ آپس ہی میں لڑ پڑے اور جب شارلے مین ۷۷۸ء میں کوہ پی رینیز کے اس طرف اتر آیا تو دیکھا کہ کوئی شخص مدد دینے والا نہیں ہے۔ اسنے سرقسطہ کا محاصرہ شروع ہی کیا تھا کہ اسکے پاس خبر پہونچی کہ ویٹے کنڈ لوٹ آیا اور سیکسن لوگوں کو اسنے پھر بھڑکایا۔ وہ سب پھر آمادۂ جنگ ہیں اور کولون تک بڑھ آئے ہیں۔ اس سبب سے شارلے مین نے بجز اسکے کوئی چارہ نہ دیکھا کہ عجلت کے ساتھ واپس جائے اور اپنی سلطنت کو بچائے۔ چنانچہ وہ تیزی کے ساتھ واپس ہوا اور اسکی فوج کا بڑا حصہ پہاڑ کو قطع کر چکا تھا۔ اسوقت رانسیس ویلس کے درے میں فوج کے پچھلے حصہ پر مصیبت کا آسمان ٹوٹ پڑا۔ قوم باسک نے جسکو فرنگیوں سے

ہمیشہ سے نفرت تھی کوہ پی رنیز کے سنگلاخ تنگ دروں میں بہت ہی ہشیاری سے کمینگاہیں بنا رکھی تھیں - ان لوگوں نے لشکر کے اگلے حصہ کو تو ان رستوں سے چپ چاپ گزر جانے دیا اور اُسوقت تک انتظار کرتے رہے جب پچھلے دستہ نے جو اسباب سے لدا ہوا تھا آہستہ آہستہ اُس درہ کی پیچ در پیچ راہ کو قطع کرنا شروع کیا۔ اُسوقت وہ رنگے سب ہمہ تن لشکریوں پر ٹوٹ پڑے - یہاں تک کہ ایک فرنگی بھی نہ بچا - عیسائی وقائع نگار اُس دن کی خونریزی کی ہیبتناک داستانیں بیان کرتے ہیں - ان لوگوں کے بیان کے موافق جن لوگوں نے اُس دن لیون کے نائٹوں کے ساتھ لکھوے سے کھوا ملاکر شاہ چارلس کی فوج کو بالکل نیست و نابود کر دیا وہ مسلمان ہی تھے - ہسپانیہ کے اُطلے سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ کیونکر کہانیوں والا سورما برناڈ فرنگیوں کی فوج کو تہِ تیغ بیدریغ کرنے کے لیے لیون کے بہادروں کو اپنی تبعیت میں لے گیا تھا۔

چلا ہے برناڈ لیون سے اب ہے تیس سو ساتھ کی جماعت
کرے وہ اندلس کی تا حفاظت۔ بڑھیں فرنگی نہ اپنی حد سے
وہ چاہتا ہے کہ شہر اُسکا جو بیچ میں ہے سمندروں کے
مٹے نہ ہلیوکا نام اُس سے رہے وہ محفوظ روز بد سے

یہی وہ چلّا کے کہ رہے ہیں - ہوے ہیں آزاد ہم تو پیدا
اگرچہ تابع ہیں اپنے شہ کے تسارے ہیں اس ہلال کے ہم
خدائے قادر کی ہے وہ مرضی - گر کرینگے نہ ہم غلامی
نہ حق میں نسلوں کی اپنے ہونگے۔ کبھی سبب ابتذال کے ہم

نہ ہم دلوں کے ہیں ایسے بودے - نہ بازووں میں ہیں سست ایسے

ؔ ان رگوں کے ہیں ست رو وہ کہ توڑ دیں اپنے قول و دعوے
خدا نے پیدا کیا ہمیں حُر، اگرچہ ہو شاہ یا بہادر
کبھی نہ چھوڑینگے حریت ہم، جو کوئی چاہے تو خوں بہائے

اگر خدا ہی نے لکھدیا ہے کہ مالک اندلس کا چارلس ہو
تو وہ بھی آنکھوں سے دیکھ لیگا کہ لیون والوں کا مُنھ کیا تھا
وہ ہو گا شاید ہمارا مرزا - سلف کے جینے کا آئینہ ہے
سنا تھا یونین کی ہم کا قصہ، اُسے زمانہ نے آنکھوں دیکھا

وہ شیر دل ہوئے جنھوں نے پنجے بھرے لڈیا کے بہتے خوں میں
وہ اُن سے کیا اب نہیں لڑینگے قدیم قانونِ حریت کو
جو چکنی صورت کے بُزدلے ہیں وہ سیم و زر دیدیں جسکو چاہیں
مگر نہ بدلے گا کوئی انسان ہمارے شیر دلوں کی ماہیت کو

لیون کے اُن سورما سپاہیوں کے پہلو بہ پہلو جنھوں نے آسچوریا کے شہزادہ کے شریک ہو کر شارلے مین کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا تھا (جیسا کہ قصے کہانیوں میں ہی) بہادران عرب کا ایک غول تھا جو کنارہ کش فرنگیوں پر حملہ کرنے میں شریک حال ہو گیا تھا۔ بیسپو ڈوٹرین نے چارلس اور اور لینیڈو کی جو فسانہ کی سی تاریخ لکھی ہے اُس میں ہے کہ تیس ہزار مسلمانوں کی ایک تازہ جماعت عیسائیوں پر خونخواری کے ساتھ ٹوٹ پڑی۔ اور عیسائی چونکہ اسقدر عرصہ تک لڑنے کی ماندگی سے ناتوان و خستہ و کوفتہ ہو رہے تھے اسلیئے مسلمانوں نے پست و بلند سب کو خاک کے برابر کر دیا۔ ایک شخص بھی باقی نہ بچا۔ کچھ برچھیاں وار پار کرکے مارے گئے، کوئی لاٹھیوں سے، کسی کا سر توڑا گیا، کوئی جلایا گیا۔ بعض کی زندہ کھال اُتار لی گئی، بعض درختوں میں لٹکائے گئے۔ یہ قتل عام بہت ہی ہیبت انگیز تھا اور

اُس دن کی یاد اُس علاقہ کے کاشتکاروں کے خیال سے کبھی بُھلائے نہ بھولی۔ جس زمانہ میں انگریزی فوج نے درۂ ران سس ولیس میں ہو کر نیپولین کے سپہ سالاروں کا تعاقب کیا تھا تو سپاہیوں نے وہاں کے لوگوں کو اس قیامت خیز میدان جنگ کا آلھا گاتے سنا تھا اور ہسپانیہ کے بھاٹوں نے اس جنگ کے بہت سے جھوٹے سچے واقعات موزوں کیے ہیں ان میں سے سب سے مشہور امیر البحر فارنیس کا آلھا ہے، جسکو ڈان کوئی زوٹ اور سینکوپنزا نے ٹوباسو میں گاتے سنا تھا جیسا کہ کروٹیسز کی سچی تاریخ میں مذکور ہے :-

تمھارے حق میں فرانس والو بُرا تھا دن ران سس ٹیلے پر بس کا
ہوا تھا دو ٹکڑے جبکہ نیزہ۔ تمھارے معزز چارلس کا
بجا ہے لعنت کرو جو اُن پر۔ مرے تمھارے بہت تونگر
بہت سے سردار تھے جو خود سر سدھارے دنیا سے خاک ہو کر
وہ چارلس کا امیر بحری، تھا فارنیس جس کا نام نامی
تھا سات مسلم شہوں کا قیدی۔ نصیب میں اُسکے تھی غلامی

اسی آلھے میں آگے چل کر فارنیس کے قید میں رہنے اور نیزہ بازی کی مشق میں اپنے گرفتار کرنے والے سے انتقام لینے اور گھوڑے پر سوار ہو کر فرانس بھاگ جانے کا حال مذکور ہے۔

اُس دن کے مقتولوں میں سے نامور بہادر رولنڈ بھی تھا جو بریٹنی کی سرحد کا حکمراں تھا۔ شارلے مین کی کہانیوں میں اسی شخص کا نام سرلون سے لاٹ ہے اور جو بہادرانہ کام اسکی طرف منسوب ہیں انکی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کہانیاں کہتی ہیں کہ یہ شخص بہت ہی گھنے غول میں دن بھر لڑا اور اپنی عمدہ تلوار سے جسکا نام ڈیورنڈا تھا برابر ہیبت انگیز وار کرتا رہا۔ لیکن اسکی یہ سب قوتیں کچھ کام نہ آئیں اور جنگ کا میدان جیت نہ سکا۔ آخر کار سر سے پا تک زخموں میں بھرا ہوا اور ہر طرف سے اپنے دوستوں کی لاشوں سے گھرا ہوا زمین پر پڑ گیا اور جان نذر کرنے کو مستعد ہو بیٹھا مگر پہلے اُسنے اپنی وفادار تلوار کھینچی۔ اسلیے کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی اور

بھاٹوں

کے قبضہ میں جا سکے اور اُسکی طرف خطاب کر کے کہا "او تلوار! تیری چمک دمک بےنظیر۔ تیرا
طول و عرض مناسب، تیری اصالت بےمثل ہے۔ تیرا قبضہ نہایت براق فیل دنداں کا سونے
کی شاندار صلیب سے مرصع ہے اور اسکے سرے پر پکھراج کا سیب کا سا دانہ لگا ہوا ہے۔
جس پر خدا کا نام پاک کندہ ہے۔ تجھکو خدا نے تیزی اور ہر طرح سے نوادر عطا کیے ہیں۔ تو
لڑائی میں تو کسکے ہاتھ رہیگی اور کسکو اپنا آقا سمجھے گی۔ وہ شخص جسکے قبضہ میں تو تھی کبھی
اُسپر فتح نہیں پائی اور نہ کبھی دشمن سے خائف ہوا نہ خیالات باطلہ سے کبھی ہراساں ہوا
خدا کی مدد سے تیرے ہی ذریعہ سے اُس نے عربوں کو نا کہیں ملایا اور مسیحی کے دین کو
آسمان تک پہونچایا اور کامل شہرت حاصل کی۔ او خوش نصیب اور تیز سے تیز تلوار کوئی
تلوار تیرے مثل کبھی نہ ہوئی۔ جس نے تجھے بنایا تھا اُس نے تیرا مثل نہیں بنایا تھا اور ایک
آدمی بھی تیری ضرب سے جاں بر نہ ہوا" اور اس خیال سے کہ مبادا اڈورنڈا کسی بزدل
یا کسی بے دین کے قبضہ میں چلی جاوے، رولینڈ نے اسے پتھر پر دے مارا اور ٹکڑے ٹکڑے
کر ڈالا۔ اسکے بعد اس نے اپنا سنگھا پھونکا جسکی آواز اس قدر گونجتی تھی کہ سارے
سنگھوں کی صدائیں دھیمی پڑ جاتی تھیں۔ اور اس وقت تو اس نے اُسکو اپنی پوری قوت
سے پھونکا تھا، یہانتک کہ اُسکی گردن کی رگیں پھٹ گئیں۔ اس مہیب سنگھے کی آواز گونجتی
ہوئی شاہ چارلس کے کانوں میں پہونچی جو اُس مصیبت سے بیخبر جو اسکی فوج کے آخری دستہ
پڑی تھی، آٹھ میل کے فاصلہ پر خیمہ زن تھا۔ بادشاہ اس دردناک آواز پر جو کسی حسرت انگیز
سانحے کی خبر دیتی ہوئی معلوم ہوتی تھی ضرور پہونچا لیکن ایک گمراہ نے اُس سے کہا کہ رولینڈ
تو شکار کو گیا ہے۔ اور شاہ کو یوں سمجھا بجھا کر اپنے وفادار جانباز سپاہی کی فریادرسی کرنے
سے باز رکھا گیا۔ آخر اُس جانباز نے دعا و توبہ کر کے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اسکے بعد
فرانس کا ایک امیر بالڈون نامے دوڑا ہوا بادشاہ کے پاس پہونچا اور ساری سرگذشت
اسکی فوج کے آخری دستے کی تباہی اور رولینڈ اور آلیور کی جانبازی کی کہہ سنائی۔ اسکا

سننا تھا کہ بادشاہ اور اُسکی ساری فوج اُلٹے پاؤں پھری اور رانسیس ولیس کو واپس آئی
جہاں ساری زمین میں کشتوں کے پُشتے لگے ہوئے تھے ۔ اور سب سے پہلے چارلس ہی کی نظر
اُس نامور بہادر کی لاش پر پڑی ۔ وہ صلیب کی صورت میں پڑی تھی اور اسکا سنگھا اور ٹوٹی ہوئی
تلوار اسکے پہلو میں پڑی ہوئی تھی ۔ اسکے دیکھتے ہی چارلس اعظم نے ڈاڑھیں مار مار کر رونا شروع کیا ۔
وہ ہاتھوں کو ملتا ، اپنی داڑھی کھسوٹتا اور نالہ و شیون کی حالت میں یہ بھی کہتا تھا کہ "اے جسم بادشاہ
کے دستِ راست ۔ فرنگیوں کی عزت تیغ معدلت ۔ نہ جھکنے والے نیزے ۔ نہ ٹوٹنے والے چار آئینے
سپر سلامت ۔ حامیِ عیسائیاں ۔ تازیانۂ مسلماناں ۔ دیوارِ رہباناں ۔ محب بیوگاں و یتیماں نصفت
شعار و ایماندار حاکم ! اے فرنگیوں کے مشہور کونٹ ۔ ہماری فوجوں کے نامی سردار ۔ میں نے تجکو
یہاں مرنے کے لیے کیوں چھوڑ دیا ؟ کیونکر میں تجکو مردہ دیکھوں اور تیرے ساتھ جان نہ دوں ؟
تو مجھے غمگین اور تنہا اک قابلِ رحم ذلیل بادشاہ چھوڑ کر چل بسا ۔ لیکن تو تو آسمانی سلطنت
میں جا پہونچا اور ملائکہ و شہدا کی صحبت سے مستفیض ہو رہا ہے ۔" اسی طرح سے چارلس
اپنی زندگی کے اخیر دن تک رولینڈ کو روتا رہا ۔ اُسی مقام پر جہاں وہ مرا تھا فوج نے آرام
لیا اور اسکی لاش بلسان و عود و مُر سے پُر کرکے رکھی گئی ۔ فرنگیوں کا سارا لشکر اُس رات کو
دعاؤں اور گیتوں کے ذریعہ سے صلیب کی تعظیم اور آس پاس کے پہاڑوں پر آگ روشن
کرکے اُسکے نزدیک پہرا دیتا رہا ۔ دن کو اُس لاش کو ساتھ لیگئے اور بالکل شاہانہ تزک و
احتشام کے ساتھ دفن کیا ۔ اس طرح وہ خونخوار دن تمام ہوا ۔

حیف وہ رولینڈ اور آلیور — ہر بہادر ۔ جری و نامآور
مر گیا روان سیس ولیس کے پاس — دے گیا اقربا کو داغ جگر

کوئی ایسی کم نتیجہ جنگ کبھی بہادری کے اتنے افسانوں کا موضوع نہیں ہوئی ۔ اسکو
پی رینیز کی تھرماپولی کہنا چاہیے ۔ لیکن اس میں نہ اسکی سی عظمت ہے نہ اسکا سا نتیجہ لیکن
سارا رنگ و روغن وہی ہے ۔

تیسرا باب

اہل اندلس

۷۳۲ء میں جو چارلس مارٹل نے فتح پائی اُس نے یورپ پر مسلمانوں کی حملہ آوری کی حد بندی کر دی۔ اُنھوں نے اور زیادہ فتح کرنے کا خیال چھوڑ دیا۔ بلکہ جو سلطنت اُنھوں نے حاصل کی تھی اسکے نظم و نسق کی طرف متوجہ ہوے۔ شارلے مین کے مختصر و پرمصیبت حملہ کے بعد مسلمان قریب قریب محض بے خرخشہ تین سو سال کی مدت تک قابض رہنے دیے گئے۔ یہ صحیح ہے کہ خارج السلطنت گوط کی اولاد ابھی تک شمال کے کوہی اضلاع میں اصرار کے ساتھ اپنی خود مختاری پر قائم تھی اور وقتاً فوقتاً اپنی قدیم سلطنت کے کسی جزو پر قبضہ کر لیا کرتی تھی۔ لیکن یہ تاخت و تاراج گو کچھ تکلیف تو ضرور دیتے تھے مگر ان سے گیارہویں صدی عیسوی تک مسلمانوں کی سطوت و جبروت کو جو ہسپانیہ کے بہت بڑے حصہ پر تھی کوئی معتدبہ نقصان نہیں پہونچا۔ ان فاتحوں نے امر ناگزیر کے طور پر شمالی اضلاع کی خود مختاری کو قبول کر لیا۔ اسلیے کہ اسکے مٹانے میں جسقدر خونریزیاں ہوتیں اُس قدر منفعت نہیں حاصل ہو سکتی تھی۔ اور جلیقیہ۔ لیون۔ قشتالہ۔ اور خلیج بسکے کے قریب کے اضلاع عیسائیوں کے قبضہ میں چھوڑ کر وہ اُس ملک کے عمدہ تر حصوں ہی پر قانع ہو بیٹھے۔ عیسائی شمال کے سنگلاخ میدانوں اور کوہی دروں سے متمتع ہونے کو اس شرط پر چھوڑ دیے گئے تھے کہ جنوب و مشرق کے سیر حاصل اضلاع سے مسلمانوں کے مستفید ہونے میں خلل انداز نہ ہوں۔ آٹھویں صدی کے اخیر سے جبکہ اسلامی سرحدیں ایک طرح سے قطعی طور پر نمایاں شکل میں ہو گئی تھی۔ اُس زمانہ تک کہ گیارہویں صدی میں عیسائی علاقہ جنوب کے درمیان حد فاصل تقریباً اُس کوہی سلسلہ کو کہنا چاہیے جو Sierra وادی الرمہ کہلاتا ہے۔ یہ سلسلہ مقام کو امبرا واقع ملک پرتگال سے شمال بشرق رویہ سرقسطہ

تک چلا گیا ہے اور سیر قسطہ سے دریائے ابرو کو تقریبی حد فاصل سمجھنا چاہیئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دریائے ٹیگس، وادیانہ، وادی الکبیر کے زرخیز مرغزار مسلمانوں کے قبضہ میں تھے (خود وادی الکبیر کا نام ہی شہادت دے رہا ہے کہ ہمارے مالک عرب تھے۔ اسلیے کہ وادی عربی میں میدان کو کہتے ہیں اور کبیر کے معنی بڑے کے ہیں) اور اندلس کے مشہور شہروں پر قابض ہونے کے علاوہ دولت اور تجارت وعمدہ آب ہوا بھی جنکے لیے یہ جگہیں رومیوں کے زمانے سے شہرۂ آفاق تھیں مسلمانوں ہی کے حصہ میں آئی تھی۔ یہ تقسیم قدرتی تھی۔ یہ دونوں حصے قدیم الایام سے جغرافیۂ اپنی آب وہوا کی تفریق کے باعث متمائز تھے۔ شمالی حصہ تو سوتا سرد تھا جہاں جانگزا آندھیوں کے طوفان آیا کرتے۔ موسلا دھار مینہ برستا اور حد سے زیادہ سردی ہوتی تھی۔ گو عمدہ مرغزار کا ملک تھا مگر اسکے اکثر حصے زراعت کے لیے مناسب نہ تھے۔ اور جنوبی حصہ میں اگرچہ افریقیہ کی جانب سے لوئیں چلتی تھیں مگر خوش سواد خوب سیراب اور عمدہ زراعت کے قابل تھا۔ ایک بڑی سی چوڑی چپٹی پہاڑی ان دونوں حصوں کو تقسیم کرتی ہے اور اگرچہ یہ پہاڑی تمامتر مسلمانوں کے حصہ میں پڑی تھی مگر ایک حد تک یہ زمین متنازعٔ فیہ رہا کرتی تھی اور غیر محفوظ طور پر قبضہ میں تھی۔ اسکی بہت ہی سرد ملبندیاں عرب جیسے لوگوں کے جو دھوپ کے دلدادہ ہیں کب مذاق کے موافق ہو سکتی تھیں، اسلیے وہ اس زمین کو زیادہ تر بربری قبیلوں کے سپرد کر دیتے تھے جو پہلے پہل طارق کے ساتھ آئے اور جنکو عرب جو اس فتح کے ثمرات اٹھاتے تھے ہمیشہ کم وقعتی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس جزیرہ کے دو تہائی میں جسکو قدرت ہی نے گویا عربوں کی سکونت کے لیے متمائز کر دیا تھا اور جسکو عرب ہمیشہ "اندلس" کہتے تھے۔ ان لوگوں نے قرطبہ کی وہ حیرت افزا سلطنت قائم کی جو متوسط زمانہ میں ایک عجوبہ چیز تھی اور جو ایسے زمانہ میں کہ سارا یورپ وحشیانہ جہالت وخاصمت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا صرف تن تنہا علم وتہذیب کی جگمگاتی مشعل مغربی دنیا کو دکھا رہی تھی۔ ہرگز یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ عرب بھی ان وحشی غولوں کی طرح جو ان سے پہلے آئے تھے ظلم وتعدی لیتے آئے تھے بلکہ برعکس اسکے جیسی نرمی، نصفت شعاری اور دانائی

سے اندلس پر عرب فاتحوں نے حکومت کی ویسی حکومت اندلس کو کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ یہ
بتلانا مشکل ہے کہ ان لوگوں میں انتظام کا سلیقہ کہاں سے آیا تھا۔ اس لیے کہ وہ تو سیدھے
اپنے عرب کے میدانوں سے آئے تھے اور فتوحات کی سرعت سے انھیں بہت ہی کم فرصت
ملی تھی کہ اجنبی قوموں پر حکومت کرنے کا فن حاصل کر سکیں۔ انکے مشیروں میں سے بعض یونانی و
اسپینی تھے مگر اس سے بھی یہ عقدہ حل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ خود یہ مشورہ دینے والے اور جگہ
اسی قسم کے نتیجے بالکل پیدا نہیں کر سکتے تھے اور سپین کا سا۔ انتظامی سلیقہ اتنا بھی نہ رکھتا
تھا کہ قوم قوط کی بالادستی کو انکی رعایا کے لیے قابل برداشت بنا سکے۔ برخلاف اس کے
عربوں کی حکومت میں وہاں کے لوگ بحیثیت مجموعی راضی و شاکر تھے (یعنی اسقدر راضی و
شاکر جسقدر ایسی قوم کا راضی ہونا ممکن ہے جسکے حکمران مختلف قومیت و مذہب کے لوگ ہوں)
اور اسوقت سے کہیں زیادہ خوش و خرم تھے جبکہ انکے بادشاہ اسی مذہب کے تھے جس میں
برائے نام وہ بھی داخل تھے۔ اس میں شک نہیں کہ عربوں کو جو مشکل مذہب کی وجہ سے پیش
آئی وہ ابتدا میں بہت ہی خفیف سی تھی گو بعد کو وہ تکلیف دہ ہو گئی۔ اسپین والے جس
درجہ کے عیسائی تھے اسی درجہ کے مجوسی بھی تھے۔ اس جدید مذہب نے جس کی قسطنطین نے
اشاعت کی تھی عامہ خلائق پر جو اسوقت تک نمائش کے لیے رومی وضع رکھتے تھے بہت ہی
کم اثر ڈالا تھا۔ جس چیز کی ان لوگوں میں کمی تھی وہ مذہب نہیں بلکہ ایک ایسی قوت تھی جسکی
وجہ سے امن و عافیت میں زندگی بسر کر سکیں۔ اور یہی شے انکے عرب آقاؤں نے انھیں
عطا کی۔

اوائل میں تو بلا شبہ ایک مختصر سی مدت ایسی گزری تھی جس میں کچھ الجھن اور کسی قدر
جلانا، لوٹنا، قتل عام کرنا واقع ہوا تھا لیکن عرب حاکموں نے جلد ہی اسکا انسداد کر دیا۔ جب
ہر شے اطمینان کی حالت میں ہو گئی تو رعایا کو بدرجہ اقل یہ معلوم ہوا کہ ہم پہلے سے کچھ بدتر حالت
میں نہیں ہیں۔ اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ محسوس کرنے لگے کہ حکمرانوں کی تبدیلی سے ہم نفع

میں رہے۔ اُنھیں اجازت ہوگئی کہ خود اپنے قوانین اور حکام باقی رکھیں خود اُنھیں کی قوم کے عامل اضلاع کا انتظام، محصولوں کی تحصیل اور اُنکے آپس کے جھگڑوں کا تصفیہ کرتے تھے شہریوں کی متوسط جماعتیں بجائے اسکے کہ مصارفِ سلطنت کا سارا بوجھ انکے سر پڑے صرف جزیہ ادا کرتی تھیں جسکی شرح کچھ ایسی سخت تعداد کی نہ تھی اور کُل ذمہ داریوں سے بَری تھیں۔ البتہ اگر قابل زراعت اراضی اُنکے قبضے میں ہوتی تھی تو جزیہ کے علاوہ اُن کو خراج یعنے زمین کا محصول بھی دینا پڑتا تھا۔ جزیہ کی شرح دینے والوں کی حیثیت کے موافق مختلف تھی۔ یعنی سالانہ بارہ درہم سے لیکر اڑتالیس درہم تک۔ جسکو اس زمانے کے انگریزی سکہ کے حساب سے تین پونڈ سے لیکر بارہ پونڈ تک سمجھنا چاہیے۔ اور چونکہ اسکی تحصیل ماہ بماہ قسطوں میں ہوتی تھی اسلیے اسکا ادا کرنا اور بھی آسان ہوگیا تھا۔ جزیہ کُفر کا جرمانہ تھا۔ یہ صرف عیسائی اور یہودیوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ اور برعکس اسکے خراج جو اراضی کی حیثیت پیداوار کے موافق تعداد میں مختلف ہوتا تھا، عیسائیوں، یہودیوں اور مسلمانوں سے یکساں لیا جاتا تھا۔ بطور قاعدۂ کلیہ کے جائدادیں قدیم مالکوں اور شہریوں کے متعلق اُسی طرح سے رہیں جس طرح اس فتح سے پہلے تھیں۔ فی الحقیقت وہ زمینیں جو کلیسا اور ایسے زمینداروں کی تھیں جو شمال کے پہاڑوں کو بھاگ گئے تھے ضبط کرلیگئی تھیں مگر پھر ان میں بھی یہ حالت تھی کہ جو مزدور کے ان اراضیوں میں کام کیا کرتے وہی اُنکے کاشتکار باقی رکھے گئے اور ان سے صرف یہی مطلوب تھا کہ اپنے مسلمان مالکوں کو فلاں رسدی سے پیداوار دیا کریں اور یہ رسدی مختلف تھی یعنی ایک ثلث سے لیکر چار خُمس تک بعض اوقات میریڈا اور اوری ہیولا جیسے شہروں نے ان فاتحوں سے نہایت ہی خاطر خواہ شرائط حاصل کیے اور اک معین خراج ادا کرنے پر اپنے اسباب و اراضی پر قابض رہنے دیے گئے تھے۔ بدترین حالت میں بھی عیسائیوں سے باستثناء جزیہ کے کسی طرح انکے مسلمان پڑوسیوں سے زیادہ شکلیں حرج نہیں لیا جاتا تھا۔ اس سے بھی بڑھکر یہ ہے کہ ان لوگوں کو ایک ایسا حق حاصل ہوا تھا

جسکی قوطی بادشاہوں کے زمانہ میں بھی اُنھیں اجازت نہیں ملی تھی یعنی وہ اپنی زمینوں کو منتقل کرنے کے مجاز تھے۔ مذہبی آزادی میں انکو کوئی شکایت کا موقع نہ تھا۔ بجائے اسکے کہ وہ مذہب کی وجہ سے دِق کیے جائیں اور تبدیل مذہب کے لیے انپر جبر کیا جائے جیسا کہ قوط یہودیوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ عربوں نے اُنکو چھوڑ دیا کہ جس چیز یا جس شخص کی چاہیں پرستش کریں۔ اور بیت المال کے لحاظ سے یہ جزیہ اسقدر قابل قدر تھا کہ سلاطین قرطبہ اشاعت اسلام کے بڑے جوش کو جس سے سلطنت آمدنی کے ایسے منبع و ذریعہ سے محروم ہو جاتی زیادہ تر دبانے کی طرف مائل تھے۔ اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ عیسائی اس نئی حکومت سے خوش تھے اور علانیہ اسکا اقرار کرتے تھے کہ عربوں کی حکومت ہمارے نزدیک فرنگیوں یا قوطی حکومت سے زیادہ تر پسندیدہ ہے۔ اور قوا اور اُنکے مذہبی مقتدا ابھی جنکا سب سے زیادہ نقصان ہوا تھا اس تبدیلی سے اولاً صرف بہت ہی کم غیظ میں آئے جیسا کہ اُن قدیم وقایع سے ظاہر ہوتا ہے جو ۷۵۴ء میں قرطبہ میں لکھے گئے اور سیجا کے رہنے والے رہبان اسی دَور کی طرف منسوب ہیں۔ اِن نیکبخت رہبان کو ایسے ناپاک اتحاد کا بھی عار نہ آیا جیسا کہ رزریق کی بیوہ اور موسیٰ کے بیٹے کا باہمی ازدواج۔ لیکن عمدہ ترین ثبوت اس بات کا کہ عیسائی اپنے نئے حکمرانوں سے راضی تھے' یہ واقعہ ہے کہ آٹھویں صدی کے اندر ایک مذہبی بغاوت کا بھی ظہور نہ ہوا۔

سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ غلام جنکے ساتھ قوطا اور رومیوں نے ظالمانہ بُرا سلوک کیا تھا اس تبدیلی پر اپنے آپ کو مبارکباد کہتے تھے غلامی نکو کار مسلمان کے اعتبار سے ایک بہت ہی نرم اور انسانیت کی چیز ہے۔ پیغمبر عربؐ درحالیکہ ایک قدیم طریقے کو جو اسلام کے ملنساری کے اصولوں سے باانیہمہ مخالف تھا بالکل نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ انھوں نے اپنے حتی المقدور غلامی کی سختیوں کو نرم کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے فرمایا کہ "مقتضائے الٰہی یہ ہے کہ تمھارے ہی بھائی تمھارے غلام بنیں، اسلیے اُس شخص کو جسکی نسبت تقدیر الٰہی یہ ہوئی ہے کہ اپنے ہی بھائی کا غلام بنے اُسکا بھائی وہی کھانا دے جو وہ خود کھاتا ہو اور وہی لباس پہنائے

جو وہ خود پہنتا ہے اور اسکو کسی ایسی چیز کے کرنے کا حکم نہ دے جو اسکی طاقت سے باہر ہو ...... وہ شخص جو اپنے غلام کے ساتھ برا برتاؤ کرتا ہے فردوس میں داخل نہیں ہونے کا ـــــ مسلمانوں کے ثواب کے کاموں میں کوئی امر غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تخصیص کے ساتھ بیجا ضرب یا دوسرے گناہوں کا کفارہ غلام آزاد کرنا قرار دیا ہے۔ اندلس میں اُن زمینداریوں کے غلام جو عیسائیوں سے منتقل ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئی تھیں قریب قریب چھوٹے اجارہ داروں کی حیثیت رکھتے تھے۔ انکے مسلمان آقاؤں نے جنکا پیشہ لڑائی تھا اور جو ایسے ذلیل کام کو جیسا کہ زمین کا جوتنا ہے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے انھیں اپنی خوشی کے موافق کاشت کرنے کو آزاد چھوڑ دیا تھا وہ صرف پیداوار کا واجبی حصہ چاہتے تھے۔ عیسائیوں کے غلاموں کے لیے بجائے اسکے کہ وہ مدت العمر کی غلامی میں مایوس ہو کر پڑے رہیں اب نہایت ہی سیدھا سادہ راستہ آزادی کا کھل گیا تھا۔ انکو صرف یہ کرنا پڑتا تھا کہ اپنے قریب کے کسی ذی وقعت مسلمان کے پاس چلے جائیں اور ایمان کا کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اسکے روبرو پڑھ ڈالیں اور فوراً آزاد ہو جائیں۔ اس طرح قبول اسلام کے ساتھ ساتھ آزادی چلتی تھی۔ اس لیے کوئی حیرت کا مقام نہیں ہے کہ ہم اسپین کے غلاموں کو سرعت کے ساتھ نیا دین قبول کرتے اور اُسکے ذریعہ سے آزاد ہوتے دیکھتے ہیں۔ کیتھولک پادریوں نے بہت ہی کم شفقت اس امر کے لیے گوارا کی تھی کہ عیسائی مذہب انکے دلوں میں راسخ ہو جائے۔ ان بیچاروں کو اپنی زمینداریوں کی خبرگیری اور امیروں کی روحوں کی اصلاح سے فرصت کب تھی جو جاہلوں کی روحانی ضرورتوں کے لیے تکلیف اُٹھاتے۔ اور چونکہ آدھے مجوسی آدھے عیسائی خالی الذہن تھے اس لیے انکے تقلید پسند دل پر شاید کبھی طور پر سمجھ میں نہ آنے والے اسلام کا قبول کر لینا کچھ سخت جبر نہیں ہوتا تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ کسی طرح صرف غلام ہی اس نئے مذہب کے قبول کرنے والے ہوں۔ بہت سے بڑی بڑی جائداد والے اور صاحب رتبہ آدمی مسلمان ہو گئے۔

یا تو اسلیے کہ جزیہ سے بچیں یا اسلیے کہ انکی زمینداریاں محفوظ رہیں یا اسوجہ سے کہ اس حال کے بیان خدا
شناسی کی سادہ عظمت کو سچے دل سے اُنھوں نے پسند کیا۔ ان نومسلموں یا مرتدوں نے آخر سلطنت
کو کچھ تکلیف دی جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا۔ چونکہ تبدیل مذہب مساوات پر مشتمل تھی، نومسلم برابری
کے درجہ میں تو آجاتے تھے لیکن حقیقت میں انکو مساوی حقوق اور رعاتیں نصیب نہیں ہوتی تھیں
یہ سلطنت کے عہدوں سے خارج رہتے تھے اور مسلمان انھیں شبہہ کی نگاہ سے دیکھتے اور اہل عرب
نومسلم اور ایسے لوگوں میں سمجھتے تھے جو دولت کیلیے اپنی روحوں کو بیچتے ہیں۔ آخر میں یہ تفرقے
مٹ گئے لیکن سخت اختلاف اور نیز شورشوں کے بعد۔

اُس حد تک کہ مفتوحین کا تعلق تھا ہمنے دیکھا ہے کہ عربوں کا اندلس کو فتح کرنا یہ ہیئت
مجموعی نفع بخش تھا۔ اُس نے بڑے بڑے امرا اور کلیسیا والوں کی حد سے بڑھی ہوئی زمینداریوں کو مٹایا
اور انکو چھوٹی چھوٹی ملکیتیں بنا دیا۔ متوسطین کے سروں سے بھاری بوجھ اُٹھا دیا اور محصولوں کو
محدود کر کے صرف کافروں سے جزیہ اور مسلمان عیسائی سے مساوی طور پر خراج لینے پر اکتفا کیا اور
غلاموں کے کثرت سے آزاد کرنے کی ترغیب لائی اور جو آزاد نہ ہوئے اُنکی حالت بہت زیادہ سُدھار
دی اسلیے کہ یہ لوگ اب اپنے غیر کاشتکار مسلمان آقاؤں کی [illegible] بھی خود مختار اجارہ دار کی حیثیت
رکھتے تھے۔

لیکن فاتحین کے اعتبار سے یہ حالت برعکس تھی۔ یہ خیال کرنا کہ عرب جو ایسی حیرت انگیز سرعت کے
ساتھ نصف مہذب دنیا میں پھیل گئے، اصلی معنی میں کوئی متحد لوگ تھے بڑی بھاری غلطی ہے۔ یہ امر واقعیت سے
اسقدر دور تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حیات کے زمانہ میں بھی اُن میں ظاہری اتحاد قائم رکھنے
کے لیے اپنی ساری مدبرانہ دانشمندی اور کُل معجز نما ذاتی اقتدار صرف کرنا پڑا۔ یہ عرب بہت سے متخالف
قبیلوں اور جرگوں کا مجموعہ تھے جن میں سے بہتیرے قبیلے بہت سی نسلوں تک آپس میں خونخوار لڑائیاں
لڑتے رہے تھے اور جن میں سے کُل ایک دوسرے کے ساتھ ایسی خاندانی رقابت رکھتے تھے جو کبھی
پورے طور سے نہیں مٹی۔ اگر جدید قائم شدہ اسلامی سلطنت ملک عرب ہی کے حدود میں محدود رہتی تو

کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ متعدد قبیلوں کی رقابتیں بہت جلد اسکو مٹا چھوڑتیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی قبیلوں کی عام شورشیں شروع ہوگئیں اسلام اک پائدار وہ عالمگیر مذہب صرف اسوقت ہوگیا جب اُسنے اپنے آپ کو سلاح جنگ سے آراستہ کیا اور دینی جنگجو (مجاہد) بنا۔ ملک گیری کی رَو نے اس دین کی جان بچائی۔ عربوں نے تھوڑے عرصہ تک اپنی خونخوار رقابتوں کو اسلیے ترک رکھا کہ مال غنیمت کی پُرشوکت تلاش میں باہم شریک ہوں۔ اسمیں بھی شک نہیں ہے کہ ملک گیری کی گرمجوشی میں حرارت دینی کا ایک قوی عنصر ملا ہوا تھا۔ یہ کچھ تو اسوجہ سے لڑتے تھے کہ خدا اور اُسکے رسول کے دشمنوں سے مقابلہ ہے اور جو کوئی خدا کی راہ میں مارا جائیگا بہشت اُسکے لیے آغوش تمنا کھولے ہوے ہے لیکن اسمیں بھی شبہ نہیں ہے کہ قیصر و خسرو کی دولتوں اور آس پاس کی سلطنتوں کی زرخیز زمینوں اور خوشحال شہروں کو بھی مسلمانوں کے اُس جوش میں جو وہ اپنے دین کے پھیلانے میں دکھاتے تھے بہت کچھ دخل تھا۔

ادھر ملک گیری کا رَو پائدار قبضہ کے امن و عافیت سے بدلا اُدھر مختلف قسم کی رقابتیں اور عداوتیں جنکو حملہ کی ہلچل اور مشغلوں نے کسی درجہ تک دبا رکھا تھا خطرناک مستعدی کے ساتھ اُبھر پڑیں۔ قبائل عرب کی باہمی تفریق کا خیال اُس وسیع مملکت کے کل حصوں میں پھیل گیا۔ جسکو ان لوگوں نے تابع فرمان کیا تھا اور اُس خلیفہ پر بھی اسکا اثر پہونچا جو دمشق میں تھا۔ نہایت دور دست علاقوں کیلیے عاملوں کے نامزد کرنے میں بھی فریقوں کا خیال پیش نظر رہتا تھا۔ اسپین میں بھی جہاں امیر اندلس کا تقرر یا تو امیر افریقیہ کرتا یا خود خلیفہ۔ ان جماعتی تفرقوں نے سلطنت اسلامیہ کے اول پچاس برسوں کے آرام و عافیت میں سخت خلل ڈالا۔ بہت سے امیروں کا تقرر یا موقوفی یا قتل اسلیے عمل میں آتا تھا کہ بعض ایسی باغی جماعت کے فرمان کی تعمیل کیجاتی تھی جو نہیں چاہتی تھی کہ جماعت مدینہ کے کسی شخص کو امارت دیجائے۔ یا قبیلۂ قیس کے کسی شخص کو پسند نہیں کرتی یا جماعت یمن کے کسی رکن کے تقرر پر معترض ہوتی تھی۔ اور اسپین میں مسلمانوں کے غلبہ کی ساری تاریخ کے اندر یہ فساد انگیز اقتدار برابر سلطنت کو ضرر پہونچاتا رہا۔

علاوہ بریں اندلس میں عربوں کی مختلف معاہد جماعتوں کے سوا ایک اور اہم جماعت قابل لحاظ تھی۔ اس جزیرہ نما کو تقریباً تمام و کمال طارق اور اسکے بربریوں نے فتح کیا تھا اور یہ بربری (کہ اصل مراکشی وہی تھے۔ اگرچہ مراکشی کا لفظ سہولت کیلیے عرب بربری دونوں پر مخلوطاً بولا جاتا ہے) اس جدید حالت کے اک بڑے عنصر تھے۔ یہ لوگ رومی نما اہل ہسپانیہ کی طرح خالی الذہن نہ تھے بلکہ ایک ایسی قوم تھے جو جوش اور مستعدی سے معمور تھی۔ بربریوں نے اپنے کوہی قلعوں اور ان مضبوط میدانی مقاموں میں جو مصر سے بحر اٹلانٹک تک برابر چلے گئے تھے اپنے متعدد اور بہت متاثر جرگوں کے ذریعہ سے عربوں کی ایسی ہولناک مزاحمت کی تھی جو روم و فارس کی قواعد داں سپاہ بھی نہیں کرسکی تھی۔ بہت سی باتوں میں وہ اپنے حملہ آوروں کے مماثل تھے۔ وہ سب عربوں کی طرح قبیلے کے آدمی تھے۔ انکے انتظامی خیالات مثل انکے جمہوری تھے اور انھیں کی طرح امرا کے خاندان کی تعظیم بھی ان میں تھی جسنے جاہلوں میں سے خالص جمہوری حکومت کی پرخطر خاصیتوں کو دور کردیا تھا۔ خود انکی جنگ کا طریقہ بھی ٹھیک عربوں ہی کا سا تھا۔ ستر برس تک یہ دونوں خانہ بدوش قومیں باہم لڑتی رہیں اور جب آخر میں عرب غالب بھی آئے تو اسوجہ سے نہیں کہ ان لوگوں نے صریح طور پر اطاعت قبول کرلی ہو بلکہ ایک گونہ رضامندی سے۔ بربریوں نے عرب کے امیر کو ساحل کے قریب دارالامارت قائم کرنے دیا لیکن خود اپنے آپس میں اپنی ہی جمہوری حکومت باصرار قائم رہنے دی۔ اور اس بات کے متقاضی ہوے کہ انکے دشمن انکے ساتھ بھائیوں کا سا برتاو کریں نہ کہ خادموں کا سا۔ اس برادرانہ طریقہ کا ایک مدت تک تو عمدہ اثر ہوا۔ بربریوں نے جو ہمیشہ سے نہایت ہی زود اعتقاد تھے سرعت کے ساتھ نئے دین کو قبول کرلیا اور قبول بھی اس جوش کے ساتھ کیا کہ خود عربوں کے وسواسی دل اس قسم کا جوش پیدا نہیں کرسکتے تھے۔ بہت ہی جلد ملک بربر مذہبی انحراف کا ماوی و ملجا بنگیا۔ اسلام کے خشک مسائل میں بہت جلد زیادہ تر ایسے متصوفانہ و جذباتی عناصر کے پیوند لگ گئے جو تخیلی دل و دماغ ہر دین و مذہب میں علیحدہ لگا سکتے ہیں اور اپنے

مسائل کو پھیلانے میں اُن منحرف المذہب مسلمانوں کیلیے جو ایسے مقاموں سے نکال دیے جاتے تھے جہاں مذہب کی پابندی سختی کے ساتھ ہوتی تھی - بربریوں کے سیدھے سادے دل سیر حاصل زمین کا کام دیتے تھے - مذہبی جوش سے متاثر ہونے کی اُسی استعداد نے جس نے اس افراط کے ساتھ ان لوگوں کو مسلمان بنایا کہ ہسپانیہ کو بربری سپہ سالار اور بارہ ہزار بربری ہی سپاہیوں نے فتح کیا بہت جلد اور تحریکوں کا باعث ہوئی - ان زود اعتقاد لوگوں پر مشائخوں کا ایسا زور آور اثر پڑا جو عرب حاکم یا قبیلہ کے شیخ کو بھی کبھی نصیب نہ ہوا - صرف چند جھوٹی کرامتیں درکار تھیں، جسنے انکا بندوبست کرلیا، اُسکے پاس خالی الذہن مرید جوق جوق آکر جمع ہوگئے - اور ایک عرب سپہ سالار لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے کے اس طریقہ کو ایسا صاف سمجھتا تھا کہ جب اُسنے دیکھا کہ ایک عورت نے اپنی ٹھ بازی کے ذریعہ سے لوگوں پر سکہ بٹھا دیا ہے تو اُس ذکی الطبع عرب نے بھی وہی چال اختیار کی اور بہت جلد وہ بھی بڑا مشاق شعبدہ باز یا اُس زمانہ کا مسیح روح بنگیا اور اس سے نہایت ہی عمدہ نتائج پیدا ہوے لیکن جو لوگ کہ ایسے ذریعوں سے آسانی کے ساتھ متاثر ہوسکتے ہوں یعنی جو قوم کہ مذہبی مقتداؤں کے ہاتھ میں ہو وہ ہمیشہ اس قابل ہوتی ہے کہ دفعتہً اس میں سخت انقلاب پیدا ہو جائے اور اُسکے مقتدا فقط ایک لفظ سے اسکو بھڑکا سکتے ہیں - شمالی افریقیہ میں جتنی تخیلی تبدیلیاں ہوئیں ان میں سے اکثر کے باعث بربریوں کے مشائخ ہی تھے - انھیں لوگوں نے فاطمیوں کو بڑھایا - مرابطینوں کو بربرو ہسپانیہ میں فتحمند بنا کر بھیجا اور پھر اُنکو موحدین سے دبوایا - ان لوگوں نے بہت ہی اوائل میں عرب حاکموں کے خلاف میں کارروائیاں شروع کیں اور جس وقت ان حاکموں میں سے ایک شخص اپنی رعایا پر بیرحمانہ ظلم کے ذریعہ سے عیش و عشرت میں مبتلا ہو گیا تو مشائخوں نے بربریوں سے بغاوت کرادی اور دم بھر میں ساحل بحر روم کا سارا نصف مغربی مسلح ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا اور عربوں کو ہولناک شکست دی - تیس ہزار نئے سپاہی ملک شام سے اس علاقہ کو باغیوں کے ہاتھ سے چھڑانے کے لیے آئے - لیکن یہ بھی بشمول اُن عربوں کے جو ابھی تک افریقیہ

میں باقی رہ گئے تھے بڑی خونریزی کے ساتھ ہٹا دیے گئے اور بقیۃ السیف سبتہ میں بند ہو گئے جہاں
انکو روزانہ قحط اور قتل عام کا خوف دامنگیر رہتا تھا۔

جتنے بربری اندلس میں تھے چونکہ تری کے راستہ سے ہمیشہ اپنے رشتہ داروں سے گہری
مرالبطت جاری رکھتے تھے اس لیے جو انقلاب اس قسم کا (جیسا کہ ۱۲۱ھ میں ہوا تھا) افریقیہ
میں ہوتا تھا اُسکا اثر تیزی کے ساتھ اندلس پر بھی پڑتا تھا۔ اور چونکہ اندلس کے مال غنیمت کا
عربوں نے سب سے بڑا حصہ لیا۔ حالانکہ بربریوں کے تیروں اور نیزوں سے فتح ہوا تھا اُنکے
دلوں میں کینے کا پیدا ہونا وجہ موجہ رکھتا تھا۔ عربوں نے جو صرف ایسے وقت پہونچے
تھے کہ اس فتح سے متمتع ہونے کا وقت تھا اس جزیرہ نما کے کل سیر حاصل وزرخیز علاقے
خود لے لیے اور بربری نہایت وحشت افزا حصوں میں جلا وطن کر دیے گئے۔ استرے میدورا
کے غبار آلود میدان یا لیون کے برف آلود پہاڑ انکے حصہ میں آئے، جہاں انکو اس سخت آب
ہوا سے مقابلہ کرنا تھا جو افریقیہ کی گرمی کی جہاں اُنکی پرورش ہوئی تھی بالکل متضاد تھی اور جہاں
انکو اپنے عرب رفیقوں اور شمال کے عیسائیوں کے بیچ میں ہمیشہ سینہ سپر رہنا پڑتا تھا۔ ناراضی کی
علامتیں فوراً ظاہر ہونے لگیں۔ طارق کے بربری سرداران فوج میں سے ایک شخص مونسا نام
نے جس نے اکوٹیین کے ڈیوک یوڈس کی بیٹی سے شادی کی تھی جب یہ حال سُنا کہ افریقیہ
میں میرے ہم وطنوں پر ظلم ہو رہا ہے تو علم بغاوت بلند کیا اور اُسوقت میں جبکہ آبناے کے
اس طرف بربریوں کا بول بالا رہا تو شمالی اضلاع میں ایک عام برانگیختگی کا ظہور ہوا۔ سرحد والے
بربری یعنی جلیقیہ۔ سیریڈا۔ کوریا اور انکے ہر چہار طرف والے ہتھیار لیکر اُٹھ کھڑے ہو گئے
اور جنوب کی جانب طلیطلہ، قرطبہ، اور الجبرہ پر چڑھائی شروع کر دی اور یہ چاہا کہ وہاں
سے جہاز پر بیٹھ کر ان محبان وطن سے جا ملیں جو بربری ہیں۔

یہ حالت نہایت پُرخطر تھی اور اندلس کے عرب حاکم عبد الملک کو سخت مشکل مسئلہ پیش
آیا۔ اس لیے کہ پہلے شامی عربوں نے جو سبتہ میں محصور تھے جب کمک طلب کی تھی تو اُسنے

بڑی سختی کے ساتھ مدد دینے سے انکار کیا تھا - اب دو امروں میں سے ایک ناگزیر تھا - یا تو خود اپنے باغی بربریوں کے آگے سر جھکا دے یا انھیں شامی عربوں سے مدد کا خواستگار ہو جنکو مدد دینے سے خود اصرار کے ساتھ انکار کر چکا تھا - گران عربوں سے یہ اندیشہ تھا کہ یہاں پہونچکر اس سے زیادہ تکلیف دیں جسکے دفع کرنے کو بلائے جائیں - مگر مرتا کیا نہ کرتا - اُس نے سخت اندیشہ کے ساتھ جہاز بھیجکر شامیوں کو بلوایا اور پہلے ہی اُن سے وعدہ لے لیا کہ جب وہ اس مہم کو سر کر لیں تو اُلٹے پاؤں واپس چلے جائیں - بالآخر اس کمک کے ذریعہ سے اندلس کے عربوں نے بربریوں کو بڑی بھاری شکست دی اور جنگلی جانوروں کی طرح سارے ملک سے نکال کر اُنکے کوہی قلعوں تک اُنھیں بھگا کر پہونچایا اور خوب جی بھر کر اُن سے انتقام لیا - جب یہ ہو چکا تو وہ واقعہ پیش آیا جسکے لیے عبد الملک نے حفظ ما تقدم کیا تھا - ان شامی معاونوں نے کہا کہ اندلس کی زرخیز زمینیں چھوڑ کر افریقیہ کے جنگلوں میں فتحمند بربریوں کا نشانہ بننے ہم تو نہیں جاتے - ان لوگوں نے عبد الملک کی ایک بھی نہیں سُنی اور اُسکو قتل کر ڈالا اور اسکی جگہ پر خود اپنے سردار کو بٹھایا ؎

تو از چنگال گرگم در ربودی ۔ چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی

اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کی پُرانی جماعت اور اس نئی کھیپ کے درمیان عرصے تک نہایت ہی سخت دھینگا مشتی ہوتی رہی جسمیں بہت خونریزی اور ملک کی تباہی ہوئی - اس جھگڑے کا صرف اُسوقت خاتمہ ہوا جب دمشق کے خلیفہ نے اک نیا اور لایق امیر بھیجا - اسنے معاند جماعتوں کو ایک دوسرے سے بہت دُور دُور پر شہروں میں آباد کر کے تقسیم اور اُنکے سرداروں میں سے جو بہت زیادہ شورپشت تھے اُنکو وہاں سے جلا وطن کر دیا - اس انتظام سے شامی فوج کے مصری سپاہی مرشیا میں آباد ہوئے جسکا نیا نام ان نئے باشندوں نے مصر رکھا - فلسطین والوں نے سیدونیا اور الجسیرہ میں سکونت اختیار کی - جورڈن والے ملاغہ میں اقامت گزیں ہوئے - دمشق والے غرناطہ میں رہنے لگے - اور قنسرین کی پلٹن جئین سی میں بسی - اس زمانہ سے

اندلس میں عداوت کا ایک سبب تو رفع ہو گیا لیکن رقابت کا جوش اور بھی زیادہ ہو گیا۔ اور اکثر
مستقل حکومت کی جگہ طوائف الملوکی ہو گئی۔ یہ حالت اُسوقت رفع ہوئی جب ایک ایسا حکمراں پیدا ہوا
پہونچا جو مخصوص فوقیت کے ساتھ مسلح تھا۔ اسکی ذات میں خلفائے دمشق کی سرداری اور خون
دونوں جمع تھے۔ اس شخص نے اس ابتر ملک کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور تھوڑے
عرصہ کے لیے کل مخالف فرقوں کو سلطنت قرطبہ کے علم کے نیچے باہم متحد کر دیا۔ یہ نوجوان ہی
جدید حکمراں تھا جسکے نکالنے کی کوشش میں آیا اور ناکام پھر گیا تھا۔ اسکا نام عبد الرحمن اموی تھا۔

چوتھا باب

ایک نوجوان مدعیِ سلطنت

چھ سو برس تک اسلامی سلطنت کا بہت بڑا حصہ برائے نام ایک ہی صدر حکمراں کے ماتحت
رہا جو خلیفہ کہلاتا تھا جسکے معنی جانشین و قائم مقام کے ہیں۔ پہلے تو خلیفہ کی حکومت واقعی بڑا
زور آور تھی۔ ہسپانیہ سے لیکر کوہ ہندوکش کی سرحدوں تک کے سارے ملکوں کے امیروں کا
تقرر خلیفہ ہی کرتا۔ اور اُن میں سے اپنی خوشی سے جسکو چاہتا معزول کرتا تھا۔ لیکن یہ سلطنت اسقدر
بڑی تھی کہ زیادہ عرصہ تک ایک ہی مرکز پر مجتمع نہیں رہ سکتی تھی۔ اور رفتہ رفتہ مختلف ملکوں اور
علاقوں کے امیروں نے اپنے آپ کو خود مختار بنا لیا۔ گو وہ عموماً خلیفہ کی صدر درجہ کی تعظیم و توقیر
اور اُنکی ہر طرح کی عزت اطاعت کے سوا کرتے رہے۔ آہستہ آہستہ یہ ظاہری تعظیم و تکریم بھی اُٹھا
دی گئی اور ایسے خاندان اُٹھ کھڑے ہوئے جنھوں نے منکرانہ اصول اختیار کیے اور خلیفہ کی باطنی
سرداری کے منکر بنے اور اُسکو اور اسکے سارے خاندان کو غاصب قرار دیا۔ بالآخر وہ وقت
آیا جبکہ خلفا ظاہری حکومت میں ویسے ہی ضعیف ہو گئے جیسے روم کے پوپ ہیں اور یہاں تک
نوبت پہونچی کہ وہی کرایہ کے محافظ جن کو اپنے باغی امراء کے مقابلے میں اپنی ذاتی حفاظت

کیلیے نوکر رکھتے تھے انکو محلوں میں مقید رکھنے لگے۔ یہ حالت خلافت کی بنیاد سے تین سو برس بعد وقوع میں آئی اور خلفاء اپنے وجود کے نصف اخیر زمانہ میں قریب قریب عضو معطل کے ہوگئے جنکو اس سلطنت کے بڑے بڑے بادشاہ پتلیوں کی طرح اپنے کام میں لاتے اور اپنی تخت نشینیوں کے وقت اُن سے لانبے چوڑے خطاب لیتے تھے۔ آخرکار تیرہویں صدی میں مغلوں کے حملہ نے ایشیا میں خلافت کا رہا سہا نام بھی مٹا دیا اور اگرچہ سلطانِ ترکی اسوقت تک اس خطاب کے مدعی ہیں لیکن اب کوئی خلیفہ اُس جامع و مانع معنے میں نہیں ہے جو پُرانے زمانہ میں اس لفظ سے سمجھے جاتے تھے۔

جس علاقہ نے سب سے پہلے خلیفہ کی حکومت کو پس پشت ڈالدیا وہ اندلس تھا۔ اسکے سمجھانے کیلیے کہ یہ امر کیونکر وقوع میں آیا ہمکو یاد رکھنا چاہیے کہ خلفاء یکے بعد دیگرے علی التسلسل ایک ہی خاندان سے نہیں ہوے۔ چاروں خلفاء برحق ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ اور علی رضی اللہ عنہم کے بعد جو کم و بیش جمہور کے انتخاب سے مسند نشین خلافت ہوے تھے شامیوں نے دمشق میں معاویہ رضہ کو خلیفہ بنایا اور اُنھیں کی نسل سے اموی خلفاء ہوے جو اپنے جد اعلیٰ اُمیّہ کی طرف منسوب ہیں۔ بنی اُمیہ میں سے چودہ[۱۴] خلیفہ ہوے جنھوں نے ۶۶۱ سنہ عیسوی سے ۷۵۰ء تک سلطنت کی۔ سفاح (خونریز)[عــہ] نے انکو تخت سے اُتارا۔ یہ شخص دوسرے خاندانِ خلافت کا بانی ہوا جو خاندانِ عباسیہ کہلایا اور اسکے جد اعلیٰ عباس کی طرف جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے منسوب ہوا۔

عــہ جو لفظ خطوط قوسی کے اندر ہے وہ مصنف کے انگریزی لفظ "بوچر" کا ترجمہ ہے۔ بوچر کے حقیقی معنی چھپ بمعنی قصاب کے ہیں اور مجازی معنی خونریز و سفاک کے۔ مصنف نے سفاح کے بعد کوشش میں بوچر کا لفظ لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اُنھوں نے سفاح کے لفظ کا ترجمہ کیا ہے۔ لیکن عربی لغت میں سفاح کے معنی حقیقی یا مجازی بوچر کے نہیں ہیں بلکہ برعکس اسکے سفاح کے معنی "مرد بسیار عطا و فصیح و توانا بر سخن" کے ہیں۔ چونکہ یورپین مصنف نے دیکھا کہ اس شخص نے بنی امیہ کو قتل کیا تھا، اسلیے سفاک و سفاح کو ایک ہی لفظ سمجھکر اسکے یہ معنی لکھدیے۔ سفاح کا نام عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عباس تھا۔ مترجم

خلفائے عباسیہ نے بجائے دمشق کے بغداد کو دارالخلافہ بنایا اور مغلوں کی تاخت تاراج کے قبل یعنی ۱۲۵۸ء عیسوی تک خلافت اسی خاندان میں رہی۔ بنی امیہ کے معزول خاندان میں کا ایک شخص عبد الرحمن تھا۔ اُسکے اکثر اعزا و اقربا کا اس سنگدل عباسی نے خاتمہ کردیا تھا۔ دنیا کے ہر حصہ میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر یہ لوگ بیرحمی کے ساتھ تہ تیغ کیے گئے۔ اوروں کی طرح عبد الرحمن بھی بھاگا مگر اسکی قسمت اچھی تھی اسلیے کہ دریائے فرات کے کناروں تک صحیح و سالم پہونچگیا۔ ایک دن وہ اپنے خیمے میں بیٹھا تھا اور اسکے سامنے باہر اسکا چھوٹا سا بچہ کھیل رہا تھا کہ دفعۃً وہ بچہ ڈرکر اُسکے پاس بھاگ آیا۔ عبد الرحمن سبب دریافت کرنے کو باہر نکلا تو دیکھا کہ گانوں تہ و بالا ہو رہا ہے اور عباسیوں کے سیاہ علم افق میں لہرا رہے ہیں۔ وہ سرعت کے ساتھ اپنے بچے کو اُٹھاکر گانوں سے باہر بھاگا اور دریا کے نزدیک پہونچا۔ یہاں دشمن گویا آہی پہونچے اور آواز دی کہ گانوں والو، تمھیں خوف کھانا نہیں چاہیے۔ ہم تمھیں ضرر پہونچانا نہیں چاہتے۔ عبد الرحمن کا ایک چھوٹا بھائی بھی اسکے ساتھ تھا وہ تیرنے سے تھک گیا تھا پیچھے پھرا اور فوراً اُسکا سرتن سے جدا ہوگیا۔ لیکن عبد الرحمن تیرتا ہی چلا گیا اور اپنے بچے کو لیے ہوے دوسری جانب جا پہونچا اور اسکے پیچھے پیچھے اسکا خادم بدر بھی پہونچا یہاں سے ان لوگوں نے خشکی میں رات دن چلنا شروع کیا اور افریقیہ میں پہونچکر دم لیا۔ یہاں خاندان کے اور لوگ بھی اُس سے آملے اور اموی شہزادوں کے اس بقیۃ السیف کو اسکی مہلت ملی کہ آیندہ اپنی حالت کی نسبت غور کرے۔

یہ شخص صرف بیس برس کا، ارمان و حوصلوں سے بھرا ہوا تھا۔ اسکی دماغی قوتیں بہت اچھی تھیں اور اسکے ساتھ ساتھ امیرانہ رعب داب، اعلی درجہ کی جسمانی چستی و دلیری بھی پائی تھی۔ لیکن عربی مورخوں نے مخالف تفصیلیں درج کی ہیں کہ وہ کانا تھا اور قوت شامہ سے محروم۔ اسکے بچپن میں دانشمندوں نے اسکے مستقبل کی نسبت بڑی بڑی پشینگوئیاں کی تھیں اور باوجود اسکے کہ اسکا خاندان مٹ گیا تھا، وہ ہمت نہیں ہارا تھا۔ پہلے پہل اُس کے

خیالات افریقیہ کی طرف رجوع ہوئے۔ اس لیے کہ اُسنے صاف دیکھ لیا کہ عباسیوں کے عروج نے مشرق میں تو کوئی موقعہ میرے لیے باقی نہیں رکھا ہے لیکن پانچ سال تک ساحل بربر کے قریب آوارہ گردی کے بعد اُسے معلوم ہو گیا کہ عربی امیر کا تخت اُلٹ دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اور مغرب کی جانب جو بربری بغاوت کر چکے ہیں وہ اپنی نئی حاصل کی ہوئی خود مختاری کو ایک اموی کے محکوم ہونے کی محض خیالی عزت کے بدلے خوشی کے ساتھ نہیں بیچیں گے۔ اسوجہ سے اب اُسکی نگاہ اندلس کی طرف گئی جہاں مختلف فریقوں کی دائمی نزاعوں نے ایک ہوشیار مدعی سلطنت کے لیے راہ کھول دی تھی۔ اور ایسے شخص کے لیے تو اور بھی صاف راستہ موجود تھا جو عبد الرحمن کا سا اور شق حق پیش کر سکے۔ لہذا اس نے اپنے خادم بدر کو اندلس کی شامی جماعت کے سرداروں کے پاس روانہ کیا۔ اس جماعت میں بنی امیہ کے آزاد کیے ہوئے غلام بہت سے تھے اور عرب کے قواعد عزت کے رو سے اُنپر فرض تھا کہ اپنے اگلے آقاؤں کے ہر رشتہ دار کی امداد کریں۔ بدر نے دیکھا کہ یہ سردار نوجوان شہزادے کا استقبال کرنے پر رضا مند ہیں اور مخالف فرقوں کے ساتھ نامہ و پیام کرنے کے بعد یمن والوں نے بھی تائید کا وعدہ کر لیا۔ جب یہ ہو چکا، تو بدر افریقیہ کو واپس آیا۔

سمندر کے کنارے پر عبد الرحمن نماز پڑھ رہا تھا کہ اُس جہاز پر نظر پڑی جو اُسکے پاس مژدہ لایا تھا۔ اور جس طرح ملک مشرق کے سب لوگ ذری ذری واقعات سے شگون لینے پر آمادہ رہتے ہیں اُسنے بھی اُس قاصد کے نام سے جو اندلس سے آیا اور اُسکے سامنے پیش کیا گیا تھا نیک فال لی۔ جب اُس نے سنا کہ اُسکا نام ابو غالب التمام ہے تو چلا اُٹھا کہ ہمارا مقصد تمام یعنے پورا ہوگا اور ہم اس ملک پر غالب آئینگے۔ فوراً وہ جہاز پر سوار ہو گیا اور ستمبر ۷۵۵ء میں بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا کہتا ہوا اندلس کی طرف روانہ ہوا۔ بنی امیہ کے بھاگے ہوئے شہزادے کا اندلس میں آنا ایک عجیب و غریب امر تھا۔ جس طرح ۱۷۴۵ء میں ینگ پریٹنڈر (نوجوان مدعی سلطنت)

کا اسکاٹ لینڈ پہونچنا۔ اُسکی آمد کی خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے ملک میں پھیل گئی۔ خاندان خلافت کے قدیم وابستہ عرض نیاز کو دوڑے اور بنی امیہ کے آزاد کیے ہوے غلاموں کی اولادو نے کہا کہ ہم آپ کا حکم بجالانے کو موجود ہیں۔ اور تو اور بعض قبیلوں پر بھی باوجود اسکے کہ ان سے امید نہ تھی کہ اس نو بادۂ خلافت سے کوئی خصوصیت ظاہر کرینگے اس کے جان نثاروں کا اسقدر گہرا اثر پڑا کہ اپنے وعدہ پر قائم رہنے اور اسکی تائید میں مل کر کام کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ امیر اندلس نے دیکھا کہ اُسکے اکثر سپاہی اُس سے برگشتہ ہوگئے اور مجبوراً اسکو ایک نئی فوج کا انتظار کرنا پڑا۔ اس اثناء میں موسم سرما کے مینہ نے جنگ کو حیز التواء میں ڈال دیا۔ اور عبدالرحمن کو اپنی فوجوں کے درست اور تازہ دم کرنے کا موقع مل گیا۔

دوسرے سال کے موسم بہار میں جم کر لڑائی شروع ہوئی۔ ارشیدونا و اشبیلیہ میں گرمجوشی کے ساتھ عبدالرحمن کا خیر مقدم کیا گیا۔ اور یہیں سے اُس نے قرطبہ پر دھاوا کرنے کی تیاری کی۔ یوسف وہاں کا امیر روکنے کو آگے بڑھا لیکن مینہ کے پانی سے وادی الکبیر چڑھا ہوا تھا اور دونوں فوجیں دونوں متقابل کناروں سے مسابقت کرنے لگیں کہ دیکھیں پہلے کون قرطبہ پہونچتا ہے۔ آخر عبدالرحمن نے فریب آمیز حیلہ کے ذریعہ سے جو اسکی شان کے شایاں نہ تھا، یوسف کو صلح کا دھوکا دیکر اسپر آمادہ کیا کہ اُسکو دریا سے جو اب اُتر گیا تھا پار اُترنے دے۔ اور جب اُس پار پہونچگیا تو اپنے مطمئن دشمنوں پر ٹوٹ پڑا۔ فتحمندی نے اعلان کردیا کہ میں نو بادۂ خلافت کی جانب ہوں۔ اور فتح و نصرت کے ساتھ قرطبہ میں داخل ہوگیا۔ اس میں اسقدر حمیت تھی کہ کوشش کرکے اپنے سپاہیوں کو لوٹنے کی حرص اور خواہشوں کو روکا۔ اور امیر معزول کی حریم یعنی زنانہ کو امن و عافیت میں رکھا۔ یہ سال ختم بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ وہ ہسپانیہ کے سارے اسلامی علاقے کا مالک ہوگیا اور قرطبہ میں بنی امیہ کا خاندان جسکی قسمت میں تین سو برس تک قائم رہنا لکھا تھا قائم ہوگیا۔

لیکن بہت سی لڑائیاں لڑے بغیر اس سلطان قرطبہ کے قدم مضبوطی کے ساتھ نہیں جمے۔
اس میں شبہہ نہیں کہ عبدالرحمٰن تخت پر بٹھایا گیا لیکن یہ کرشمہ اُن متعدد فریقوں میں سے جو
اس ملک کو آپس میں تقسیم کیے ہوے تھے ایک چھوٹے سے فریق کا تھا۔ مگر اس نئے سلطان
میں اکثر بادشاہوں سے زیادہ تر اسکی قابلیت تھی کہ اپنی سلطنت کے مخالف و سرکش عناصر
کے درمیان اپنے آپ کو سنبھالے رہے۔ یہ شخص کاموں کو بروقت اور مکمل طور پر کرنیوالا،
شبہہ اور وسوسہ سے بہت کم تکلیف اُٹھانے والا، کبھی نہایت ہی درشت اور کبھی دغاباز
مدبر تھا۔ اسکی حکمت عملی ہمیشہ اقتضاے وقت کے مطابق ہوتی تھی، اور کچھ چند ہی ایسے موقع
نہ تھے جنمیں اُسکا امتحان ہوا ہو۔ اندلس میں آئے ہوے اسکو بہت عرصہ نہیں گزرا تھا کہ
ابن مغیث افریقیہ سے ہسپانیہ میں عباسیوں کا سیاہ جھنڈا نصب کرنے کیلیے تری کی راہ سے
روانہ ہوا۔ یہ شخص بیجا کے علاقہ میں جہاز سے اُترا اور فوراً بہت سے نارضی آدمی جو ہمیشہ
نئی بات میں شریک ہونے کو مستعد رہا کرتے ہیں، اُسکے مُعاون ہو گئے۔ وہ مہینے تک عبدالرحمٰن
کارمونا میں محصور رہا۔ یہ حالت بدرجہ غایت خطرناک تھی اسلیے کہ ہر روز دشمن کو اپنی قوتیں
بڑھانے کا زیادہ تر موقع ملتا جاتا تھا۔ عبدالرحمٰن نے جو ہمیشہ پُر از تدبیر تھا جب یہ سُنا کہ
دشمن نے احتیاط میں کسی قدر سُستی کو راہ دی ہے تو اپنے پیرودں میں سے سات سو نہایت بہادر
آدمیوں کو ایک جگہ مجتمع کیا۔ بڑی آگ روشن کی۔ اور یہ کہکر کہ اب دو ہی باتیں مدنظر ہیں
موت یا فتح" اپنے نیام کو آگ میں ڈال دیا۔ اُن ساتوں سو نے اُسکی اقتدا کی جسکا
مطلب یہ تھا کہ ہم اس بات پر مستقل ہیں کہ جب تک ہم آزاد نہ ہو جائیں گے ہماری تلواریں
نیام میں نہیں جائینگی۔ اسکے بعد اپنے سردار کے پیچھے پیچھے محاصرین پر دل توڑکر ٹوٹ پڑے
اور عباسی حملہ آوروں کو نیست و نابود کر دیا۔ عبدالرحمٰن نے اُس خونخواری سے جو کبھی کبھی
اُسکی ناموری کے چہرہ کو بدنما کر دیا کرتی تھی، حملہ آوروں کے سروں کو ایک زنبیل میں رکھا۔
اور ہر ایک کی شناخت کے لیے اُنکے کانوں پر چھپیاں لگادیں اور اس بیش بہا گٹھری کو ایک

حاجی کے سپرد کیا جو کہ جاتا تھا اس حاجی نے خود عباسی خلیفہ منصور کے ہاتھ میں جا کر دیا خلیفہ
نے جو اس گٹھری کے اندر کی چیز دیکھی تو غصے سے آگ بھبوکا ہو گیا مگر بے اختیار چلا اٹھا "خدا کا
شکر ہے کہ اُس شخص اور میرے درمیان میں ایک سمندر حائل ہے"۔ عبدالرحمٰن کا عباسی رقیب
اسکی کامیابی پر تہہ دل سے ناراض تو ضرور ہوا مگر بے اختیار اُسکی ہشیاری و دلیری کی تعریف
بھی کی۔ وہ عبدالرحمٰن کو قبیلۂ قریش کا (جس قبیلہ کے خود پیغمبر تھے) باز کہا کرتا تھا۔ اور اکثر کہہ
اُٹھتا تھا کہ "حیرت انگیز ہے وہ دلیری، دانشمندی اور مآل اندیشی، جو اُس سے ظہور میں آئی ہے!
پُر خطر راہوں پر چلنا، ایسے دور دست ملک میں جہاں پہونچنا دشوار ہے اور جو بجائے خود محفوظ ہے
اپنے کو ڈال دینا اور وہاں جا کر مخالف جماعتوں کی باہمی رقابت سے فائدہ اُٹھانا اور بجائے
اسکے کہ وہ فریق اسکے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھائیں اُنھیں آپس ہی میں لڑانا، اور اپنی رعایا
کے دلوں کو اپنے ہاتھ میں لے لینا، اور ساری مشکلوں کو رفع دفع کرکے سب کا بالا دست
بنکر حکومت کرنا، سچ تو یہ ہے کہ اس سے پہلے کسی آدمی نے نہیں کیا تھا!"

عباسیہ حملے کو شکست دینے کے بعد یکے بعد دیگرے اس نئے سلطان کو اور کامیابیاں
بھی ہوتی گئیں۔ طلیطلہ کے لوگ بہت دنوں تک اسکی مخالفت پر قائم رہے۔ ان لوگوں
کو صلح کرنے اور اپنے سرداروں کو اُس کے حوالے کر دینے پر راضی کیا۔ یہ سردار سخت
بیحرمت کرکے پھانسی دیے گئے۔ یمنی فرقے کا سردار جب خطرناک ثابت ہوا تو
عبدالرحمٰن نے اسکو راہداری کی چٹھی دی اور اس طرح سے اُسکو اپنے ایوان میں
آنے کی ترغیب دی۔ جب وہ وہاں پہونچا تو عبدالرحمٰن نے پہلے اپنے ہاتھ سے اس کے
مار ڈالنے کی کوشش کی لیکن جب دیکھا کہ یہ عرب بہت ہی زبردست ہے تو اپنے پہرے
والوں کو اندر بلایا اور اُس کو قتل کرا ڈالا۔ تقریبًا اس کے بعد فورًا ہی شمالی بربریوں کی
بغاوت واقع ہوئی۔ دس سال اُن کے مطیع کرنے میں صرف ہوئے۔ اور اسی اثنا میں
یمن والے جو اپنے سردار کے قتل کا انتقام لینے کو بیتاب ہو رہے تھے۔ سلطان کو

دار الخلافہ سے غائب پاکر سرکشی پر آمادہ ہوگئے۔ انکو ابھی تک اس شخص کی مستعدی و ہشیاری کی حقیقت معلوم نہیں تھی۔ یہ باغی بربریوں کو اُنکے آپس کی جزئی رقابتوں سے فائدہ اٹھا کر آپس میں لڑا چکا تھا، اور اب اُس نے اپنا مدبرانہ جال یمن والوں کے آپس میں پھوٹ ڈالنے کو پھیلایا۔ اس نے بربریوں کو جن سے یمنیوں کی فوج کا بڑا حصہ مرکب تھا دم دیکر ان سے برگشتہ کردیا۔ یہانتک کہ ان لوگوں نے عین لڑائی میں کنارہ کشی کی اور عبدالرحمن کے سپاہی اس بھاگنے والے غول پر ٹوٹ پڑے اور نتیجہ یہ ہوا کہ تیس ہزار آدمی کھیت رہے اور زمانہ تک انکا بہت بڑا گنج شہیداں حالات دریافت کرنیوالوں کی تماشا گاہ رہا۔ اسکے بعد وہ ہیبتناک سازش ہوئی جو تین ناراض عرب سرداروں نے نشارلےمین کے ساتھ کی تھی اور جس سے قریب تھا کہ وہ جال جسکو عبدالرحمن نے اس قدر تکلیفیں اٹھا کر بنا تھا نیست و نابود ہوجائے۔ لیکن سرقسطہ اور وہاں سے ڈلیس کے سامنے بغیر اسکے کہ وہ شخص جسکی تباہی کے منصوبے ہورہے تھے ایک وار بھی کرے اسکا خاتمہ ہوگیا۔

اسکے بعد سے سلطان باعتبار پہلے کے امن کے ساتھ اپنی فتوحات کے ثمرے سے متمتع ہونے لگا۔ اس نے اپنی بڑی مستحکم مرضی کے موافق ہسپانیہ کے کل مخالف عنصروں کو دبادیا۔ اور عرب کے اُن مغرور سرداروں کو جنھوں نے اسکے سامنے تلواریں کھینچنے کی جراٴت کی تھی نیچا دکھایا۔ باغیوں کے سرغناؤں کے سر کاٹے یا انھیں قتل کرایا۔ اور ثابت کردیا کہ میں اس رتبہ کے لائق ہوں۔ لیکن ایسے بے رحم دغاباز کا ظلم اپنی مکافات دیے بغیر نہیں رہتا۔ ظالم جبر سے چاہے اطاعت کرالے لیکن وہ جبر سے لوگوں کے دل ہاتھ میں نہیں لے سکتا اور جو سلطنت تلواروں سے لی جائے ضرور ہے کہ انھیں کے ذریعہ سے قائم بھی رکھی جائے۔ متدین لوگوں نے ایسے مالک کی ملازمت میں داخل ہونے سے انکار کیا جو عہد کرکے دھوکا اور قتل کرسکتا ہو جیسا کہ اسی سلطان نے کیا تھا۔ اُسکے پرانے معاون جنھوں نے سب سے پہلے اُس کا ہسپانیہ میں خیر مقدم کیا تھا،......

(ا)لخلافت سے غائب پاکر سرکشی پر آمادہ ہوگئے۔ انکو ابھی تک اس شخص کی مستعدی و ہشیاری
کی حقیقت معلوم نہیں تھی۔ یہ باغی بربریوں کو انکے آپس کی جزئی رقابتوں سے فائدہ اٹھاکر
آپس میں لڑا چکا تھا، اور اب اُس نے اپنا مدبرانہ جال یمن والوں کے آپس میں پھوٹ
ڈالنے کو پھیلایا۔ اس نے بربریوں کو جن سے یمنیوں کی فوج کا بڑا حصہ مرکب تھا دم دیگر
اُن سے برگشتہ کردیا۔ یہانتک کہ ان لوگوں نے عین لڑائی میں کنارہ کشی کی اور عبدالرحمن
کے سپاہی اس بھاگنے والے غول پر ٹوٹ پڑے اور نتیجہ یہ ہوا کہ تیس ہزار آدمی کھیت رہے
اور زمانہ تک انکا بہت بڑا گنج شہیداں حالات دریافت کرنیوالوں کی تماشا گاہ رہا۔ اسکے بعد
وہ ہیبتناک سازش ہوئی جو تین نامی عرب سرداروں نے شارلے مین کے ساتھ کی تھی اور
جس سے قریب تھا کہ وہ جال جسکو عبدالرحمن نے اس قدر تکلیفیں اُٹھاکر بنایا تھا نیست و نابود
ہوجائے۔ لیکن سرقسطہ اور دان سے وٹیں کے سامنے بغیر اسکے کہ وہ شخص جسکی تباہی کے
لئے یہ سب جمع ہوئے تھے ایک وار بھی کرے اسکا خاتمہ ہوگیا۔

اسکے بعد سے سلطان باعتبار پہلے کے امن کے ساتھ اپنی فتوحات کے ثمرے سے
متمتع ہونے لگا۔ اس نے اپنی بڑی مستحکم مرضی کے موافق ہسپانیہ کے کل مخالف عنصروں کو
دبا دیا۔ اور عرب کے اُن مغرور سرداروں کو جنھوں نے اسکے سامنے تلواریں کھینچنے کی
جرأت کی تھی نیچا دکھایا۔ باغیوں کے سرغناؤں کے سر کاٹے یا اُنھیں قتل کرایا۔ اور
ثابت کردیا کہ میں اس رتبہ کے لائق ہوں۔ لیکن ایسے بے رحم دغاباز کا ظلم اپنی مکافات
دیئے بغیر نہیں رہتا۔ ظالم جبر سے چاہے اطاعت کرالے لیکن وہ جبر سے لوگوں کے دل
ہاتھ میں نہیں لے سکتا اور جو سلطنت تلواروں سے لی جائے ضرور ہے کہ اُنھیں کے ذریعہ
سے قائم بھی رکھی جائے۔ متدین لوگوں نے ایسے مالک کی ملازمت میں داخل ہونے سے
انکار کیا جو عہد کرکے دھوکا اور قتل کرسکتا ہو جیسا کہ اسی سلطان نے کیا تھا۔ اُسکے
پرانے معاون جنھوں نے سب سے پہلے اُس کا ہسپانیہ میں خیرمقدم کیا تھا،......

اس نے وہ کام پورا کر لیا جسکا اپنی نوجوانی کے حوصلے کے زمانے میں جس وقت یہ اجنبی وارث تنہا اک سلطنت کو تابع کرنے کیلئے آیا تھا منصوبہ باندھا تھا مگر اپنی رعایا کے دلوں کو اپنے ہاتھوں سے کھو کر پورا کیا۔ یہ حسین جوان جو ہسپانیہ کے عربوں کی اطاعت و جاں نثاری حاصل کرنے کو آیا تھا، تینتیس ۳۳ برس کے بعد نفرت انگیز جابر بنکر جسکا خون آلود تخت و تاج صرف کرایہ والوں کی تلواروں نے سیم و زر کے زور سے قائم رکھا تھا، قبر میں پہونچگیا۔ اسنے ہسپانیہ میں تلوار کی حکومت کی بنا ڈالی اور اس کے جانشینوں کو مجبوراً یہی اصول باقی رکھنا پڑا۔ جیساکہ عربوں کے بڑے مورخ نے کہا ہے "اسکا سمجھنا آسان نہیں ہے کہ جب تک کہ دبانے کی سخت تدبیروں سے کام نہیں لیا جاتا عربوں اور بربریوں کے سرکش و متمرد فرقے کیونکر چین سے رکھے جاتے یا کیونکر طوائف الملوکی کو دفع کیا جاتا۔ اسلیے کہ ان دونوں قوموں میں سے کوئی بھی شخصی سلطنت کی عادی نہ تھی۔ بایں ہمہ جو جبر و تعدی کہ اس طرح قائم رکھی گئی تھی باوجود ساری شان و شوکتوں کے جسکی چمک دمک دُور دُور تک پہونچی تھی اک غم انگیز منظر کا تماشا دکھاتی تھی۔ ایک قدیم عربی مورخ ابنِ حیان قرطبہ کے پہلے سلطان کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے:۔

"عبدالرحمن نرم دل اور رحم کی طرف مائل تھا۔ فصیح اللسان و سریع الاحساس تھا۔ کسی کام کے ارادہ میں جلدی نہیں کرتا تھا لیکن اسکی تعمیل میں مستقل اور پختہ تھا۔ وہ مستعد و بیقرار آدمی تھا۔ وہ کبھی آرام لینے کو نہیں پڑا رہتا اور نہ اپنے آپکو عیش و عشرت میں ڈالتا تھا۔ اسنے کبھی سلطنت کے معاملات کسی اور شخص کے سپرد نہیں کیے بلکہ انھیں خود ہی طے کرتا تھا۔ تاہم مشکل معاملات میں عقل و تجربہ والوں سے مشورہ لینے سے کبھی باز نہیں رہا۔ وہ ایک بہادر و بیباک سپاہی تھا۔ ہمیشہ میدان جنگ میں سب سے پہلے خود ہی جاتا تھا۔ اپنے غصہ میں ہیبتناک تھا اور مخالفت کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ جو لوگ اسکے قریب جاتے تھے انکے دلوں

میں اُسکی صورت دیکھ کر ہیبت طاری ہوتی تھی - اس میں دوست اور دشمن دونوں برابر تھے ـــــ جنازوں کے ساتھ جاتا اور جنازے کی نماز پڑھنا اُسکی عادت میں داخل تھا - اور جمعہ کے دن جو مسجد جایا کرتا تو اکثر ممبر پر چڑھکر لوگوں کو وعظ و نصائح کرتا تھا - بیماروں کی عیادت اور خوشی میں لوگوں کی شرکت کرتا تھا "

بلا شبہہ یہ نوجوان عبد الرحمن کی تصویر اس سے پہلے کی ہے، جب مخالفت و سازش نے اسکو بیرحم و بدگمان بنا دیا تھا - اکثر اوقات قوت و اقتدار اپنے مالکوں کو عیب طور سے سزا دیا کرتا ہے -

جب کوئی جابر مرتا ہے تو معمولاً یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسکی جگہ پر کون بیٹھے گا اور عام جواب یہ ہوتا ہے کہ انقلاب و طوائف الملوکی - جس تخت کی بنیاد فولادی دھاروں پر ہوتی ہے وہ فوراً باپ کے بعد بیٹے کو نہیں ملتا - اسپر بھی خاندان عبد الرحمن کی عمارت اُسکے جابر بانی کی وفات سے منہدم نہیں ہوئی - امید کیجا سکتی تھی کہ وہ معاند قوتیں جنکو اُس نے مشکل سے دبا رکھا تھا، جب اُسکی وفات کے بعد شتر بے مہار ہو جائینگی تو دونے زور کے ساتھ اُبھرینگی، لیکن یہ حالت نہیں ہوئی - اسکا سبب کچھ تو یہ تھا کہ اُسنے لوگوں کو اس درجہ خوف زدہ کر دیا تھا کہ پھر ویسی سی جرأت کرنا اُنکے لیے آسان نہ تھا اور کچھ یہ کہ اُسکے جانشین میں لوگوں نے اُسکے باپ کے متضاد صفات دیکھے (یعنی یہ ایسا شاہزادہ تھا کہ قابل محبت بھی تھا اور قابل عزت بھی) اسلیے لوگ کئی برسوں تک چپ چاپ رہے - ہشام جو ۷۸۸ء میں اپنے باپ کی جگہ پر بیٹھا، تیس برس کی عمر میں ساری خوبیوں کا نمونہ تھا - اور گویا یہ یقین دلانے کے لیے کہ وہ اپنے مختصر سے زمانہ سلطنت میں اُن نیکیوں پر مستعدی کے ساتھ عملدرآمد کریگا - ایک نجومی نے پیشینگوئی کی تھی کہ اسکی زندگی کے کل آٹھ ہی سال باقی ہیں - اس سلطان نے فطرتی طور پر اس مختصر مدت کو آخرت کیلیے تیار کرنے میں صرف کیا - اسکی کمسنی میں اسکا محل علوم کے ماہروں، شاعروں اور دانشمندوں سے

بھرا رہتا تھا۔ اور یہ لڑکا جوانی میں جیسا ہونیوالا تھا اُسکے آثار بہو قت نمایاں تھے ؂

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

اسکے دینداری کے کاموں کی کوئی انتہا نہ تھی اور جو شخص مفلس یا ستایا ہوا ہوتا تھا اُسکو یقیناً اسی کے یہاں پناہ ملتی تھی یہ معتمد علیہ پرچہ نویسوں کو اپنی سلطنت کے کُل حصوں میں اسلیے بھیجا کرتا تھا کہ ظلم کی جستجو کرکے اُسکو رفع کریں اور پارسائی کی باتوں کو رواج دیں۔ وہ راتوں کو گلیوں میں گشت کراتا تھا تاکہ بدمعاشی و بُرائی کے افعال نہ ہونے پائیں اور جو جرمانے کہ لوگ بدکاروں سے وصول کرتے تھے وہ اُن نیکو کاروں میں تقسیم ہوتے تھے جن کو بارش یا سردی بھی رات کے وقت مسجد جانے سے نہیں روک سکتی تھی سلطان بنفس نفیس بیماروں کی عیادت کو جاتا اور اکثر آندھی پانی کی راتوں میں پرہیزگار بیماروں کو کھانا پہونچانے اور انکی تیمارداری کرنے کو باہر نکلتا۔ باوجود ان سب باتوں کے وہ کچھ نامرد نہ تھا۔ یہ اپنے سپاہیوں کو شمال کے عیسائیوں کے مقابلے میں پکے عرب سپاہی کی طرح لڑانے کو لیجایا کرتا تھا اور اگرچہ محبت سے لوگ اسکو العزیز اور العادل کہتے تھے لیکن جس وقت اسکے چچاؤں کی سازشوں سے اسکی سلطنت کے لالے پڑ گئے تو جسقدر کڑے پن کی ضرورت تھی اس نے دکھلائی اس نے اپنے مملوکوں یعنی باڈی گارڈ کی تعداد بڑھائی اور اُن میں سے ایک ہزار ہمیشہ رات دن دریا کے دونوں جانب اُسکے ایوان کی حفاظت کیلیے مامور الخدمت رہتے تھے۔ یہ شکار کا شایق تھا۔ تاہم اس قدر محتاط تھا کہ جب اس نے قرطبہ کا پُل دوبارہ بنوایا جو آجتک قائم ہے' تو یہ سنکر کہ میری رعایا یہ سرگوشیاں کرتی ہے کہ میں نے یہ بڑا کام صرف اسلیے کیا ہے کہ میری شکاری جماعتوں کو زیادہ سہولت ہو' تو اُسنے عہد کر لیا کہ میں کبھی اس پُل پر سے نہیں جاؤنگا۔ چنانچہ اُسپر ہو کر کبھی نہیں گیا۔ قبل اسکے کہ وہ آٹھ برس پورے ہوں یہ نمونہ کے قابل شہزادہ اُس جنت اہل بہشت کو سدھارا جسکا کامل استحقاق اُسنے حاصل کیا تھا

اور اُسوقت یہ امر آشکارا ہو گیا کہ انکی غلطیاں ہی انکا سبب ہوئی تھی کہ سلطنت میں بغاوت کا ایک جدید عنصر پیدا ہو گیا تھا۔ یہ نیا عنصر اسلام کے دینی پیشواؤں کا تھا۔ دینی پیشوا کا لفظ پورے طور پر صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اسلام میں کوئی دینی پیشوائی ٹھیک ویسی نہیں ہے جیسی کہ کیتھولک عیسائیت میں ہے۔ جو لوگ کہ نمازیں پڑھاتے اور جمعہ کے دن مسجدوں میں وعظ و نصائح کیا کرتے ہیں وہ دُنیا دار ہوا کرتے ہیں جو اپنی دوکانیں یا اور پیشے چھوڑ کر آتے اور اُسوقت کے لیے امام و پیشوا بنا دیے جاتے ہیں۔ اسلام میں ...... دنیاوی و دینی آدمیوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے۔ باایں ہمہ بعض امور ایسے ہیں جو کم و بیش اُس سے ملتے جُلتے ہیں جسکو ہم دینی پیشوائی کہتے ہیں۔ اسلامی ملکوں میں ہمیشہ ایک جماعت ایسے لوگوں کی رہتی ہے جنکی زندگی خاصکر مذہب ہی پر وقف رہا کرتی ہے۔ ایسے لوگ چاہے خاص طریقے کے فقرا ہوں یا صرف دینیات کے پڑھنے والے کسی مشہور عالم کے تلامذہ جسکے مسائل نے اُن میں غیر معمولی مستعدی و گرمجوشی پیدا کر دی ہو، یا قرآن خواں ہوں یا مدرسہ کے مدرسین۔ ایسا گروہ ساری اسلامی دنیا میں ملتا ہے اور ہر اسلامی ملک میں انکا لحاظ رکھنا ضرور ہوتا ہے۔

القاہرہ میں جامع الازہر کے طلبا۔ قسطنطنیہ میں سوفسطا۔ اور بہت سے مشرقی شہروں کے ملا نے ثابت کر دیا ہے کہ جوش و خروش کے زمانہ میں دینی حرارت کیا کچھ آگ لگا سکتی ہے۔ عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد سب سے پہلی بغاوت اُس جانب سے ہوئی جس طرف سے کم خیال جاتا تھا۔ یہ بغاوت نہ عیسائیوں کی طرف سے ہوئی نہ عربوں یا بربریوں کے کسی مُلکی فرقہ کی جانب سے، بلکہ اسلام کی جان نثار اولاد یعنی قرطبہ کے دینیات پڑھنے والے طلبا کی طرف سے۔

ان طلبہ میں زیادہ تعداد نومسلموں یا نومسلم کے بیٹوں کی تھی۔ اور یہ علوم ہو چکا ہے کہ ہسپانیہ والے بڑی خوشی سے اسلام قبول کرتے جاتے تھے۔ اور اکثر نومذہبوں کی طرح خود

مسلمانوں سے بھی زیادہ مسلمان ہو جاتے تھے۔ عبدالرحمٰن اس پرلے درجے کا دانشمند اور اس غایت درجے کا دنیادار تھا کہ اُسنے فقیہوں کو اور خاص کر ان لوگوں کو جن میں ہسپانیہ کا خون تھا اپنی سلطنت میں کوئی بالادستی کا اقتدار نہیں دیا تھا۔ لیکن خدا پرست ہشام نے تو اس خطرے کو نہیں دیکھا اور اگر اُسنے دیکھا بھی ہوتا تو ہرگز اسکو خطرہ نہ سمجھتا۔ اسکو اس بات کا عشق تھا کہ ایسے مقدس لوگوں کو اپنا رازدار بنائے جو شرع کے سخت پابند ہوں اور اُن لوگوں میں جو عام طور کی دنیاوی طمع و حرص اور اقتدار کی آرزو بہت ہی پوشیدہ ہوا کرتی ہے اسکو وہ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ یہ بھی اتفاق ہوا کہ اُس زمانے کے فقہاء کا افسر ایک غیر معمولی ذہانت و فطانت کا آدمی مدینۂ منورہ کی نو آبادکاروں میں سے ایک کا شاگرد رشید تھا۔ یہ ایک ایسا آدمی تھا جسکے لیے مذہبی حرارت اور ملکی اقتدار کا حرص جسنے بارہا قوموں کا ستیاناس کیا ہے سوہانِ روح تھا۔ اس شخص یعنی قاضی یحییٰ نے ہشام کے حسنِ عقیدت اور پارسائی سے یہ نفع حاصل کیا کہ قرطبہ کے فقہاء کو رسوخ و اقتدار کی ایسی بلندی پر پہونچا دیا کہ جس سے اُسکے ہوشیار باپ عبدالرحمٰن کو قبر میں بھی بیچینی ہوئی ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ جب تک یہ لوگ اپنے طور پر رہنے دیے گئے اُسوقت تک خیریت رہی لیکن ۷۹۶ء میں جب نیکوکار ہشام نے جنت کی خوشبوؤں کے لیے اس دنیا کو الوداع کہا تو دربار کی حالت بالکل بدل گئی۔ نیا سلطان حکم مذہب سے کچھ بے سروکار یا کسی طرح برگشتہ نہ تھا لیکن وہ خوشدل اور ملنسار تھا۔ اور جو زندگی اُسکے پیش نظر تھی اُس سے متمتع ہوتا تھا اور اُس کا میلان نفس کشی کی طرف نہ تھا۔ اس رویّہ کا آدمی متعصب فقہاء کے نزدیک بالکل قابل اعتراض تھا۔ وہ اس سلطان کا ذکر پارسایانہ ہیبت کے ساتھ کرتے تھے۔ علانیہ اسکے راہ راست پر آنے کیلیے دعائیں کرتے اور اُسکے رُو در رُو اُسکی تذلیل و تحقیر تک کرتے تھے۔ جب اُن لوگوں نے دیکھا کہ اسکی عیش پسندی ناقابل علاج ہے تو اسکے خاندان کے کسی اور شخص کو تخت پر بٹھانے کی ٹھہرائی۔ یہ سازش ناکام رہی اور بہت سے چوٹی کے امراء جو اس سازش

میں شریک ہوئے تھے مع بہت سے پُرجوش فقہاء کے پھانسی دیدیے گئے - اس سے بھی اُنھیں عبرت نہیں ہوئی اور ۲۰۲ھ میں متعصبوں کے بھڑکانے سے لوگ پھر اُٹھ کھڑے ہوئے لیکن کچھ بھی نہ ہوا پہلے کی طرح سے یہ بھی اپنے ہی سروں پر کھیلے اور انکا بھی سرسری فیصلہ ہوگیا۔ طلیطلہ کے امراء کا (جنھوں نے اپنی عادت کے موافق بغاوت کی اور اس دفعہ فریب سے ولیعہد کے قبضہ میں دیدیے گئے اور ایک ایک کر کے قتل ہوئے) عبرت انگیز واقعہ بھی قرطبہ والوں کو اک اور بغاوت کرنے سے باز نہیں رکھ سکا -

ہاں اس میں شبہہ نہیں کہ سات سال تک "یوم الخندق" (جو طلیطلہ کے قتل عام کا نام رکھا گیا تھا) کی یاد نے قرطبہ کے متعصبانِ مذہب کو اپنی حد پر رکھا - لیکن جیسے جیسے اُس ہیبت ناک کھائی کی یاد جس میں طلیطلہ کے کل مقتول امراء کی لاشیں ڈالدی گئی تھیں ضعیف ہوتی گئی - دارالخلافہ میں ایک تازہ ہنگامہ کے اسباب و علامات پیدا ہوتے گئے - لوگوں کا جوش بہت بڑھ گیا - یہ جوش صرف سلطان ہی کے خلاف نہ تھا کہ وہ موٹے کپڑے نہیں پہنتا، اور بدن پر بھبھوت نہیں ملتا اور اپنے آپ کو نفس کُش ظاہر نہیں کرتا، بلکہ اس سے بھی زیادہ اُسکے محافظوں کی بڑی بھاری جماعت کے خلاف تھا جنکو لوگ عجم یعنی گونگا اس وجہ سے کہتے تھے کہ وہ حبشی اور اُنھیں کے مثل تھے اور عربی زبان نہیں بول سکتے تھے - یہ عجم قرطبہ کی گلیوں میں تن تنہا نکل نہیں سکتے تھے - اگر کوئی سپاہی اکیلا باہر نکلتا تو یقین تھا کہ عوام اُسکو دق کرتے اور ممکن تھا کہ قتل کر ڈالتے - ایک دن ان محافظوں میں سے ایک نے کسی شخص کو دل لگی سے ایک گھونسا مارا - اس سے سارے لوگ الدم بگڑ کھڑے ہوئے - سب ایکدل ہو کر ایوان شاہی کی طرف جھکے اور ہزار در ہزار دینیات کے طلبہ جو شہر کے جنوبی حوالی میں سکونت رکھتے تھے - انکے سرگروہ بنے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ باوجود شہر کے قلعہ بند اور معمور ہونے کے یہ سب حملہ کر کے اسپر قبضہ کر لینگے - سلطان حکم نے انسانی صورتوں کے اُڑتے ہوئے سمندر کی طرف نظر کی اور عقیدتمند بلوائیوں کو حیرت کے ساتھ دیکھا تو اُسکے تجربہ کار سواروں کے

حملوں کو روک رہے ہیں۔ لیکن اس ہنگامہ خطرہ کے وقت بھی اُسکے اوسان خطا نہ ہوئے اور
جہاں خطا ہوتے ہیں یہ تو بڑے لوگوں کی فطرت میں داخل ہے۔ اپنے بڑے کمرے میں جا کر
آرام سے بیٹھا رہا۔ تاہم اپنے شاگرد پیشہ سے زباد کا شیشہ منگوایا اور اطمینان سے سر اور داڑھی
کے بالوں پر عطر لگانے لگا۔ اس شاگرد پیشہ کو ایسے وقت میں کہ بلوائیوں کا گروہ پھاٹک پر
حملے کر رہا تھا سلطان کے ایسے کام سے سخت حیرت ہوئی اور اُس سے یہ حیرت و تعجب
ضبط نہ ہو سکا۔ لیکن حکم نے جسکو خطرہ کی پوری حالت معلوم تھی اُسکو جواب دیا "خاموش
حرامی! اگر میرا سر معطر نہیں رہیگا تو بلوائی اُسکو اور سروں سے کیونکر تمیز کرینگے"۔ اس کے بعد
اُس نے افسروں کو بلوایا اور حفاظت کے لیے اپنی تدبیریں عمل میں لایا۔ یہ تدبیریں
بالکل سیدھی سادی تھیں مگر بکار آمد نکلیں۔ اُس نے اپنے چچا زاد بھائیوں کو سواروں کی
ایک فوج کے ساتھ پھیر کے رستے سے جنوبی حوالی شہر کی طرف بھیجا۔ اُس نے وہاں
پہونچکر وہاں آگ لگادی اور جب سب لوگ خوف زدہ ہو کر ایوان خلافت کا محاصرہ
چھوڑ کر اپنی بیبیوں اور بچوں کو اپنے شعلہ فشاں گھروں سے نکالنے کو دوڑے تو حکم اور
باقی قلعہ داروں نے پیچھے سے اُنکی خبر لینی شروع کی۔ ان دو طرفی حملوں سے کمبخت باغیوں
کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ مہیب صورت عجم گھوڑوں پر سوار اُنکے غول میں گھس گئے اور سیکڑوں کو
کاٹتے چلے گئے اور اگر کسی نے گڑگڑا کر رحم کرنے کو کہا تو یا تو سمجھے ہی نہیں اور اگر سمجھے بھی
تو مطلقاً اُسکا خیال نہیں کیا۔ حکم کی اس چال نے ایوانِ خلافت و خاندان خلافت دونو
کو بچا لیا اور بغاوت عام بدل کر پورا قتل عام بن گئی۔

تاہم اپنی فتح کے وقت بھی سلطان نے اپنے ہاتھ روک لیے۔ وہ اپنی کامیابی کو
کھینچکر انتہائی حد تک نہیں لیگیا، بلکہ اسی پر قناعت کی کہ بیرون بلدہ کی جس آبادی سے
بغاوت کی آگ پھیلی تھی وہی خاک میں ملادی جائے اور اسکے باشندے جلا وطن کر دیے
جائیں۔ چنانچہ وہ جبراً نکالے گئے۔ کچھ تو اسکندریہ چلے گئے جنکی تعداد عورتوں اور بچوں

کے علاوہ پندرہ ہزار تھی اور بعد کو سمندر سے پار اتر کر کریٹ پہونچے اور کچھ فاس کو سدھارے جو افریقیہ میں ہے - ان لوگوں کی مجموعی تعداد آٹھ ہزار تھی - یہ لوگ جلا وطن ہوئے [illegible] بہت بڑی تعداد اُن لوگوں کی تھی جو ہسپانیہ کے قدیم باشندوں کی اولاد تھے [illegible] تھے - لیکن اصل بانیِ فساد دینیات کے طلبہ یعنی فقہاء بے سزا چھوڑ دیے گئے - جسکی وجہ بے شبہہ کچھ تو یہ تھی کہ ان میں سے اکثر عرب تھے، اور کچھ یہ تھی کہ [illegible]
فقہاء کا ایک افسر کشاں کشاں حکم کے پاس لایا گیا، اور اُس نے حرارتِ دینی کے غیظ میں سلطان سے کہا کہ "تجھ سے نفرت کرنے میں میں نے خدا کے حکم کی تعمیل کی" حکم نے یاد رکھنے کے قابل جواب دیا " وہی اللہ جسکی نسبت تو مدعی ہے کہ تجھے مجھ سے نفرت کرنے کا حکم دیا ہے اُسی نے مجھے حکم دیا ہے کہ تجھے معاف کر دوں - جا اور خدا کی حفاظت میں رہ "

بدی را بدی سہل باشد جزا ‌ ‌ ‌ ‌ اگر مردی احسن الیٰ من اسا

پانچواں باب

عیسائی جاں نثارانِ مذہب

چھبیس سال سلطنت کر کے سلطان حکم نے ۸۲۲ء میں وفات پائی - اس نے سابق سے سلطنت کو امن و امان کی حالت میں اپنے بیٹے عبدالرحمٰن ثانی کے لیے ورثہ چھوڑا - قرطبہ کے نو مسلم مغلوب و جلا وطن ہو چکے تھے - متعصبوں کو ایسا سبق دیا جا چکا تھا جسکو وہ غالباً بھول نہیں سکتے تھے - صرف عیسائی سرحدوں پر پُرانے ہنگامے رہ گئے تھے - جنکے فرو کرنے کی وقتاً فوقتاً ضرورت پڑتی تھی - عبدالرحمٰن ثانی نے وراثت میں اپنے باپ سے تعیش تو لیا مگر اسکا وہ قابو اپنے رویہ پر جو آرام طلبی کو منجر بہ ضعف ہونے سے محفوظ

ہوسکتا تھا اسکے حصہ میں نہیں آیا۔ عبدالرحمن ثانی نے قرطبہ کو بغداد ثانی بنا ڈالا، اور ہارون الرشید الاعظم کی فضول خرچیوں کی نقل کی۔ جو اُس زمانہ کے قریب ہی اپنی بیہودہ دل لگیوں کی تماشا گاہ کو چھوڑ کر ملک آخرت کو سدھار اتھا۔ عبدالرحمن نے بہت سے محل بنوائے، باغ لگوا دئے۔ اپنے دارالخلافہ کو مسجدوں، عالیشان عمارتوں، اور پلوں سے زیب و زینت دی۔ کل تعلیم یافتہ سلطان بادشاہوں کی طرح اُسکو بھی نظم سے عشق تھا اور خود بھی عالی رتبہ شاعر ہونے کا دعوے کرتا تھا۔ گو بعض اوقات اسکے اشعار اوروں کے کہے ہوے ہوتے تھے جنگجو اجرت دیجاتی تھی۔ اسکا مذاق نکھرا ہوا تھا اور اسکی طبیعت نرم تھی اور آسانی سے قبضہ میں آجاتی تھی۔ اسکے سارے زمانۂ حکمرانی میں چار آدمیوں کی اُس پر حکومت رہی۔ ایک تو گویا تھا، دوسرا فقیہ، تیسری ایک عورت، اور چوتھا ایک حبشی غلام۔ ان میں سب سے زیادہ اقتدار فقیہ کا تھا۔ یہ فقیہ وہی بزرگ یحییٰ نام تھے جنھوں نے طلبہ کو حکم کے خلاف میں اُبھارا تھا، اور اب نئے سلطان کے دل پر پورے قابض و دخیل ہو گئے تھے۔ لیکن طرفہ ملکہ اور نصر غلام کا بھی ملکی معاملات میں کچھ کم زور نہیں چلتا تھا۔ مگر زریاب مغنّی (گویا) نے اپنے اغراض کو مذاق و فنون ہی تک محدود رکھا تھا اور گنواری ملکی جھگڑوں میں دخل دینا سے انکار کرتا تھا۔ یہ شخص فارس کا رہنے والا اور بغداد کے مشہور مغنّی اسحاق موصلی کا شاگرد تھا۔ زریاب اپنے اُستاد کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ ایک دن اسکی شامت جو آئی تو ہارون الرشید کے سامنے گانے میں سبقت لیگیا۔ حاسد اُستاد سے بھلا یہ کہاں برداشت ہوسکتا تھا فوراً ہی اُس نے اپنے شاگرد سے کہا کہ یا تو تم اس ملک کو چھوڑ کر اور کہیں کی راہ لو یا ملک عدم جانے کے لیے تیار ہو بیٹھو۔ اُس نے جلا وطن ہونا قبول کیا۔ اور جب اندلس پہونچا تو تعلیم یافتہ سلطان نے اسکی بڑی قدر کی اسکا معقول وظیفہ مقرر ہوا اور خوراک، مکانات اور دوسرے عطیے اور انعام اسکے علاوہ ملے۔ یہانتک کہ اس خوش نصیب مغنّی کی آمدنی بیحساب ہوگئی ——— سلطان زریاب کی ذہانت و ظرافت کی اسقدر قدر

کرتا تھا کہ اسکو اپنی بغل میں بٹھاتا اور اپنے خاصے میں اسکو شریک کرتا اور اسکے زنگ اور قدیم
زمانے کی حیرت انگیز کہانیاں اور دانشمندی کے مقولے جو وہ بے انتہا کتابوں کے مطالعہ کی وجہ
سے بیان کر سکتا تھا گھنٹوں سنتا رہتا تھا۔ اسکو ایک ہزار سے زیادہ گیت (غزلیں ؟) زبانی یاد تھے
اور ہر ایک کی لَے جداگانہ تھی جنکی نسبت وہ کہتا تھا کہ گانے کے موکلوں نے مجھے سکھائے ہیں
اس نے طنبورے میں ایک پانچواں تار بڑھایا تھا۔ اور اس شخص کے بجانے کا طریقہ کسی
شخص سے نہیں ملتا تھا اس لیے جو کوئی ایک مرتبہ اسکو سُن لیتا تھا وہ پھر اور کسی کو نہیں سُن
سکتا تھا۔ وہ اپنے موسیقی کے شاگردوں کے ساتھ عجیب و غریب طریقہ برتتا تھا۔ وہ نوآموز
گویئے کو بٹھا لکر کہتا تھا کہ جسقدر زور سے تم گا سکتے ہو گاؤ۔ اگر اسکی آواز کمزور ہوتی تو اس سے
کہتا کہ اپنی کمر پر ایک تسمہ باندھو تاکہ آواز کی ضخامت زیادہ ہوجائے۔ اگر وہ ہکلاتا، یا
اسکے بولنے میں کوئی نقصان معلوم ہوتا تو زریاب لکڑی کا ایک ٹکڑا اسکے منہ میں رکھواتا، تا
کہ اسکے جبڑے ٹھیک طور پر پھیل جائیں۔ اسکے بعد جب وہ نوآموز اس قابل ہوجاتا کہ
آہ کو نہایت زور سے کھینچنے لگتا اور اس پر اپنی آواز کو قائم رکھ سکتا تو وہ اسکو شاگرد بناتا
اور جی لگاکر اسکو تعلیم دیتا ورنہ اسکو نکال دیتا تھا۔ کبھی کوئی شخص ایسا سنجیدہ، ایسا
ذہین و فطین، ایسا دلخوش کُن نہ ہوا جیسا زریاب تھا۔ یہ بہت جلد اندلس میں نہایت ہی
مشہور آدمی ہوگیا۔ اور پیٹرونیس یا بیو برمل کی طرح وضع و طرز (فیشن) کا تصفیہ کرنے والا ٹھہرا۔
اس نے لوگوں سے بال رکھنے کی وضع بدلوا دی۔ اسی نے اندلس میں مارچوبہ (ناگدون) اور
مصالحہ دار کوفتے کھانے کا رواج نکالا۔ اور ایک کھانا بہت زمانہ بعد تک زریابی قلیہ
کہلاتا رہا۔ اسی نے بجائے فلزات کے شیشے کے ظروف میں پانی پینا، چرمی
توشکوں پر سونا، چرمی دسترخوانوں پر کھانا اور بہت سی ستھرائیاں لوگوں کو سکھلائیں اور اسکے ساتھ ہی ساتھ
یہ بھی سکھلایا کہ درجہ بدرجہ باعتبار موسم کے لباسوں میں تبدیلی کی جائے یعنی بجائے اسکے کہ دفعۃً لباسوں
میں تبدیلی کریں جیسا کہ اسوقت تک لوگ کیا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ جاڑوں کے بہت موٹے کپڑوں کو بدلتے ہوئے

گرمیوں کے باریک کپڑوں تک پہونچائیں۔ جو کوئی وضع وہ ایجاد کر دیتا تھا دنیا اسی کی پیروی کرتی تھی۔ کوئی چیز ایسی نہ تھی جسکی نسبت یہ فرحمند خوش غذا حکیم لوگوں کو اس کا یقین نہیں دلا سکتا ہو کہ یہ شئے ضروری اور دلربا دونوں ہی ہے۔

لیکن جس زمانے میں کہ ایوان خلافت نئے کھانوں کے مزے لے رہا یا نئی قطع کے بالوں میں اُلجھا ہوا تھا سلطان کی رعایا میں خود قرطبہ کے اندر کچھ ایسے سنجیدہ لوگ بھی تھے جو زیادہ تر گہرے خیالوں میں ڈوبے ہوے تھے۔ وہ کوئی بیرونی دشمن نہ تھا جس نے اس اسلامی سلطنت کے امن کو خطرے میں ڈال رکھا تھا۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ عبدالرحمن ثانی جس میں ذاتی جرأت اور فوجی ناموری کی محبت کی کمی نہ تھی بہت مرتبہ اپنی فوجوں کو شمال کے عیسائیوں کے مقابلہ پر جو لوئی دی۔ ڈیونیر کی مدد سے برابر سرحدوں پر ہنگامے و فساد مچایا کرتے تھے لیگیا اور کامیابیاں حاصل کر کے مظفر و منصور واپس آیا تھا۔ اور یہ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں اُسوقت تک ایسی سنگین نہیں ہوئی تھیں کہ اسلامی حکومت کی بنیاد کو ہلا دیں۔ لیکن جس واقعہ کا ہم تذکرہ کرنا چاہتے ہیں وہ قرطبہ کے تھوڑے سے عیسائیوں کی حد سے باہر لبند حوصلگی سے پیدا ہوا تھا۔ اکثر عیسائی حقیقت میں کسی طرح اسکے دلدادہ نہ تھے کہ اپنی دینداری کا بہت زیادہ اظہار کریں۔ وہ دیکھتے تھے کہ اُنکے ساتھ عمدہ برتاؤ ہوتا ہے، انکو آزادی ہے کہ جسکی چاہیں پرستش کریں، حکمرانوں کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہیں ہوتی ہے۔ اور اُنکو اسکی بھی آزادی ہے کہ تجارت کریں اور اپنے مسلمان پڑوسیوں کی طرح مالدار ہو جائیں۔ اس سے زیادہ اور کس بات کی خواہش ہو سکتی تھی، بجز اسکے کہ پُرانی سلطنت کو واپس لینا چاہتے۔ اور چونکہ یہ امر اُسوقت امکان سے باہر تھا، وہ اسپر قانع تھے کہ اپنی حالت میں چین کریں اور اپنے نرم دل و بے تعصب فرمانرواوں سے جہانتک ہو سکے متمتع ہوں۔

طبیعت کا یہ انداز اندلس میں عام تھا لیکن خال خال اولوالعزم یا پُرجوش طبیعتیں بھی

تھیں جو بقول "انکے" "کافروں" کی حکومت سے اس طرح قانع ہو جانے پر دانت پیستی تھیں۔ وہ اپنے کلیساؤں کے اگلے اقتدار و فارغ البالی کو یاد کرتی تھیں اور پادری خاصکر اپنی اس نفرت کو ضبط نہیں کر سکتے تھے جو انھیں مسلمانوں سے اس سبب سے تھی کہ انھوں نے انکے ہاتھوں سے انکی سلطنت چھین لی تھی، اور عیسیٰ مسیحؑ کے دین کی جگہ اک جھوٹا مذہب لاکر قائم کر دیا تھا۔ مسلمانوں کی خود بے تعصبی نے ایسی جوشیلی طبیعتوں کو اور غصہ دلا دیا تھا۔ وہ اسکو اچھا سمجھتے تھے کہ قدیم زمانے کے فدائیان مذہب کی طرح دق کیے جائیں۔ وہ آرزو کرتے تھے کہ شہید ہوں اور انکو مسلمانوں پر اس بات کا غصہ تھا کہ وہ "ہم کو پابندی مذہب کی خاطر تنگ کیوں نہیں کرتے ہیں"۔ ان با اخلاص لوگوں کے نزدیک مسلمانوں کی کھلی ہوئی خوشوقتیاں اور نفس پرستی کی ستھرائیاں خاصکر نفرت انگیز تھیں۔ انکا زندگی اور اسکی ساری مسرتوں سے حظ اٹھانا، انکی موسیقی اور انکا گانا، بلکہ انکے علوم اور انکا پڑھنا پڑھانا، ان رہبانوں کے لیے نفرت خیز تھا انکے خیال میں سچے دیندار کی زندگی کے معنی صرف یہ تھے کہ تازیانے کھائے اور روزے رکھے، توبہ و استغفار کیا کرے، تکلیفیں سہکر صفائی حاصل کرے، گوشت و پوست کو ذلیل و خوار کرے اور روح کی تنزیہ و تقدیس کرے۔ جو کچھ واقع ہوا سچ تو یہ ہے کہ محکوم لوگوں نے عیسائیت کی رہبانی صورت کا اظہار و اعلان کیا تھا۔ اسوقت تک ہسپانیہ کی عیسائیت کا جو خاصہ بے پروائی و بے تعلقی کا عام طور پر مروج تھا اسکی جگہ ہیں دفعۃً اک ہولناک گرمجوشی قائم ہوئی اور شہادت کی مسابقت شروع ہو گئی۔

نیکوکار لوگوں کو فقط اک خواب خیال پر خود اپنی جانیں اور دوسرے لوگوں کی جانیں گنواتے ہوئے دیکھکر سخت افسوس ہوتا تھا۔ اندلس کی یہ خودکشیاں بعل کے پوجاریوں کی مصیبت انگیزیوں سے جو اپنے آپ کو کاٹ ڈالتے ہیں، یا ہندوستان کے جوگیوں کی نفس کشیوں سے جو اپنے ناخنوں کو اپنی ہتھیلیوں کے اندر بڑھنے دیتے ہیں واقع میں ذرہ برابر بھی زیادہ عقل کے موافق یا سچے مذہب کے مطابق نہ تھیں۔ یہ واقعہ کہ اندلسی

"شہداء" ایک بہتر چیز کے دیوانے تھے، اُن سے دیوانہ پن کے الزام کو کچھ ہلکا نہیں کرتا۔ عیسائیت اپنے پیرووں کو یہ نہیں سکھاتی ہے کہ صرف اس وجہ سے کہ اذیت دیے جانے یا قتل کیے جانے میں تم کو خوشی ہوتی ہے بدمستی سے اپنی جانوں کو برباد کرو۔ یہ اس سبب سے نہ تھا کہ عیسائی اپنے مذہبی امور کے انجام میں تنگ کیے یا روکے جاتے تھے۔ یہ اس وجہ سے نہ تھا کہ مسلمان عیسائیت سے ناواقف تھے اور اسکی ضرورت تھی کہ اُنکے سامنے عیسائیت کی تبلیغ کیجاتی تھی۔ یہ لوگ الہامی کتابوں کو خود بہت سے عیسائیوں سے زیادہ جانتے تھے اور کبھی حضرت عیسیٰ مسیح کا نام بغیر "علیہ السلام" کے نہیں لیتے تھے۔ مسلمان حضرت عیسیٰ کے کلیم من اللہ ہونے کو تسلیم کرتے ہیں اور اُنکی بہت زیادہ تعظیم کرتے ہیں۔ مسلمان عیسائیت سے ناواقف نہ تھے، بلکہ وہ اپنے مذہب کو اُسپر ترجیح دیتے تھے۔ اور جب ان لوگوں نے عیسائیوں کو اپنی حالت پر پڑا رہنے دیا تھا تو اُنھیں کوئی وجہ نہ تھی کہ مظلوم و مینداروں کا شجاعانہ رویہ اختیار کریں۔ فی الواقع شہادت کے درجے تک پہونچنے کی کوئی قرین عقل راہ نہ تھی۔ اسلیے کہ جب عیسائیوں کو اجازت تھی کہ اپنے مذہب کی تعلیم و تلقین بے روک و مزاحمت کریں، تو انکو کوئی جائز بنیاد اپنے آپ کو مظلوم قرار دینے کی نہیں مل سکتی تھی تاوقتیکہ یہ نہ کہا جائے کہ ان لوگوں نے انجیل کی راہیں چھوڑ دی تھیں اور حضرت عیسیٰ کی اُس بڑی ہدایت کو پس پشت ڈال دیا تھا "اپنے دشمنوں سے محبت کرو۔ اُن لوگوں کے ساتھ بھلائی کرو جو تم کو بُرا سمجھتے ہیں۔ اور اُنکے لیے دعا کرو جو عداوت کا برتاؤ تم سے کرتے ہیں اور تم کو ایذائیں دیتے ہیں"۔ انکے ساتھ عداوت کا برتاؤ ہوتا تھا نہ اُنکو ایذائیں دیجاتی تھیں۔ عیسائی من حیث المجموع بے خلش تھے۔ اور اگرچہ بعض اوقات گلیوں کے لونڈے اور عوام الناس پادریوں کی ہنسی اُڑاتے تھے لیکن اعلےٰ طبقے کے مسلمان کبھی اس میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ باانہمہ یہ ذلیل عیسائی اپنے ان نرم مزاج دشمنوں کو دوست رکھنے کی کوشش تو کیا کرتے اپنی راہ سے اسقدر دُور جا پڑے کہ اُنپر لعن اور اُنکے مذہب پر طعن کرنے لگے جس سے سادہ لوحی کے ساتھ یہ نیت تھی کہ وہ رنجیدہ ہو کر ہم کو

شہید کر ڈالینگے۔ اور اسلامی ملکوں کا ایک مشہور قانون ہے کہ جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یا اُنکے مذہب کو بُرا کہے اُسکو ضرور مار ڈالنا چاہیے۔ یہ ایک سخت اور وحشیانہ قانون ہے لیکن
ہم جس زمانہ کا حال لکھ رہے ہیں اُس سے بہت بعد کے زمانہ میں دنیا نے ایسے ہی بُرے اصول
کی اسمتھ فیلڈ اور آکسفورڈ کے لکڑی کے ڈھیروں پر اپنی آنکھوں سے تعمیل ہوتے دیکھی ہے قصداً
مذہبی نزاع برپا کرنا اور عداوۃً کسی دوسرے مذہب کو بُرا کہنا عیسائیوں کا کام تو ہے نہیں
اپنی خوشی سے ایسے قانون کی خلاف ورزی کرنا جسمیں سزا موت ہے شہادت نہیں بلکہ
خود کشی اور خون لگاکر شہیدوں میں داخل ہونا ہے۔ اور جو رحم ؛ افسوس ہم کو قرطبہ کے
"شہیدوں" پر بے ساختہ آتا ہے وہ اُسی قسم کا ہے جو لوگوں کو بہت سے مجنونوں اور مالیخولیا والوں
کی حالت پر آسکتا ہے۔ یہ مظلوم واقع میں شہید تو ہوئے مگر بیماری کے ہاتھوں سے۔ اور انکی
قسمت اُسی قدر قابل رحم ہے جس قدر کہ اُسوقت ہوتی جب یہ حقیقت میں دین کیلیے شہید ہوئے ہوتے
ان خود کشیوں کا اصل بانی یولوجی اُس تھا۔ یہ قرطبہ کے ایک پرانے خاندان کا جو سلسلۂ
سے عیسوی جوش میں نام آور تھا، پادری تھا۔ یولوجی اُس نے سالہا سال نماز روزہ اور
سخت مجاہدہ و ریاضت میں صرف کیے تھے۔ اُسنے اپنے آپ کو ایسی بیخودی و جذب کی حالت
پر پہونچا دیا تھا جو اس قسم کے افعال کا باعث ہوا کرتا ہے کہ گمراہی کے تو ہوتے ہیں مگر جان نثارانہ
عقیدت سے خالی نہیں ہوتے۔ اُس میں کوئی دنیاوی بات باقی نہیں رہی تھی۔ نہ اسکو اپنی ذات
کا خیال تھا اور نہ کسی ذاتی حوصلہ کا۔ اسکے مقاصد صرف یہ تھے کہ مسلمانوں کے جھوٹے دین
پر سب و شتم کی بوچھاریں کریں اور اپنے ہم مذہبوں کے درمیان اعلیٰ درجے کی عقیدت کی آگ کو
بھڑکا دیں۔ اِن مقاصد میں اسکو ابتدا سے انتہا تک قرطبہ کے دولتمند نوجوان سے جسکا نام
اَلُویرو تھا، اور پادریوں کی ایک جماعت سے جسکی تعداد کم اور سرگرمی زیادہ تھی، اور راہباؤں اور
عورتوں اور معدودے چند دینداروں سے مدد ملی۔ اُن لوگوں میں سے جو اس خوش عقیدہ جوان
پادری سے بہت مماثلت رکھتے تھے ایک خوبصورت لڑکی فلورا (زہرہ) نام تھی۔ وہ مسلمان تو

عیسائیہ کی شادی کا ثمرہ تھی - اُسکی عیسائیہ ماں نے خفیہ طور سے اُسکو اپنے مذہب کی تعلیم دی تھی - بہت زمانے تک فلورا ظاہراً ہر طرح سے مسلمان رہی لیکن آخر کار شہادت گرمجوشی کے ویسے ہی جوش سے جس نے یولوجی اُس کو بھڑکایا تھا اور بائبل (کتاب مقدس) کی ایسی عبارتوں سے جیسی کہ یہ ہے" وہ شخص جو لوگوں کے سامنے مجھسے انکار کریگا اُس سے میں بھی اپنے اُس باپ کے سامنے جو آسمان میں ہے انکار کرونگا" برانگیختہ ہو کر وہ اپنے بھائی کے مکان سے (اُسکا باپ مرچکا تھا) بھاگ گئی - اور عیسائیوں میں جاکر پناہ گزیں ہوئی - اُسکے بھائی نے جو مسلمان تھا اسکو بہت ڈھونڈھا مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا - بہت سے پادری اس الزام میں قید کیے گئے کہ بھگا لیجانے میں شریک تھے - اور فلورا چونکہ نہیں چاہتی تھی کہ اُسکے قصور سے اور لوگ مصیبتیں جھیلیں گھر واپس آئی اور اپنے عیسائی ہونے کی مُقر ہوئی - اُسکے بھائی کے امکان میں جہاں تک تھا اُسنے کوئی سخت تدبیر اُسکے اسلام میں واپس لانے کی اُٹھا نہیں رکھی - اور آخر کار اسکی ہٹ سے غیظ میں آکر اسکو قاضی کے پاس لے آیا اور اُسکو مرتدہ ہو جانے کی مجرم ٹھیرایا - مسلمان کی اولاد گو اُسکی ماں عیسائیہ ہو، اسلامی قانون کے رو سے پیدائشی مسلمان سمجھی جاتی ہے - اور مرتد ہو جانے کی سزا ہمیشہ سے موت ہے - اس زمانہ میں بھی ٹرکی میں یہ قانون جاری ہے - گو بغیر کہے سُنے چالیس برس سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اسپر عملدرآمد نہ ہوگا لیکن ایک ہزار برس پیشتر کی نسبت ہمکو ضرور یہ امید رکھنا چاہیے کہ مرتدوں پر اب کم نرمی کیجاتی ہوگی - اسپر بھی اُس قاضی نے جسکے سامنے فلورا حاضر کیگئی تھی اُس کمبخت لڑکی پر کچھ رحم کھایا قاضی نے اُسکے قتل کا حکم نہیں دیا، جیسا کہ شرعاً اُسکو کرنا واجب تھا، بلکہ اُسکے قید کرنے کا بھی حکم نہیں دیا - اسنے اُسکو خوب دُرّے لگوائے اور اُسکے بھائی سے کہا کہ اسکو گھر لیجاؤ اور دین اسلام کی تلقین کرو - لیکن وہ پھر بھاگ نکلی اور اپنے کسی عیسائی دوست کے پاس جاکر اُسنے پناہ لی - یہاں پہلے پہل یولوجی اُس سے اُسکی ملاقات ہوئی جسکو اس حسین و بدنصیب کمسن مذہب کی فدائی سے ویسی پاک و سبک محبت ہو گئی جیسی فرشتوں کی آپس میں ہو سکتی ہے - اُسکی

بڑھی ہوئی حقانیت، صوفیانہ معرفت اور مغلوب نہ ہونیوالی جرأت نے اس لڑکی کو اُسکی
آنکھوں میں ولایت کی صورت میں جلوہ گر کیا اور اس پہلی ملاقات کی ذرا ذرا سی باتیں بھی چھ برس
تک اُس پادری کو نہیں بھولی تھیں جبکہ اس نے اُس لڑکی کو یہ الفاظ خط میں لکھے تھے:
"تو نے اے میری مقدس بہن اسکو روا رکھا تھا کہ مجھے اپنی وہ گردن دکھلائے جو درّے سے
پاش پاش تھی اور جسکے اوپر سے وہ خوبصورت زلفیں کاٹ لیگئی تھیں جو کبھی اسکے اوپر لٹکتی
تھیں۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ تو نے مجھے اپنا روحانی باپ سمجھا اور مجھے بھی اپنا ہی سا پاک پارسا
یقین کیا تھا۔ ہلکے سے میں نے اپنا ہاتھ تیرے زخموں پر رکھا۔ میں نے اپنے دل میں یہ ارادہ
کیا تھا کہ اُنھیں اپنے لبوں سے اچھا کرنے کی کوشش کروں بشرطیکہ مجھے اسکی جرات ہوتی کہ
...... جب میں تجھ سے جدا ہوا تو میری حالت اُس شخص کی سی ہوگئی جو خواب میں
چلتا پھرتا ہے۔ اور میں برابر ٹھنڈی سانسیں بھرتا رہا۔"

فلورا اور ایک اور دینی بہن جو گرمجوشی میں اُسکی شریک تھی اک محفوظ جگہ میں رکھی
گئیں اسلیئے یولوجی اس نے اسکو پھر کچھ عرصے تک نہیں دیکھا۔

اس اثناء میں قرطبہ کے عیسائیوں کی سرگرمی گُل کھلا رہی تھی۔ ایک احمق پادری کو
جسکا نام پرفکٹس تھا لوگوں نے بہکا کر شاہی مذہب کو بُرا کہلوایا۔ اور جس دن وہ قتل ہوا مسلمانوں
کی عید کا دن تھا جبکہ ساری دنیا مہینہ بھر کے سخت روزوں کے تمام ہونے کی خوشیاں منا رہی
تھی۔ مسلمان مردوں اور عورتوں سب نے اس عید کو ایک خاص موقع عید کی خوشیاں منانے
کا قرار دیا تھا اور اُس مجرم پادری کے قتل نے اُن مجمعوں کو جو گلیوں میں بھرے ہوے اور دریا
میں خوش فعلیاں کر رہے تھے اور شہر کے باہر بڑے میدان میں اُدھم مچا رہے تھے اور بھی
برانگیختہ کر دیا۔ یہ غریب پادری بہادری کے ساتھ محمد صلعم اور اُنکے مذہب کو آخیر سانس تک گالیاں
دیتا ہوا نفریں کرنیوالے اور رحم نہ کھانیوالے مسلمانوں کے بڑے غول سے گھرا ہوا اس دنیا سے
رخصت ہوا۔ قرطبہ کا بشپ جسکے پیچھے پیچھے پادریوں اور مریدوں کی ایک فوج تھی اُسکی لاش کو

اُٹھا لیگیا۔ اور سینٹ اس کلس کے تبرکات کے ساتھ اسکو دفن کیا۔ اسلیے کہ ڈایوک لیشین کے زمانہ کا وہ شہید تھا اور اُسی کے گرجا میں بقبول عبادت کرانے کو مقرر تھا۔ اور فوراً اُسکو اِک ولی قرار دیدیا۔ اُسی شام کو دو مسلمان ڈوبے۔ اسکو ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ خدا نے پرفلکس کے قاتلوں کو سزا دی۔ اور حبشی غلام نصر نے جسنے اُسکے قتل کی نگرانی کی تھی اُسی سال کے اندر وفات پائی اور نصرانیوں نے فخر کے ساتھ اعلان کیا کہ پرفلکٹس نے اُسکی علالت کی نسبت پیشینگوئی کی تھی "یہ ایک دوسرا بدلا تھا!"

اسکے بعد ہی ایک رُہبان آئزک (اسحاق) نام نے قاضی سے اس بہانہ سے ملاقات کی کہ میں دینِ محمدی قبول کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن جوں ہی اُس ذی علم قاضی نے اسلام کے عقائد بیان کیے اُس رُہبان نے آنکھیں بدل لیں اور اُس مذہب پر دشنام کی بوچھاریں شروع کردیں جسکے سکھانے کی اُس نے درخواست کی تھی۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ قاضی نے اسکے ایک گھونسا رسید کیا اور کہا کہ "تو جانتا ہے یا نہیں کہ ہمارا قانون ایسے لوگوں کو موت کی سزا دیتا ہے جو ایسی باتیں کہنے کی جرأت کرتا ہے جیسی تو نے کیں" اُس رہبان نے جواب دیا کہ "میں جانتا ہوں۔ مجھے موت کی سزا دو۔ میں تو اسکی آرزو رکھتا ہوں۔ اسلیے کہ میں جانتا ہوں کہ خدا نے کہا ہے کہ "مبارک ہیں وہ لوگ جو نیکوکاری کے لیے ستائے جاتے ہیں' اسلیے کہ اُنھیں کے لیے آسمان کی بادشاہت ہے۔" قاضی کو اس شخص پر افسوس آیا اور سلطان سے التجا کی کہ اسکے جرم سے چشم پوشی کیجائے مگر پذیرائی نہیں ہوئی۔ آئزک (اسحاق) کا سر اُڑادیا گیا۔ اور اس بنا پر وہ ولی ہوگیا۔ اور قطعی طور پر ثابت کیا گیا کہ اس سے نہ صرف اُسکی طفولیت ہی کے زمانہ سے بلکہ اس دنیا میں آنے سے بھی پہلے ہی بہت سی کرامتیں ظہور میں آئی تھیں۔

اسکے قریب ہی سلطان کے ایک پہرہ والے نے جسکا نام سنکو تھا اور جو یولوجی اس کا شاگرد تھا محمد صلعم کو گالیاں دیں اور اپنے سر پر کھیل گیا۔ دوسرے اتوار کو چھ رہبان قاضی

کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور چلا کر کہنے لگے "ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ہمارے مقدس
بھائیوں آئزک و سینکو نے کہا تھا" اور فوراً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینی شروع کر دیں
اور کہنے لگے "اپنے ..... پیغمبر کا انتقام لو! ہمارے ساتھ اپنا سارا جنگلی پن صرف کر دو"
انکے سر بھی اُڑا دیے گئے۔ تین پادری یا رہبان اور بھی اس خودکشی کی متعدی تپ سے
متاثر ہو کر اسلیے دوڑے آئے کہ اپنے سروں کو جلاد کی نذر کریں۔ اس طرح سے ۸۵۱ء کے
موسم گرما کے اندر دو مہینے سے کم کے عرصے میں گیارہ آدمی لقمۂ اجل ہو گئے۔

عیسائیوں کی بڑی جماعت اپنے بھائیوں کی احمقانہ مذہبی سرگرمی سے پریشان تھی۔
اس امر کو بھولنا نہیں چاہیے کہ ہسپانیہ والے مذہبی گرمجوشی میں کچھ ایسے سرآوردہ نہ تھے
انکے مذہب نے انپر خفیف سا تسلط کر رکھا تھا اور ان میں سے اسقدر لوگوں نے دینِ محمدی
قبول کر لیا تھا کہ دونوں مذہب اور دونوں قومیں بہت کچھ دوستانہ طور پر شیر و شکر ہو گئی تھیں۔
نصرانی اپنی قدیم لاطینی زبان اور علم ادب سے نفرت کرنے لگے تھے انھوں نے عربی
سیکھ لی اور جلد ویسی ہی عربی لکھنے لگے جیسی خود عرب لکھتے تھے۔ خود یولوجی اس اس
تبدیلی پر روتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عیسائی بجائے کتب مقدس اور پیشوایانِ مذہب کی
تصنیفات کے عربی اشعار اور حکایات سے دلبستگی رکھتے ہیں۔ نئی پود صرف عربی ہی
جانتی ہے۔ وہ مسلمانوں کی کتابیں انکے بڑے بڑے کتبخانوں سے لیکر شوق سے پڑھتی
اور انھیں کو مرغوب سمجھتی ہے اور کسی عیسائی کتاب کو ترچھی نگاہوں سے بھی نہیں دیکھتی
وہ کہتا ہے کہ وہ خود اپنی زبان بھولتی جاتی ہے اور ہزار میں ایک آدمی بھی لاطینی میں درست
خط شاید ہی لکھ سکتا ہو۔ اور تاہم عربی میں عمدہ اشعار کہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ عیسائیوں کو
عرب کے قصے اور کہانیوں اور انکے اشعار کلیسیا کے پیشواؤں کی تصنیفات سے بہت زیادہ
دلآویز و دلچسپ معلوم ہوئے۔ وہ زیادہ سے زیادہ عرب بنتے، زیادہ شائستہ ہوتے، زیادہ
تہذیب اختیار کرتے جاتے تھے اور مذہبی تفرقوں سے بھی زیادہ بے پروائی کرنے لگے تھے

وہ مسلمانوں کے شکر گزار تھے کہ اُنکے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے تھے اور اُنکے برگشتہ مزاج بھائیوں نے جو وقتاً عداوت ظاہر کی اس سے وہ متحیر و متوحش ہوئے۔ ان لوگوں نے اس مخوف طوفان کو اپنے بھائیوں پر اُنکی کاروائی کا بے نتیجہ ہونا ثابت کرکے ٹالنے کی کوشش کی۔ ان لوگوں نے اُنھیں سمجھایا اور یاد دلایا کہ دیکھو مسلمانوں نے ہمیشہ عیسائیوں کے ساتھ کیسی بے تعصبی ظاہر کی ہے اور انجیل کی مطلع جو تسلیمات اور حواری کے یہ الفاظ کہ "بدزبانیاں کرنیوالے آسمانی بادشاہت میں داخل نہیں ہونے کے" اُنھیں یاد دلائے اور اُن سے کہا کہ مسلمان اِن موتوں کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ اسلیے کہ وہ استدلال کرتے ہیں کہ "اگر تمھارا مذہب سچا ہوتا تو خدا اپنے شہیدوں کا انتقام لیے ہوتا"

عام قسم کے ان لایق عیسائیوں نے جو یہ جانتے ہی نہ تھے کہ روحانی عروج کا نیکی یا بدی پر کیا زور ہوتا ہے اور صرف اپنے پڑوسیوں کا حق ادا کرتے اور اپنی نمازیں سادہ پرانی وضع کے طریقہ پر پڑھ لیا کرتے تھے۔ سرگرم مذہب لوگوں کو دبا دینے کی کوشش کی گر محض بے ثمرہ۔ ان لوگوں کو صاف نظر آتا تھا کہ اِن لگاتار توہینوں اور اُنکی فوری سزاؤں کا نتیجہ آخر میں ضرور اصلی صعوبتیں ہونگی۔ اور برعکس اسکے یولوجی اس جو اُنکے اعتراضوں کا جواب کتابِ مقدس اور اپنے اولیاء کی سوانحعمری سے دینے کو مستعد ہو بیٹھا تھا ایسے ہی نتیجہ کی طمع رکھتا تھا اور سرگرمانِ مذہب مذہبی تعذیب کی آگ کو سب سے زیادہ بھڑکانے کے آرزومند ہو رہے تھے۔ کلیساؤں کے اہلِ طریقت جن پر اعتدال پسند جماعت اور نیز اسلامی سلطنت نے اثر ڈالا تھا اسکو جائز نہیں رکھ سکتے تھے کہ بغاوت کا جوش کچھ زیادہ عرصہ تک بلا سرزنش جاری رہے۔ اور بشپوں نے اشبیلیہ کے بڑے کلیسا کے پادری کی صدارت سے ایک مجلس منعقد کی اور اگرچہ پہلے مقتولوں کی "شہادتوں" کو ٹھیک طور سے منسوخ نہیں کر سکے اسلیے کہ کلیسا اپنی رسم کے موافق ان مصیبت زدوں کے نام شہیدوں کی فہرست میں داخل کر چکا تھا تاہم ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ اب اس طرح کا اظہارِ مذہب نہ کیا جائے۔ اور اس فیصلہ کے

نفاذ کے لیے سرگرم لوگوں کے سرغنہ قید خانے بھیجے گئے۔ یہاں یولوجی اس کی ملاقات فلورا سے پھر ہو گئی۔ جسکی صورت یہ ہوئی کہ فلورا ایکدن کسی کلیسیا میں تہ دل سے دعا مانگ رہی تھی کہ اُسنے اپنی بغل میں اپنی ہی سی ایک مذہب کی فدائی کو دیکھا۔ یہ اُس آئزک (اسحاق) نام رہبان کی بہن تھی جو اوائل کے "شہداء" میں سے تھا۔ اور اسکا نام میری (مریم) تھا۔ میری چاہتی تھی کہ اپنے بھائی سے آسمانی بادشاہت میں جا ملے۔ فلورا نے کہا میں بھی تیرا ساتھ دونگی۔ دونوں قاضی کے پاس پہونچیں اور محمدؐ اور اُنکے مذہب پر لعن وطعن کر کے قاضی کو اپنے مقدور بھر غصہ دلانے لگیں۔ دو نوجوان حسین لڑکیاں نہایت خلوص کے ساتھ زمین پر امن اور لوگوں کی خیر خواہی" کے مذہب کی ماننے والیاں قاضی کے سامنے گالیوں اور تلخ کلامیوں سے آلودہ لبوں کے ساتھ اسکے مذہب کو "شیطانی کام" کہتی ہوئی کھڑی تھیں۔ لیکن وہ نیکدل قاضی اس آسانی کے ساتھ بھڑکایا نہیں جا سکتا تھا۔ وہ ان سب مجنونانہ حرکتوں سے تنگ آ گیا تھا۔ اور جب لوگ زبردستی موتیں خریدنے آتے تھے تو وہ بہت دفعہ اپنے آپ کو بہرا ظاہر کرتا تھا۔ اُس نے اُن دونوں لڑکیوں سے کہا کہ مجھے تمھاری حالت پر بہت افسوس آتا ہے۔ تم کیوں باؤلی ہو گئی ہو۔ اُس نے چاہا کہ کوشش کر کے اُنھیں اس بات کی ترغیب دے کہ اپنے قول سے مکر جائیں، یا ایسا کرے کہ گویا اُسنے سنا ہی نہیں مگر اُن دونوں نے اپنے بہادرانہ مقصد پر ہٹ کی اور اُسکو مجبوراً انھیں قید خانہ بھیجنا پڑا۔

یہاں زمانۂ دراز کی قید میں ان بالی بھولیوں کے دل دبے، اور قریب تھا کہ اپنی جانوں پر کھیل جانے کے جوش کو خیرباد کہیں کہ یولوجی اس اُنکی ڈھارس بندھانے اور اُنکو خاک میں ملانے کو آموجود ہوا۔ اسکا کام دنیا بھر کے کاموں سے زیادہ سخت تھا یعنی اُن عورتوں کو جنھیں وہ جان و دل سے پیار کرتا تھا، جانیں گنوا دینے پر آمادہ کرنا۔ تاہم ہر فطری و انسانی جذبہ کے علی الرغم اس لوہے کے بنے ہوئے شخص نے دل کڑا کر کے یہ ارادہ کر لیا کہ ان دونوں کی حمیت مذہبی کو بھڑکا کر شوقِ شہادت کا شعلہ بنا دے۔ اس مصیبت زدہ پادری کے لیے

یہ خیال روزانہ کا سوہانِ روح تھا۔ لیکن جس امر کی نسبت اُسنے یقین کرلیا تھا کہ نیک کام ہے اُسکے لیے کوشش کرنے میں اُسنے کبھی کوتاہی نہ کی۔ بلکہ اُسنے ایک پورا رسالہ فلورا کو (جسکے تئیں اسکی بہت ہی کم ضرورت تھی) یہ یقین دلانے کے لیے لکھا کہ جو شہادت مذہب کیلیے ہوتی ہے وہ غایت درجہ کی دلربا، دلکش اور پرشان و شوکت ہوتی ہے۔ وہ شب و روز اس خیال سے لکھنے پڑھنے میں مصروف رہتا تھا کہ جو خیالات رحم و محبت کے اسکے دل میں تھے وہ دفع ہو جائیں اس لیے کہ اُن سے اُسکے ارادہ میں فرق آجانے کا اندیشہ تھا۔ مگر وہ حد سے زیادہ مضبوط تھا۔ فلورا اور میری (مریم) باوجود اسکے کہ قاضی نے اُنھیں بچانے کی تہ دل سے کوششیں کیں مستقل و غیر مضطرب رہیں۔ اور آخری ملاقات کے بعد جب حکم موت صادر کیا گیا تھا یولوجی اس فلورا سے ملا اور بعد کو روحانی فتح کے تفاخر میں اُسنے یہ لکھا: "وہ مجھے فرشتہ معلوم ہوئی۔ اک آسمانی روشنی اُسکو گھیرے ہوئے تھی۔ اُسکا چہرہ مسرت سے دمکتا تھا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُسیوقت آسمانی وطن کی مسرتوں کے مزے لے رہی تھی ..... جب میں نے اُسکے شکریں لبوں کے الفاظ سُننے میں نے چاہا کہ اُسے وہ تاج دکھلا کر جسکا وہ انتظار کر رہا تھا اُسکے ارادہ پر مستقل کر دوں۔ میں نے اُسکی پرستش کی۔ میں نے اس فرشتہ کے سامنے سجدہ کیا، اور اُس سے التجا کی کہ اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھے اور اسکی گفتگو سے قوی دل ہو کر اپنے حجرے کو لوٹ آیا۔" بالآخر فلورا اور اسکی ساتھی میری (مریم) ۲۴ نومبر کو قتل کیگئیں اور یولوجی اس نے اس واقعہ کو جسکو اُسنے کلیسیا کی ایک بڑی فتح خیال کیا شہرت دینے کے لیے مبارکباد کا اک گیت تصنیف کیا۔

اسکے بعد فوراً یولوجی اس اور دوسرے پادری قیدخانہ سے رہا کر دیے گئے اور دوسرے سال عبدالرحمٰن ثانی نے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور اسکی جگہ اُسکا بیٹا محمد تخت نشیں ہوا۔ یہ شخص مزاج کا سخت اور سنگدل و خودبیں تھا۔ اسکے وزراء کی تنخواہوں میں سے جو پس‌انداز ہوتا تھا اُسکو بھی اینٹھ لیتا تھا اور اسکی دناءت و نالائقی کی وجہ سے ساری دنیا اس سے نفرت کرتی تھی

صرف فقہاء ہی اسکو پسند کرتے تھے اس لیے کہ قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ پرجوش عیسائیوں
نے دین محمدی پر جو توہین کی بوچھاریں کی تھیں ان کا پورا انتقام یہ لیگا۔ گرجے مسمار کردیے گئے
اور ایسی سخت مذہبی تعذیب قائم کی گئی کہ اگرچہ بہت سے عیسائی اُسی وقت مسلمان ہوگئے
تھے جس وقت بشپوں نے باضابطہ طور پر خودکشی کی شہادتوں کو ناجائز ٹھہرایا تھا تاہم اب ورنہ بھی
بہتیروں نے انکی مثال کی پیروی کی اور حقیقت میں بقول یولوجی اس اور الوروکے بڑا گروہ
اپنے قول سے پھر گیا۔ عبدالرحمن اور اسکے وزراء کا یہ حال تھا کہ جب عیسائی بوالفضولی سے
اپنی جانوں پر کھیلنے کو مستعد ہوجاتے تھے تو وہ اغماض کرجاتے تھے۔ اس عاقلانہ و مترحمانہ
حکمت عملی کی جگہ بھی اب بیرحمانہ دباؤ کی حکمت عملی قائم ہوئی۔ اور اس لیے کوئی حیرت کی بات
نہیں ہے کہ لطور قاعدہ کے منافقت کا رواج ہوگیا۔ اس پر بھی فدائیان مذہب کے چھوٹے
سے گروہ کا رسوخ قوی تھا اور اسکا اثر قرطبہ کی سرحدوں سے بہت دور آگے تک پہونچ گیا تھا
طلیطلہ والوں نے یولوجی اس کو اپنے یہاں کا بشپ بنایا، اور جب سلطان نے اپنی منظوری
دینے سے انکار کیا تو وہ جگہ اُسوقت تک خالی رہتے ہوگئی جب تک کہ اس فدائی کو اجازت
نہ ملے۔ دو فرانسیسی رہبان اسلیے قرطبہ آئے تھے کہ ان مقدس شہیدوں کے کچھ تبرکات
حاصل کریں اور ایک تھیلے میں انکی ہڈیاں بھر کر سینٹ جرمین۔ ڈے۔ پرے۔ کو واپس گئے
اور وہاں جاکر یہ ہڈیاں پیرس کے دینداروں کو دکھلائی گئیں۔ لیکن عنقریب فدائیان مذہب
کو اک سخت صدمہ پہونچنے والا تھا۔ وہ یہ تھا کہ ایک اور لڑکی نے یولوجی اس کی اقتداکرنے
کے لیے اپنے والدین کو چھوڑدیا۔ اس دفعہ وہ مقتدی اور اسکا امام دونوں قاضی کے پاس لائے
گئے۔ یولوجی اس صرف مذہب تبدیل کرانے کا مجرم تھا۔ اس سبب سے اسکی شرعی سزا صرف تازیانہ
مارنا ہوسکتی تھی لیکن وہ پادری اس قماش کا آدمی ہی نہ تھا کہ تازیانہ کو برداشت کرسکے۔ گو
وہ اپنے خدا کے سامنے منکسر اور زمانہ تک تکلیفیں اٹھاتا رہا تھا اور ایمان کے خاطر اپنے
جسم پر ہر قسم کا عذاب لینے کو موجود تھا، لیکن وہ اس پر رضامند نہیں ہوسکتا تھا

کر کافر (مسلمان) کے تازیانے کھائے۔ وہ بآواز بلند کہنے لگا کہ "قاضی صاحب! اپنی تلوار کو تیز کیجیے۔ میری روح کو میرے خالق سے ملنے کے لیے بھیج دیجیے۔ لیکن اسکا خیال بھی اپنے دل میں نہ لائیے کہ میں اپنے جسم کو تازیانوں سے زخمی ہونے دونگا"۔ یہ کہکر اسنے محمد اور انکے دین کو برا کہنا شروع کر دیا۔

قاضی اپنی ذات پر یولوجی اس کے ایسے نامی مقتدا کی سزائے موت کا حکم دینے کی جوابدہی نہیں لے سکتا تھا، اسلیے وہ پادری شاہی مجلس شوریٰ کے روبرو حاضر کیا گیا اس جماعت کے ایک شخص نے اسکو سمجھانا شروع کیا اور کہا کہ تم عاقل و عالم آدمی ہو کر اپنی خوشی سے کیوں سر پہ کھیلتے ہو میں سمجھتا تھا کہ ایسا تو حمقاء و مجانین کیا کرتے ہیں مگر تم تو اور ہی قسم کے آدمی ہو۔ مگر سمجھانے سمجھنے کا وقت گزر چکا تھا۔ یولوجی اس اگرچہ خود اپنے آپ کو نمونہ بنانے سے اسکو بہتر سمجھتا تھا کہ لوگوں کو شہید ہونے کی تعلیم دیا کرے لیکن اگر اگر وہ خود زود پہونچکر پسپا ہو جاتا تو اسکی عزت و وقعت کو داغ لگجاتا۔ اسکو ضرور تھا کہ بغیر منہ پھیرے ہوے اخیر تک چلا جائے، گو ناگوار کیوں نہ لگے۔ بالجملہ اسنے اپنے قول سے باز آنے سے انکار کیا اور فوراً مقتل کو پہونچا یا گیا۔ اور اا مارچ ۸۵۹ء کو دلیری و حسن عقیدت کے ساتھ اسکی روح تن سے جدا ہوئی۔ نصرانی شہیدوں کا جب مقتدا اٹھگیا تو سب کے دل چھوٹ گئے۔ اور پھر ہمارے کانوں میں انکی مجنونانہ جاں نثاری کی آوازیں نہیں آئیں۔

باب چھٹا

الخلیفۃ الاعظم

میرے ناظرین شاید مایوس ہو گئے ہوں کہ میں نے ابھی تک صرف گنتی ہی کی بڑی لڑائیاں اور تمام آوری کی کارروائیاں قلمبند کی ہیں اور بجاے اسکے کہ شخصی کارنامے بتاؤں،

میں نے خاصکر اقوام و مذاہب کے بڑے ہنگاموں سے دلچسپی ظاہر کی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس
کتاب کی ابتدا طارق اور اسکے بربریوں کے سخت جنبش ڈالنے والے حملے اور عظیم الشان
فتوحات سے کی گئی ہے جو قصہ اور کہانیاں نہیں بلکہ ویسی ہی یقینی امور ہیں جس طرح انیسویں صدی
کی تواریخ۔ ٹورس کی اہم و فیصلہ کرنیوالی جنگ تو بیان ہوئی گر اسکی تفصیلیں نہیں ملیں جو سب سے زیادہ
دلچسپ و دلکش ثابت ہوتیں۔ اور فرنگیوں سے دوسری لڑائیوں اور روان سے ویلیس کی تباہیوں
کے جو حالات ہیں ان میں افراط کی خرابی ہے۔ کیونکہ یہ واقعات وہمی خیالی باتوں کے اور سری
بالکل گھڑے ہوئے ہیں۔ اس روز سے اس وقت تک سو برس کا زمانہ گزر گیا اور ہم اس
زمانہ میں پہونچے جبکہ یولوجی اس دار الگیا اور اس وجہ سے عیسائی شہیدوں کا زوال ہوا
اور اس ساری صدی میں ان مختلف قوموں اور مذہبوں کے جھگڑوں کے سوا جن سے
جزیرہ نمائے ہسپانیہ کی آبادی مرکب تھی، ہم کچھ نہیں پاتے۔ لیکن با ایں ہمہ عظیم الشان کارنامے
شاذ و نادر ہوتے ہی ہیں۔ اور اکثر تو یہ شعراء کی طبیعت کا نتیجہ ہوتے ہیں جو لڑائی کے اصلی
معمولی سوانح کو خیالی شجاعت و بہادری کے لباس میں جلوہ گر کرتے ہیں اور ایک قوم کا
دوسری قوم سے اور ایک مذہب کا دوسرے مذہب سے باہم جھگڑنا تو ایسا امر ہے کہ جب سے
حضرت انسان پیدا ہوئے ہیں برابر یہ دنیا دیکھتی رہی ہے ہمکو نہیں چاہیے کہ اپنے دلوں
میں یہ خیال آنے دیں کہ ان بڑے بڑے ہنگاموں کی تواریخ اسلیئے غیر دلچسپ ہے کہ اس میں
منفرد اشخاص کی بہادریوں کے کارنامے نہیں ہیں۔ قرطبہ والی شہادت کے قابل افسوس زمانے
میں جو بیشمار مردوں اور عورتوں نے حسن عقیدت سے اس طور پر جانیں گنوائیں کہ کوئی خبر بھی
نہ ہو۔ اُس میں شاید اس سے زیادہ اصلی شجاعت و بہادری پائی جاتی ہے جو اکثر سپاہی میدانِ
جنگ میں ظاہر کیا کرتے ہیں۔ فوری جوش میں بہادر و دلیر ہو جانا اس سے زیادہ آسان ہے
کہ آدمی زمانہ دراز تک قید کی سختیاں مصیبتیں جھیلے اور غیر مغلوب جرأت کے ساتھ قتل کے
دن کی راہیں دیکھتا رہے اور اس ساری مدت میں قوی دل رہے۔ یہ عیسائی شہدا غلط کار

تھے بے وجہ اپنی جانیں معرض تلف میں ڈالتے تھے لیکن جس قدر انکی عقل قابل افسوس ہم اسی قدر انکی جرأت قابل ستایش ہے۔ تلوار اس حالت میں بھی ویسی ہی اعلیٰ بہادری جیسی کسی پسندیدہ امر کے لیے جان فدا کر دینے پر ہوتی۔ یہ وجہ اس باوجود اپنے سارے تعصبات کے سچے نام آور کے کینڈے کا تھا۔ اور ان سارے قومی یا مذہبی بڑے جھگڑوں میں جان نثاری و استقلال کے ایسے بیشمار افعال ہیں کہ گو وہ مورخ کی نظر سے بچ جائیں لیکن انکے لیے بھی اسی قدر استقلال و تحمل کی ضرورت ہوئی ہوگی جس قدر سپاہیوں کی نہایت ہی چمکتی دمکتی بہادریوں کے لیے۔ اکثر بہادری کے چھوٹے ہی کاموں میں بنی نوع انسان کے سخت سے سخت فرائض پائے جاتے ہیں اور جب انسان کی بڑی جماعتوں کے درمیان نزاعیں ہوتی ہیں تو بے انتہا موقعے انکے کام میں لانے کے پیدا ہوتے ہیں۔

کسی ایک شخص کی بہادرانہ وضع کا پتہ لگانا اس سے زیادہ آسان ہے کہ پوری قوم بلکہ ایک شہر کے بھی سب لوگوں کا حال دریافت کیا جائے۔ اور اب ہم ایک ایسے شخص کے اوضاع و اطوار کے قریب آ رہے ہیں جو بادشاہی عظمت کے اس اعلیٰ تصور کے قریب پہونچا تھا جس تک معدودے چند ہی بادشاہ کبھی پہونچے ہونگے۔ اک بڑا بادشاہ اک بڑی ضرورت کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ جب قوم حد درجہ پریشان ہو جاتی ہے، جب زمانہ کے ہر خط و خال سے خرابی کے آثار ٹپکنے لگتے ہیں اور افق پر بربادی کے پرنحوست آثار دکھائی دیتے ہیں تب اک بڑا بادشاہ اسلیے آتا ہے کہ اپنی قوم کو ہلاکت سے بچائے۔ امن و خوشحالی پھیلائے اور اک ایسے ملک پر حکمرانی کرے جو اسکی کوششوں سے دوبارہ خوش و خرم و خوشحال بنگیا ہو۔ دسویں صدی کے آغاز میں اندلس کیلیے ایسے حکمراں کی سخت ضرورت معلوم ہوتی تھی۔ قرطبہ کے عیسائیوں کی مجنونانہ حرکت کے بعد اضلاع کی بغاوت کا ظہور ہوا جو اس سے بھی زیادہ خطرناک اور دور دور پھیلی ہوئی تھی۔ تخت نااہل بادشاہوں کے قبضہ میں تھا کیونکہ منذر ۸۸۶ء میں اپنے باپ محمد کی جگہ پر بیٹھا اور ستبدانہ حکمت عملی سے کام لینے لگا لیکن

۸۸۸ھ میں اسکو قتل کرکے یہ حکمت عملی روک دی گئی اور اسکا بھائی عبداللہ جسنے اس قتل کی ترغیب دی تھی اس قابل نہ تھا کہ .... جس خطرے میں سلطنت پھنسی ہوئی تھی اسکے چند در چند اسباب کو دلیری کے ساتھ دفع کرے۔ اسکی حکمت عملی ٹالے بالے بتانے اور دنیا سازی کرنے کی تھی۔ یہ علی سبیل البدلیة جنگ و صلح کے آثاروں کو آزماتا تھا جسکا معمولی نتیجہ یہی ہوتا تھا کہ دونوں تدبیریں ناکارہ ہوجاتی تھیں۔ اور وہ بذات خود ایسا دنی الطبع، بے رحم، اور ذلیل تھا کہ اسکی مملکت کے کل فرقے اس سے نفرت کرنے اور اسکی حکومت کو بالاے طاق رکھدینے پر یکدل و یکزبان معلوم ہوتے تھے۔ اسکو سلطنت کرتے ہوے تین سال بھی نہیں ہوے تھے کہ اندلس کا بہت بڑا حصہ خود بخود خودمختار ہوگیا۔ سلطنت کے کل مختلف فرقے اب پھر صدر حکومت کی مخالفت میں مستعد و سرگرم ہوگئے۔ ہر ایک امیر یا سردار چاہے وہ عرب ہو یا بربری یا اسپینی، اک بڑے اور کمزور سلطان اور عام طوائف الملوکی کے موقع کو غنیمت جان کر اراضی کے ایک حصہ کو خاص اپنے انتفاع کے لیے دبا بیٹھے اور اپنی بلند فصیلوں کے پیچھے سے سلطان کو نیچا دکھانے لگا۔ پرانے عربی امراء ان عربوں کی اولاد جنھوں نے ہسپانیہ کی فتح کو مکمل کیا تھا معدودے چند اور دوسری قوموں سے تعداد میں کم تھے لیکن اگرچہ لازم تو یہ تھا کہ انکا ضعف انھیں قرطبہ کی عربی سلطنت کا وفادار رکھتا مگر وہ بھی اس سے پھر گئے اور انھوں نے بھی اپنی خودمختار ریاستیں قائم کرلیں خصوصاً اشبیلیہ میں جو قرطبہ کا ہولناک رقیب ہوگیا۔ دوسرے شہروں میں اگرچہ عرب اس قدر زور آور نہ تھے کہ کھلے بندوں سلطان کی مخالفت کرسکیں لیکن وہ بھی صرف برائے نام اطاعت کا دم بھرتے تھے اور لورقا و سرقسطہ کے حاکم حقیقۃً اپنے ضعیف بادشاہ سے بالکل الگ ہوگئے۔ قرطبہ میں تو سلطان کے کرایہ والے سپاہی لوگوں کو اک طرح کی ظاہری اطاعت پر مجبور کرتے تھے مگر اس سے باہر کسی مقام میں عربوں پر بنی امیہ کی قوت کے استحفاظ کا بھروسا نہیں ہوسکتا تھا۔ بربری تعداد میں عربوں سے زیادہ اور ناراضی میں بدرجہ اقل انکے ہم پلہ تھے

ان لوگوں نے حکومت سلطان کی اطاعت کا ادعا بھی بالکل چھوڑ دیا اور اپنا پرانا طریقہ جرگہ کی حکومت کا اختیار کر لیا تھا۔ ہسپانیہ کے مغربی اضلاع مثل اسٹریمیڈورا کے اور پرتگال کے دکھن۔ اب بربریوں کے خود مختارانہ قبضہ میں تھے۔ اور وہ خود اندلس میں مختلف اہم عہدوں پر بھی مامور تھے۔ بربریوں کا وہ خاندان جسکا نام ذوالنون تھا اور جو "اک بڑے بدمعاش اور قابلِ نفرت چوٹٹے" باپ موسیٰ اور اسکے تین بیٹوں سے جو اپنی جسمانی قوت اور عدیم النظیر حیوانیت میں اپنے باپ کے مثنیٰ تھے مرکّب تھا۔ سارے ملک میں قتل و غارت مچائے ہوئے تھا جہاں ان چاروں غولان بیابانی کا غول جاتا تھا آتشزنی، لوٹ، قتل و غارت ساتھ ساتھ چلتی تھی۔

مسلمان اسپینی جنھوں نے اپنے نئے دین کے ساتھ کسی قدر عربی شائستگی سے بھی اپنی زیب و زینت کر لی تھی کسی طرح بربریوں کے ایسے وحشی نہ تھے مگر مرکزی حکومت کی عداوت میں یہ بھی ان سے کم نہ تھے اور اندلس کے اندر بہت سے خود مختار شہر و اضلاع پر یہ بھی قابض تھے۔ واقع میں کل نہایت ہی کار آمد شہر خفیہ یا علانیہ باغی تھے۔ عربی حکّام بربری سردار، اسپینی نو مسلم، سب عبد اللہ کی شاہی حکومت کو اٹھا دینے یا خاطر میں نہ لانے پر متفق تھے۔ اور سب سے بڑا صاحب قوت ابن حفصون نصرانی جسنے غرناطہ کے علاقہ کو کوہستان کو ابھارا تھا اپنے پہاڑی علاقہ میں نہایت ہی بے کھٹکے حکومت کرتا اور آس پاس کے علاقوں میں قانون جاری کرتا تھا۔ سلطان نے باربار اسپر حملے کیے اور ہر مرتبہ شکست کھائی۔ تب وہ اپنی صلح والی بدنام حکمت عملی پر مائل ہوا۔ ابن حفصون نے بھی صرف اسے فریب دینے کے لیے فوراً قبول کر لیا۔ مرشیا یعنی "تھیوڈمیر" کی جگہ ایک نرم دل و تعلیم یافتہ نو مسلم رئیس کی ماتحتی میں خود مختار ہو گئی۔ یہ اپنی رعایا پر عاقلانہ حکومت کرتا تھا اور رعایا اس سے محبت کرتی تھی۔ شاعری پر دلدادہ تو تھا لیکن اک بڑی فوج رکھنے سے بھی غافل نہ تھا جس میں پانچ ہزار فقط سوار تھے۔ طلیطلہ حسب معمول باغی ہو رہا تھا

اور صرف شمال کے عیسائیوں کے حسد اور پھوٹ نے ہت کے ہاتھ سے گئے ہوئے علاقہ کو پھر فتح کر لینے سے باز رکھا۔ اندلس پر اگر کوئی اولوالعزم حملہ آور چڑھائی کرتا تو ٹھیک طور سے اسکی مزاحمت نہیں ہو سکتی تھی اسلیے کہ وہ ایسی بیشمار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا جو کسی ایسی سلطنت کے اجزاء نہیں معلوم ہوتی تھیں جو کبھی زور دار تھی بلکہ زمینداریاں اور فیوڈل بیرنوں کے تعلقے معلوم ہوتی تھیں۔

اس میں شک نہیں کہ ان ساری طوائف الملوکیوں کے درمیان کچھ روشنی کی جھلک بھی تھی۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ مرشیا کے علاقہ پر ایک روشن دماغ دینلو کا رئیس حکمراں تھا۔ کا زلونا کا رئیس بھی شعرا و فنون کی قدردانی میں ممتاز تھا۔ اسکے بڑے کمرے سنگ مرمر کے ستونوں پر استادہ تھے اور دیواریں سنگ مرمر و سونے کی پچے کاریوں سے مزین تھیں اور جتنی چیزیں کہ زندگی کو با مزہ بنا سکتی تھیں سب اسکی محلسرائیں موجود تھیں۔ ابن المجاج وشبلیہ کا عربی بادشاہ بھی (اسلیے کہ وہ کسی طرح بادشاہ سے کم نہ تھا) جس نے سلطان کو اپنے ساتھ صلح کرنے اور دوستی قائم کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اپنے غیر محدود اقتدار کو نہایت ہی شریفانہ طور پر کام میں لاتا تھا۔ اسکے شہر پر قابل مدح حکومت ہوتی تھی۔ امن و امان کا بے خلش دور دورہ تھا۔ اور بدکرداروں کو سخت سزائیں دیجاتی تھیں مگر انصاف کے ساتھ۔ وہ اپنی ریاست کو شہنشاہ کی طرح رکھتا تھا۔ پانچ سو سوار اسکے جلو میں چلتے تھے۔ اور اسکی قبا ئے شاہی زربفت کی ہوتی تھی جس پر اس کا نام و خطاب سونے کے کلابتون سے منقش رہتا تھا۔ سمندر پار کے سلاطین اسکے پاس تحائف بھیجتے تھے۔ مصر سے ریشمی کپڑے، مدینہ سے شرع کے علماء، اور بغداد سے بیمثل گوئیے اسکے پاس آتے تھے خوبصورت خاتون قمر جو حسن صورت، بلاغت کلام اور دلسوز نظم میں شہرۂ آفاق تھی اسکی تعریف میں یوں زمزمہ سنج ہے:-

نیست در مغرب کریمے کز ئے داری چشمہا ؏ جز بہ ابراہیم کو ہم عہد باشد با سخا

سے حاشیہ بر صفحہ آیندہ۔

نزد اودور منزلِ نعمت فرو کش گشتہ ام   غیر آں ہر منزلے زشت ست وپر از عیبہا

خود قرطبہ کے شعرا اسکے زرق برق دربار کی طرف کھنچے جاتے تھے جہاں کی نسبت انھیں یقین تھا کہ ریئسانہ خیر مقدم کیا جائیگا - صرف ایک مرتبہ حجاج کا بیٹا ابراہیم ایک شاعر کے ساتھ کسی قدر کج خلقی سے پیش آیا تھا - یہ شاعر ان لوگوں میں سے تھا جو سمجھتے تھے کہ یہ رئیس امرائے قرطبہ کی ہجو سے خوش ہوگا' اسلیے کہ اشبیلیہ کے حکمرانوں کے خیالات انکی نسبت اچھے نہ تھے۔ ابن حجاج نے کہا کہ " اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ مجھ جیسے کسی آدمی کو ان پاجیانہ بہتانوں کے سننے سے خوشی حاصل ہوگی تو تم یکسر غلط ہو" - باانہمہ تہذیب و شائستگی کی یہ شعاعیں جو چمک اٹھتی تھیں اس طوائف الملوکی کی عام تاریکی کی تلافی نہیں کرسکتی تھیں جسمیں اندلس صدر حکومت کے ضعیف ہوجانے اور مشیلا رچھوٹے چھوٹے حکمرانوں اور رئیسوں کے شاہی علاقوں کو دبا بیٹھنے سے - گھرا ہوا تھا - ملک افسوسناک حالت میں تھا - اور خود قرطبہ پر جسکو اسوقت ابن حفصون اور اسکے جری کوہیوں کے ہاتھوں سے مفتوح ہوجانے کا ڈر لگا تھا غم انگیز اداسی چھائی ہوئی تھی عربی مورخین کہتے ہیں کہ " بغیر اسکے کہ اسکا واقعی محاصرہ کیا جائے وہ شہر خود ہی محاصرہ کی ساری تکلیفیں جھیل رہا تھا - قرطبہ کی حالت سرحدی شہر کی سی ہو گئی تھی کہ دشمنونکے سارے حملوں کا نشانہ بنا ہوا تھا" - دریا کے اس پار سے مصیبت زدہ و پریشان کاشتکار جب ڈاکوؤں کی تلواریں اپنے گلے پر چلتے دیکھکر روتے اور چلّاتے تھے تو بارہا قرطبہ کے باشندے آدھی آدھی راتوں کو اپنی میٹھی نیندوں سے چونک چونک اٹھتے تھے - اسی زمانہ میں ایک چشم دید گواہ نے لکھا تھا کہ " اس سلطنت کی کامل تباہی کے آثار نظر آرہے ہیں - لگاتار مصیبت پر مصیبت چلی آتی ہے - چوری' رہزنی زوروں پر ہے - ہماری بیبیاں اور بچے زبردستی پکڑ کر لونڈی اور غلام بنائے جاتے ہیں"

عہ حاشیہ - نفح الطیب جلد ثانی صفحہ ۱۱۸ میں اصل اشعار یہ ہیں :-

انی المغارب من کریم یرتجی   الا حلیف الجود ابراہیم
انی حللت لدیہ منزل نعمۃ   کل المنازل ماعداہ ذمیم

سلطان کی کاہلی، اُسکی کمزوری، اور اُسکی دناءت سے سارا زمانہ نالاں تھا۔ سپاہی الگ بڑبڑاتے تھے اسلیے کہ اُنھیں تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ اضلاع سے محاصل کا آنا جدا بند ہوگیا تھا۔ اس سبب سے خزانہ خالی پڑا تھا۔ جو کچھ روپیہ سلطان کو قرض کے ذریعہ مل سکتا تھا اُسکو اُسنے معدودے چند عربوں کو رشوت دینے میں صرف کرڈالا تھا جو ابھی تک جھوٹوں یہ ظاہر کرتے تھے کہ اضلاع میں ہم سلطان کی تائید کرتے ہیں۔ اُجڑے ہوے بازار صاف کہ رہے تھے کہ تجارت خاک میں ملگئی۔ روٹی کی قیمت اسقدر گراں ہوگئی تھی کہ عقل میں نہ آئے۔ کسی شخص کو آیندہ پر اعتماد نہ تھا۔ سب لوں پر گہری مایوسی چھائی ہوئی تھی۔ متعصبین جو کل عومی کمبختیوں کو عذاب الٰہی سمجھتے اور ابن حفصون کو قہر الٰہی کا تازیانہ کہتے تھے منحوس پیشینگوئیوں سے شہر پر اور بھی قہر ڈھاتے تھے۔ وہ چلا چلا کر کہتے تھے کہ "دریغا اے قرطبہ دریغا! او قرطبہ تجھپر دریغ ہے۔ تو ناپاکی و تباہی کا بیربالوعہ، مصیبت و تکلیف کا منبع، تو جسکا کوئی دوست ہے نہ آشنا۔ جب وہ امیر لشکر بڑی ناک اور قبیح چہرے والا جسکے آگے مسلمان محافظت کرتے ہیں اور پیچھے بُت پرست۔ یعنی ابن حفصون تیرے پھاٹکوں کے سامنے آموجود ہوگا اُس وقت تیری منحوس تقدیر کا فیصلہ ہوجائیگا!" ۔ جس وقت اس خلافت کی نزع کی حالت شروع ہوئی تو اسنے سنبھالا لیا اور دارالخلافت کے رہنے والوں کو اُمید کے بُجھتے ہوے چراغ میں جھلملاہٹ سی معلوم ہوئی۔ عبداللہ نے جو ویسا ہی نا اُمید ہو رہا تھا جیسی اسکی رعایا۔ دل توڑ کر ایک جرأت کی حکمت عملی امتحاناً اختیار کی اور باوجود اسکے کہ اُسکے پیرووں نے اُسکو بدل بھی کیا اور وجود دشمن کہ ہر طرف سے اُسے گھیرے ہوے تھے اُنکی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اُس نے چند مفید باتیں کرہی چھوڑیں اور پھر جہانتک اُسکے امکان میں تھا ملک کی بھلائی کی کوشش کی اور ۱۵ اکتوبر سنہ ۹۱۲ء کو اڑسٹھ برس کی عمر میں چوبیس سال کی ناخوش و تیرہ سلطنت کے بعد تمام قصوں جھگڑوں سے پاک ہوگیا۔ لیکن اُسکے جانشین کے ایام حکومت میں دفعتہً پہلی ضائع شدہ قوت کا تکمیل کے ساتھ واپس آنا مقدر تھا۔

یہ نیا سلطان عبدالرحمٰن ثالث عبداللہ کا پوتا تھا۔ اسکی عمر صرف چوبیس سال کی تھی جب یہ مسند خلافت پر بیٹھا تھا۔ اور اُسکے بہت سے چچا اور رشتہ دار ایسے تھے جنسے یہ اُمید ہوسکتی تھی کہ ایسی مصیبت کے زمانہ میں ایک محض نوجوان شخص کی جانشینی کی ضرور مخالفت کرینگے۔ مگر کسی شخص نے چون وچرا نہ کی۔ بلکہ برعکس اسکے اسکی مسندنشینی پر چاروں طرف سے اطمینان کے ساتھ صدائے مبارکباد بلند ہوئی۔ یہ نوجوان شہزادہ پہلے ہی عوام الناس وارکان دولت کے دلوں پر قبضہ کرچکا تھا۔ اسکی دلکش ادا اور شاہانہ اکڑ تکڑ نے جسکے ساتھ نادرالوجود جوش خلقی اور سلسلہ وماغی قوتیں ملی ہوئی تھیں اسکو عام طور پر نیکنام بنا دیا اور قرطبہ والے کہ اسکی رعایا میں گویا صرف یہی رہ گئے تھے پھر نئی امیدوں کے ساتھ اس نئے سلطان کی پہلی کارروائیوں کو دیدے گڑو کر دیکھنے لگے۔ عبدالرحمٰن نے اپنے ارادوں پر پردہ ڈالنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس نے ایک دم سے ہمیشہ کیلیے اپنے دادا کی حکمت عملی کو خیرباد کہا جس نے کبھی تو ضعف اور کبھی بیرحمی کی وجہ سے سلطنت کو ایسا کچھ ضرر پہونچایا تھا اور اُسکی جگہ میں اُسنے اعلان کردیا کہ میں اسکو جائز نہیں رکھونگا کہ اس ساری مملکت کے اندر کسی قسم کی نافرمانی بنی امیہ کی کیجائے۔ اسنے نارمن امرا اور روسا کو طلب کیا کہ میری حکومت کی اطاعت قبول کرو۔ اور اُسنے واضح طور پر لوگوں کو سمجھنے دیا کہ وہ اپنی سلطنت کا کوئی جزو باغیوں کے اختیار واقتدار میں نہ رہنے دیگا۔ یہ تدبیر اسقدر دلیرانہ تھی کہ جو لوگ سب سے زیادہ امیدوں سے بھرے ہوئے تھے اُنکے دل بھی دھڑکنے لگے۔ بلکہ ہر طرح سے گمان غالب یہی تھا کہ اس سے تو کل حصوں کے سارے باغی باہم ملکر ایک بڑا جتھا قائم کرکے اس نڈر نوجوان شہزادہ کو میں ڈالینگے۔ لیکن عبدالرحمٰن تو اپنے ملک والوں سے واقف تھا اور اسکی دلیری علاوہ بنیاد پر قائم تھی۔ تقریبًا ایک نسل گزر چکی تھی جب سے ابن حفصنوں اور دوسرے باغیوں نے علم سرکشی بلند کررکھا تھا اور ہر شخص حس کرنیلگا تھا کہ بغاوت وسرکشی جتنی ہوسکتی تھی وہ ہوچکی۔ وہ ابتدائی جوش جسنے اسپینی مسلمان اور عیسائی کو یکساں طور پر اُبھار کر قومی آزادی کیلیے لڑنے پر آمادہ کیا تھا

اب ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ اسلیے کہ ایسے جوش کبھی دیر پا نہیں ہوتے ہیں تاوقتیکہ پہلے ہی جوش کی فوری گرمی
میں مکمل کامیابی حاصل نہ کر لیجائے۔ جو سرغنہ تھے وہ یا تو مر چکے تھے یا بوڑھے ہوگئے تھے اور اُنکے
پیرووں پر اطمینان و امان کی حالت طاری ہوگئی تھی۔ لوگوں کے دلوں میں خود بخود یہ سوال پیدا
ہونے لگا تھا کہ ہاتھ اس واقعہ سے کیا آیا؟ یہ سب انقلابات جو ہوئے اُنسے کون سی
خوبیاں پیدا ہوئیں جو ان لوگوں نے اندلس کو کافروں سے چھڑایا نہیں بلکہ کافرونکی نجاست
کے بدترین لوگوں کے پنجوں میں یعنی ڈاکو سرداروں اور نہایت ہی بدمعاش اُٹھائی گیروں کے ہاتھوں
میں پھنسا دیا۔ ملک کو اس سرے سے لیکر اُس سرے تک لیٹروں کے غولوں نے غارت کر دیا تھا
جنھوں نے جُتے ہوئے کھیتوں اور ہرے بھرے تاکستانوں کو ویران کر دیا اور زمین کو سنسان
بیابان بنا دیا۔ لوٹ کی زبردستی سے ہر شے بہتر معلوم ہوتی تھی۔ سلطان قرطبہ معاملات کو اس
سے اور کیا بدتر بنا سکتا تھا۔ اور عام میلان یہی تھا کہ دیکھیں سلطان ان خرابیوں کو رفع کر سکتا ہے
یا نہیں۔ اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب عبد الرحمٰن نے باغی علاقوں پر فوج کشیاں شروع کیں
تو باغیوں کو اطاعت قبول کرنے پر آدھے سے زیادہ رضامند پایا۔ اس کے سپاہی اپنے
بہادر نوجوان بادشاہ کو اپنے سروں پر دیکھ کر پھولوں نہیں سماتے تھے اور جوشوں میں
بھرے ہوئے تھے۔ اسلیے کہ بہت برسوں سے عبد اللہ کے ہاتھوں اُنھیں یہ دولت نصیب
نہیں ہوئی تھی۔ باغیوں نے جو اپنی طوائف الملوکی کی حالت سے تنگ ہو گئے تھے صرف
ایک دکھلاوے کی مزاحمت کے بعد دروازے کھولدیے۔ یکے بعد دیگرے اندلس کے بڑے
شہروں نے سلطان کو اپنی دیواروں کے اندر بلا لیا۔ سب سے پہلے اُس علاقہ نے اطاعت قبول
کی جو قرطبہ کے جنوب میں ہے۔ پھر اشبیلیہ نے اپنے دروازے کھولدیے۔ جیئم کے بربری سر کیے گئے
اور الغرب کا رئیس خود خراج دینے کو دوڑا آیا۔ اسکے بعد سلطان ضلع رگیو کے عیسائیوں
کے مقابلہ کیلیے آگے بڑھا یہاں تیس سال سے پہاڑی مورچے ابن حفصون کی نذر رعایا کو
بچائے ہوئے تھے اور جسکی نسبت عبد الرحمٰن سے بہتر کسیکو علم نہ تھا کہ جلدی فتح نہیں ہو سکیں گے

اسپر بھی درجہ بدرجہ یہ علاقہ بھی زیر ہوا۔ سلطان کی ایسی محتاطانہ انصاف پسندی و خود داری دیکھ کر کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں بھی اپنے عہدناموں پر کامل ایمان کے ساتھ قائم رہتا ہے، اور جو لوگ اسکی اطاعت قبول کر لیتے ہیں اُنپر حد درجے کا رحم ظاہر کرتا ہے ایک قلعہ کے بعد دوسرا برابر تابع فرمان ہوتا چلا گیا۔ ابن حفصون بذاتِ خود اپنے پہاڑی مأمن میں ہمیشہ کی طرح غیر مفتوح و سرکش ہی رہا۔ لیکن بوڑھا ہو گیا تھا، موت نے جلد اُسکو وہاں سے ہٹا لیا۔ اسکے بعد سلطان کے سپاہیوں کو خود بوباسٹر کے اندر بھی گھس جانے کیلیے صرف تھوڑی سی مہلت درکار تھی اور کچھ بھی نہیں۔ اور جب آخر کو سلطان وہن ہیبتناک قلعہ کی فصیلوں پر چڑھا اور اسنے دماغ کو چکر لانیوالی بلندی سے پہاڑ کے اُن ٹیلے اور ٹیکروں پر نظر ڈالی جو اس قلعہ کو جسے مرکز بغاوت کہنا چاہیئے دائرہ کی طرح ہر طرف سے گھیرے ہوے تھے تو اُسکا دل بھر آیا اور اس عظیم الشان فتح پر خداے قادر کا شکر بجا لانے کو سجدہ میں گر پڑا۔ اسکے بعد وہ مہربانی و معافی کے کاموں کی طرف متوجہ ہوا۔ اور جبتک اس قلعہ میں رہا خلوص سے خدا کیلیے روزے رکھتا رہا۔ مرشیہ نے بھی اسوقت آکر سلطان کی اطاعت قبول کر لی اور صرف طلیطلہ غیر مغلوب باقی رہ گیا۔ ہٹیلیں پر کے اس متمرد شہر نے گستاخی کے ساتھ اس معافی نامہ کو نامنظور کیا اور بھروسے کے ساتھ محاصرہ کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن اب اسکو اور طرح کے حملہ آور سے سابقہ پڑا تھا۔ یہ اُن کمزور دل کے سپہ سالاروں کا سا نہ تھا جنھوں نے وقتاً فوقتاً اس شاہانہ شہر کی دیواروں کے نیچے ذلتیں اُٹھائی تھیں۔ اس شہر کے محافظوں پر یہ امر ثابت کرنے کے لیے کہ میرا محاصرہ کوئی عارضی دھمکی نہیں ہے، سلطان نے عجلت کے ساتھ ایک چھوٹا سا شہر سامنے والے پہاڑ پر تعمیر کر ڈالا جسکا نام اُس نے مدینۃ الفتح رکھا۔ اور وہاں اُسنے اطمینان و تسکین کے ساتھ نتیجہ کے انتظار میں بود و باش اختیار کی۔ آخر کال سے مجبور ہو کر اُس شہر نے اطاعت قبول کر لی اور عبدالرحمن ثالث اس مملکت کے اخیر ماوی و ملجاے بغاوت کے اندر داخل ہوا جو اُسے

وراثۃً اپنے ہمنام عبد الرحمن اول سے ملی تھی اور جو اب ایک مرتبہ پھر (۹۲۸ء میں) اپنی پوری وسعت کو پہونچگئی۔ سلطنت کے جتنے حصے اسکے اسلاف نے کھوئے تھے اُنکے پھر حاصل کرنے میں اٹھارہ برس صرف ہوے لیکن یہ کام پورا ہوا اور شاہی اقتدار مضبوطی کے ساتھ عربوں، بربریوں، اسپینیوں، مسلمانوں اور عیسائیوں پر یکساں قائم ہوگیا۔ اسکے بعد سے عبد الرحمن نے کسی فریق کو خاص فوقیت حاصل نہ کرنے دی۔ اسنے شُہلاے عربی امرا کو سخت دباؤ میں رکھا۔ اور اسپینی جنکو یہ لوگ ہمیشہ ذلیل و خوار سمجھتے تھے اپنے دبانے والوں کو دبتے ہوے دیکھ کر خوش ہوے۔ اب سے ممالک محروسہ کے اندر صرف سلطان ہی کی حکومت رہی۔ لیکن اُسکی حکومت منصفانہ، مہذبانہ اور غیر متعصبانہ تھی۔ اتنے برسوں کی بدنظمی و طوائف الملوکی کے بعد لوگوں نے اس نئی جبریہ حکومت کو خوشی کے ساتھ قبول کرلیا۔ اب اُن راہزنوں کا نشان بھی نہ تھا جو زراعتوں اور نخلستانوں کو برباد کیا کرتے تھے۔ اور اگر سلطان کا اقتدار غیر محدود تھا بھی تو وہ انہیں بری طرح کام میں بھی نہیں لاتا تھا۔ دیہات کے لوگ پھر امن و بہبات کی راہوں پر لگ گئے اور بالکل آزاد ہوگئے کہ جس طرح چاہیں مال جمع کریں اور خوشیاں منائیں۔

ساتواں باب

جہاد

عبد الرحمن ثالث کا اصول حکمرانی یہ تھا کہ شاہی اقتدار تمامہ خود اُسکے ہاتھ میں رہے اور مملکت کا انتظام ایسے عہدہ داروں کے ذریعہ سے کرے جنکا عروج تمام تر کمال اُسی کی عنایت کا ثمرہ ہو۔ سب سے بڑھکر اُسنے اسکی احتیاط کی تھی کہ قدیم امراے عرب کے ہاتھوں میں جنھوں نے اگلے بادشاہوں کے ساتھ ایسا برا سلوک کیا تھا کچھ اقتدار باقی نہ رہے

جن لوگوں کو اس نے اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا تھا وہ نو دولت اور رذیل النسب تھے جو اس سبب سے اور بھی اپنے آقا کے جاں نثار رہتے تھے کہ اگر وہ نہ ہو تو قدیم عرب کے خاندان انھیں پامال ہی کر چھوڑیں۔ صدر حکومت کو قائم رکھنے کے لیے اس نے ایک بڑی جرار فوج تیار رکھی تھی جسکے افسر اُسکے منتخب باڈی گارڈ کے غلام یعنی زر خرید غیر ملکی تھے۔ یہ غلام اصل میں تو اسلیو و نین[عہ] تھے لیکن رفتہ رفتہ ان میں فرنیک[عہ] جلیقیہ والے لومبارڈ[عہ] اور سب قسم کے لوگ شامل ہوتے گئے جنکو یونان و وینس کے تاجر اندلس لے آتے اور کمسنی ہی میں سلطان کے ہاتھ بیچ ڈالتے تھے اور جنکی تعلیم و تربیت مسلمانوں کی طرح ہوتی تھی۔ ان میں سے بہتیرے اعلیٰ درجہ کے تعلیمیافتہ اور فطرتی طور پر اپنے آقا کے جاں نثار تھے۔ یہ بہت سی باتوں میں مملوکوں کے اُن رسالوں کے مشابہ تھے جنکو صلاح الدین کے جانشینوں نے مصر میں باڈی گارڈ بنایا اور جو بعد کو ایسے نامور ہوے کہ مصر و شام کے سلطان ہو گئے۔ اسی زر خرید ترکی و سرکیشین غلاموں کی جماعت کی طرح خود اُنکے پاس بھی اپنے غلام تھے اور انھیں بھی سلطان کی طرف سے جاگیریں ملتی تھیں۔ اور ایک قسم کے فیوڈل زمیندار تھے اور خود اپنے ماتحتوں کے سرگروہ بنکر اپنے بادشاہ کا حکم بجا لانے کو مستعد رہتے تھے۔ جب کبھی اسکی طرف سے طلبی ہوتی تھی۔ اور مصری ہی مملوکوں کی طرح تھوڑے عرصے کے بعد یہ بھی اسقدر سر چڑھ گئے کہ جب عبد الرحمن ثالث اور اُسکے جانشین کی وفات کے بعد صدر حکومت میں زوال آیا تو ان لوگوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر خود اپنے خود مختار خاندان قائم کر لیے اور اسپین سے اسلامی سلطنت کو قطعی طور پر اکھاڑ پھینکنے میں گویا شریک ہوے۔

عہ اسلووینیا یعنی پولینڈ کے قدیم باشندے ۱۲

عہ ترک اور دوسرے مشرقی لوگ انگریز و فرانسیسی و اطالیہ والوں کو کہتے ہیں۔ اور فرنیک اُن قدیم جرمنوں کو بھی کہتے ہیں جنھوں نے فرانس کو فتح کیا اور وہیں بود و باش اختیار کی تھی اور فرانسیسی کو بھی کہتے ہیں۔ ۱۲

عہ لومبارڈی واقع اطالیہ کے رہنے والے ۔ ۱۲

اپنے غلاموں کی مدد سے سلطان نے نہ صرف یہی کیا کہ اسپین سے غارت و بغاوت
کو رفع دفع کیا بلکہ شمال کے عیسائیوں سے نمایاں کامیابی کے ساتھ لڑائیاں بھی لڑیں۔ یہ
اسلامی سلطنت اندرونی طوائف الملوکی کے علاوہ اور خطروں میں بھی مبتلا تھی۔ یہ دو دھمکانے
والی اور جنگجو سلطنتوں کے بیچ میں تھی۔ جن میں سے ہر ایک کو بیدار مغزی کے ساتھ روکنے
کی ضرورت تھی۔ جنوب کی طرف خلفائے فاطمین کی سلطنت تھی جو نئی نئی شمالی افریقیہ میں
قائم ہوئی اور ہمیشہ آنکھیں دکھایا کرتی تھی۔ یہ امر فطرتی تھا کہ ساحل بربر کے حکمرانوں کو یہ بات
یاد آتی ہوگی کہ ہم سے پہلے عربوں نے افریقیہ ہی کو اسپین پہونچنے کا زینہ بنایا تھا۔ افریقیہ کے
حکمرانوں کی قدیم سے یہ حکمت عملی چلی آتی تھی کہ اگر ممکن ہو تو اندلس کے خوبصورت اضلاع
الحاق کر لیے جائیں۔ سلطان نے صرف مذہبی تفرقہ کو جسنے افریقیہ کے بربریوں کے آپس میں
پھوٹ ڈال دیا تھا اور اسکی وجہ سے جو ہنگامے برپا ہوے اُسکو اپنی کارروائی کی بنیاد قرار
دیکر فاطمیوں کو دور باش کہا اور پاس پھٹکنے نہ دیا۔ بلکہ اُسنے یہاں تک کامیابی حاصل کی کہ
ایک زمانہ میں ساحل بربر کے ایک بڑے حصہ نے اندلس کے حکمراں کی اطاعت قبول
کرلی اور سبتہ کا مستحکم بالشان قلعہ بھی اُسی کے قبضہ میں آگیا۔ اندلس کی آمدنی کا بڑا حصہ
جہازوں کے ایک شاندار بیڑے کی تیاری میں صرف ہوا کیا۔ عبدالرحمٰن اس بیڑے کے ذریعہ
سے بحر الروم کی حکومت کے لیے فاطمیوں سے مقابلہ کرتا تھا۔

اسکے مقابل جانب شمال کی طرف اسلامی سلطنت کو اس سے بھی زیادہ مخوف دشمن
سے سابقہ تھا۔ اسچوریاز کے عیسائی ابتدا میں تو بہت ہی تھوڑے سے تھے لیکن اب تو اُنکی
تعداد میں روز افزوں ترقی تھی اور یہ برانگیختہ کرنے والا خیال اُنکے لیے مہمیز کا کام کرتا تھا
کہ ہم خود اپنے ملک کو پھر فتح کرنا چاہتے ہیں۔ جب پہلے پہل اُنکو اسلامی حملہ کا صدمہ پہونچا
تھا تو اُنکی تباہی و بربادی تکمیل کو پہونچ گئی تھی۔ یہ سب اسچوریاز کے پہاڑوں میں بھاگ گئے
تھے جہاں اُنکی تعداد کی قلت اور اُنکے ماویٰ و مسکن میں پہونچنے کی سخت دقت نے مسلمانوں

کے حملے سے محفوظ رکھا۔ پیلیے جی اس کے ساتھ جسکا نام آسلیے ہیں" بوڑھا پلیے او" ہے۔
صرف تیس مرد اور دس عورتیں کو دے ڈونگا کے غار میں جو عیسائیان قوط کا امن بنگیا
گئی تھیں۔ اور سمر یون نے اُسوقت مناسب نہیں سمجھا کہ مفروروں کے ان معدود سے چند
پناہ گزینوں کا پیچھا کریں۔ یہاں اس غار کی کوٹھریوں میں سے جسکی راہ اک طویل و تنگ
کوہی درے میں ہو کر تھی اور جسکے اندر نوٹے درجے کی سیڑھی پر چڑھکر جانا پڑتا تھا۔
تھوڑے سے آدمی اک فوج کو دھتا بتا سکتے ہیں۔
عربی مورخ اس عیسائی سلطنت کی ابتداء کو اس طرح حقارت کے ساتھ بیان کرتا ہے
"عنبسہ (ابن سحیم الکلبی) کے زمانہ میں ایک خبیث وحشی نے جسکا نام بلائی (پلیو) تھا
ارض جلیقیہ (گلیشیا) میں سر اُٹھایا اور اپنے ہموطنوں کو اُنکی شرمناک اطاعت اور اُنکے بزدلانہ
فرار کی وجہ سے ملامت کرکے اُنھیں بھڑکانا شروع کیا کہ اپنی گذشتہ ہزیمتوں کا بدلہ لیں اور
اپنے آبا و اجداد کی زمین سے مسلمانوں کو نکال دیں۔ اُسی وقت سے اندلس کے عیسائیوں
نے مسلمانوں کے حملوں کی مزاحمت شروع کی جو ایسے اضلاع پر ہوا کرتے تھے جو اُنکے قبضہ
میں رہگئے تھے۔ اور اپنی بیبیوں اور بیٹیوں کی حفاظت کرنے لگے۔ اس بغاوت کی ابتدا
اس طرح ہوئی کہ جلیقیہ (گلیشیا) میں کوئی شہر قصبہ یا گاؤں ایسا نہ رہا جو مسلمانوں کے ہاتھ میں
نہ ہو باستثنائے اک دشوار گزار پہاڑ کے جہاں اس پلیو نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ
پناہ لی۔ یہاں اسکے ساتھی بھوکوں مرنے لگے۔ یہاں تک کہ کل تیس مرد اور دس عورتیں باقی
رہ گئیں اس لیے کہ وہاں اُنکی زندگی کا سہارا شہد کے سوا کچھ نہ تھا جسکو وہ چٹانوں کے شگافوں
میں سے ڈھونڈھ کر جمع کرتے تھے اور خود اُن چٹانوں کے بیچ مکھیوں کی طرح ہلتے تھے لیکن رفتہ رفتہ
پلیو اور اسکے آدمی اُس پہاڑ کے دروں میں قلعہ بند ہوتے چلے گئے۔ یہانتک کہ مسلمانوں کو
اُنکی تیاریوں کا حال معلوم ہوا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ اُنکی تعداد بہت تھوڑی ہے مسلمان اُس

عہ ابن حیان۔ جسکو مقری نے جلد ۲ صفحہ ۲۲ مطبوعہ مصر میں نقل کیا ہے۔

مشورے کو خیال میں بھی نہ لائے جو انھیں دیا گیا تھا اور یہ کہا کہ "تیس ۳۰ جنگلیوں کی بھی کوئی حقیقت ہے، وہ خود ہی مرجا دیں گے" اک دوسرا مورخ کہتا ہے "کہیں خدا یہ کرتا کہ مسلمان اُسی وقت اُس آگ کی چنگاریوں کو بجھا ڈالتے جس نے آخر کو اُن حصوں میں اسلام کی ساری سلطنت کو خاک کر دیا!"

مفروروں کے اس چھوٹے سے گروہ میں وقتاً فوقتاً نئے لوگوں کا اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ اور آہستہ آہستہ ان لوگوں نے اپنی بڑھی ہوئی تعداد پر زیادہ تکیہ کرکے بربریوں کو جو سرحد پر کے باشندے تھے دق کرنا شروع کیا۔ آخر مسلمان اسپر مجبور ہوئے کہ ان شورہ ہنگامہ مچانے والوں کی انکے غاروں ہی میں جاکر خبر لیں۔ مگر نتیجہ اچھا نہیں نکلا اس لیے کہ مسلمان ابتر و منتشر ہوکر سخت نقصان کے ساتھ پسپا کر دیے گئے۔ ۷۵۰ء میں کینٹبریا (جہاں مسلمان کبھی نہیں گئے تھے) کے رہنے والے الفانسو (اذفونش) نے اس وجہ سے کہ اس نے پلیو (بلائی) کی بیٹی سے بیاہ کرکے عیسائی قوتوں کو باہم ملایا تھا شمالی اضلاع کو مسلمانوں کے خلاف میں اُبھارا۔ اور مغرب کے جلیقیوں کے ساتھ ملکر پُرشوکت جنگوں کا آغاز کیا جسکی وجہ سے دشمن قدم بقدم جنوب کی طرف دبتے گئے۔ یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے یہ سب شہر برجہ (بریگا)۔ (پورٹو)۔ استرق (اسٹورگا) لیون (زمورا) (لیڈسما) (سلیمنکا) (سلڈانا) (سیگوویا) (آویلا) اسما (آوسما) (میرنڈا) مسلمانوں کے قبضہ سے نکال دیئے گئے اور اب عیسائی سرحد صحرائے اعظم تک پہونچ گئی اور (کوامبرا) (کوریا) (تلیورا) طلیطلہ وادی عذراء (ٹیوڈیلا) اور (پیپلونا) مسلمانوں کے سرحدی قلعے رہ گئے۔

الفانسو (اذفونش) نے حقیقت میں قدیم قشتالہ۔ لیون۔ استوریا اور جلیقیہ کے اضلاع مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لیے تھے لیکن عیسائیوں کی متفرق جماعت کے پاس نہ روپے تھے نہ مزدوری۔ جسکے ذریعہ سے ایسے وسیع رقبہ میں قلعے تعمیر کراتے اور کھیتوں میں زراعت کرتے۔ ان لوگوں نے اسی پر قناعت کی کہ [illegible] سے لڑائی لڑیں اور

مسلمانوں کے درمیان متنازعہ فیہ چھوڑ دیں۔ اور اُس ضلع میں الگ ہو بیٹھیں جو خلیج بسکے کے کنارے پر ہے اور اُس وقت کے منتظر ہیں جب اُنکی تعداد اس قدر وسیع رقبہ پر قابض ہونے کے قابل ہو جائے۔

نویں صدی میں اُنکی ایسی حالت ہوئی کہ اُس علاقے کی طرف بڑھ آئیں جس کا ایک جزو وہ مسلمانوں کے قبضہ سے پہلے ہی نکال چکے تھے۔ یہ لوگ لیون کے علاقے میں پھیل گئے اور زیمورا۔ سان ایسٹرن ڈی گا رمز۔ آسما۔ اور سیمنکا نز کے قلعے دشمن کو آنکھیں دکھانے کے لیے تعمیر کیے۔ اب متنازعہ فیہ زمین پہلے سے بہت تنگ رہ گئی۔ اور سرحد پر مختلف مقاموں میں مخالف فوجوں سے مقابلہ ہونے لگا۔ دسویں صدی کے آغاز میں سرحد کے مسلمانوں نے اپنے قبضہ سے نکلے ہوئے علاقوں کو واپس لینے کے لیے اک سخت جد وجہد کی۔ لیکن عیسائیوں نے طلیطلہ کے لوگوں اور النوار کے بادشاہ سینکو کی مدد سے جو شمال میں عیسائیت کا حصار بنگیا تھا مسلمانوں کو سخت شکست دی اور سرحد پر کے ملک کو لوٹنا اور برباد کرنا شروع کر دیا۔ عیسائیوں کے یہ ہنگامے جنپر ہوتے تھے اُنکے لیے سخت عذاب کا سامنا تھا۔ اس لیے کہ وہ کندہ ناتراش و جاہل تھے اور ان میں معدودے چند ہی ایسے تھے جو کچھ پڑھ سکتے تھے۔ اور جیسی اُنکی تعلیم تھی ویسے ہی اُنکے اطوار بھی تھے۔ اور اُنکا مذہبی جنون اور اُن کی سنگدلی ویسی ہی تھی جسکی ایسے جنگلیوں سے امید کی جا سکتی تھی۔ لیون کے سپاہی شاذ ونادر ہی کسی نہتے دشمن کو اپنے پاس جگہ دیتے تھے اور عربوں کے شایستہ مردانہ پن اور بے تعصبی کا اُن میں کہیں پتہ تک نہ تھا۔ جہاں یہ شریفانہ طور پر امان دیتے تھے۔ لیون اور قشتالہ کے اکھڑ لوٹیرے سارے قلعہ داروں اور باشندوں سے بھرے ہوئے شہروں میں قتل عام کرتے تھے اور جنکو وہ قتل نہیں کرتے تھے اونھیں غلام و لونڈی بناتے تھے۔

عبد الرحمٰن ثالث کو تخت پر بیٹھے ہوئے دو برس بھی نہیں ہوئے تھے کہ لیون کا رہنے والا اُرڈونو ثانی میریڈا کی دیواروں تک لوٹ مار کرتا ہوا پہونچ گیا۔ اور بید بجاز

کے آدمی اس قدر خوف زدہ ہوگئے کہ روپے دیکر اُسکو راضی کرنے کو دوڑے - یہ شہر قرطبہ سے کچھ دور نہیں ہیں - صرف صحرائے مورینا کی بڑی بڑی بلندیاں امویوں کے دار الخلافت کو آرڈونو کے ہمراہی غولوں سے جدا کیے ہوئے تھیں یہ حالت پُر از خطرہ تھی - نوجوان سلطان اگر نامرد ہوتا تو وہ یہ عذر کر دیتا کہ ابھی فوراً نہیں لڑ سکتا ہوں اس لیے کہ میریڈا نے ابھی تک میری حکومت ہی تسلیم نہیں کی ہے اور اگر عیسائیوں نے باغی اضلاع کو لوٹا مارا ہے تو مجھے کیا کام ہے - مگر عبد الرحمٰن کی یہ حکمت عملی نہ تھی نہ اُسکا ایسا مزاج تھا - اُس نے اپنے سپاہیوں کو جمع کیا اور شمال کی طرف مہم روانہ کی جس نے عیسائیوں کے علاقوں میں کامیابی کے ساتھ حملے کیے اور دوسرے سال ۹۱۷ء میں اُس نے ایک دوسرے حملے کا حکم دیا اس کو آرڈونو نے سین اسٹیون ڈی گورمز کی دیواروں کے سامنے سخت نقصان کے ساتھ شکست دی اور بہادر عرب سپہ سالار نے یہ دیکھکر کہ میدان ہاتھ سے گیا اپنے آپ کو دشمنوں کے گروہ میں ڈال دیا - اور تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے جان دیدی - لیون کے بادشاہ میں ایسی قابل افسوس نامردی تھی کہ اس بہادر سپاہی کے سر کو ایک سُور کے سر کے بازو میں قلعہ کے پھاٹک پر میخوں سے جڑوا دیا اس کامیابی سے دلیر ہوکر لیون اور النوار کی فوجوں نے دوسرے سال ٹیوڈیلا کے آس پاس کے مُلکوں کو تباہ کیا لیکن پہلی سی بیباکی کے ساتھ نہیں - اس لیے کہ قرطبہ کے سپاہیوں نے دو مرتبہ اُنھیں شکستیں دی تھیں - لیکن عبد الرحمٰن نے جب یہ دیکھا کہ عیسائیوں کے دبانے میں خود بھی شکستیں کھانا پڑتی ہیں تو اُس نے زیادہ سخت تدبیروں کی ٹھانی - ۹۲۰ء میں فوج کی سپہ سالاری اپنے ہاتھ میں لی اور سخت دھاووں اور عاقلانہ حیلوں سے دفعۃً آسمان جا دھمکا اور اُس قلعہ کو زمین کے برابر کر دیا - سین اسٹیون کو جسے اُسکے قلعدار چھوڑ کر چلدیے تھے تباہ کر دیا اور اسکے بعد النوار کی طرف متوجہ ہوا - دوبار اس نے سینکو کو میدان جنگ سے باہر نکال دیا اور جب النوار کی فوجوں کو لیون کی فوجوں نے کمک دی اور عیسائیوں کو عمدہ ترین قدرتی مورچہ ہاتھ لگا تو سلطان ویل ڈی جنکیراس (نیزہ قلم کے درہ) میں اُن سے لڑائی لڑا اور

اُنکی منتفقہ صفوں کو کامل شکست دی ۔ سرحد والوں کی باصرار مزاحمت سے طیش میں آ کر مسلمانوں نے نیوزکے قلعہ داروں کو تہِ تیغ کیا اور شومیِ بخت سے یہ واقعہ سچا ہے کہ ان لڑائیوں میں سے بعض میں مسلمانوں نے بھی اپنے دشمنوں کے جنگلی پن کا چربہ اُتارا ۔ خاصکر جبکہ اُنکے سپاہیوں میں افریقیہ کے سپاہی مل گئے جو مشہور جنگلی تھے ۔

ان شکست کھائے ہوئے عیسائیوں کا بہادرانہ استقلال بےنظیر تھا ۔ یہ جنگلی تو تھے مگر اُنمیں آدمیوں کی سی جرأت تھی ۔ بار بار شکست کھا کر مصیبت سے تازہ دم ہو کر پھر اُٹھ کھڑے ہوتے تھے ۔ اُسی سال جس سال ویل ڈی جنکیرس (نیزۂ قلم کے درہ) میں وہ سنگین جنگ ہوئی تھی ۔ شکست کے بعد آرڈونو نے جو عیسائیوں کے استقلال کی روح تھا اپنے سپاہیوں کے ساتھ سرحد پر ایک اور ہنگامہ برپا کیا اور ۹۲۳ء میں النوار والے سینکو نے جو اُس سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا تھا بعض مضبوط قلعوں کو پھر چھین لیا ۔ سلطان کو ان حرکتوں پر پھر طیش آیا اور سخت کارروائی کے ارادے سے شمال کی طرف روانہ ہوا ۔ جو کچھ راستہ میں سامنے آتا گیا سب کو جلاتا اور برباد کرتا چلا گیا اور اسقدر اسکا خوف غالب ہو گیا کہ اسکے قریب آنے کی خبر سنکر شہر کے شہر خالی ہو جاتے تھے ۔ اور وہ پیلونا کے دارالسلطنۃ میں جسکو باشندوں نے سلطان کی آمد کی خبر سنکر خالی کر دیا تھا داخل ہوا اور سلطان کے قریب پہونچتے ہی سینکو گھبراکر وہاں سے بھاگ گیا ۔ کتھیڈرل (علاقہ کا بڑا گرجا ۔ بمنزلہ پایہ تخت کے) اور دارالسلطنۃ کے بہت سے مکان بےرحمی کے ساتھ ڈھا دیے گئے ۔ اور النوار اُسکے قدموں کے نیچے آ گیا ۔ اُسی زمانے کے قریب لیون کے آرڈونو نے وفات پائی اور اُسکے بیٹوں کے آپس میں خانہ جنگی شروع ہوئی جس سے سلطنت کو دوسرے امور کی طرف متوجہ ہونے کی مہلت ملی ۔

اس کامیاب جنگ سے مظفر و منصور واپس آنے کے بعد عبدالرحمن ثالث نے اک نیا خطاب قبول کیا ۔ اس وقت تک اُندلس کے فرمانرواؤں نے "امیر" سلطان، ابن الخلفا" کے خطابوں پر قناعت کی تھی ۔ اگرچہ یہ خلفاء بنی امیہ کی اولاد میں سے تھے اور ان لوگوں

نے کبھی خلفاے عباسیہ کو جنھوں نے ان کا تخت اُلٹ دیا تھا خلیفہ تسلیم نہیں کیا تھا تاہم اندلس
کے سلاطین نے اس وقت تک اس مذہبی خطاب کا دعوا نہیں کیا تھا - انکا خیال یہ تھا کہ خلیفہ
کا خطاب اُن لوگوں کو قبول نہ کرنا چاہیے جنکی حکومت اسلام کے متبرک شہروں یعنی مکہ و مدینہ پر
نہ ہو - اور اس لقب کو بلا نزاع عباسیوں ہی کے قبضہ میں چھوڑ دینے پر راضی ہو گئے تھے - لیکن
اب جو اندلس میں یہ معلوم ہوگیا کہ خلفاے عباسیہ کی اصلی حکومت شہر بغداد کے باہر کچھ بھی نہیں ہے
اور وہاں بھی اُنکی حالت قیدیوں کی سی ہے اس لیے بہت سے خاندان مختلف مقاموں میں خود
مختار ہوتے جاتے ہیں - عبدالرحمن ثالث نے ۹۲۹ء میں خلیفہ کا خطاب "الناصر لدین اللہ" کے
لقب کے ساتھ اختیار کیا -

جس وقت اُس نے یہ جدید خطاب قبول کیا تھا تیس برس اور بھی اُسکی سلطنت کے باقی
تھے اور اُسکی یہ ساری مدت اپنی مملکت کے اندر عاقلانہ و عالمانہ انتظام کرنے اور عیسائیوں کے
مقابلہ میں ہر سال جہادی فوجیں بھیجنے میں صرف ہوئی - اس لیے وہ عیسائیوں کے مقابلہ میں بیشک
اپنے مذہب کا "ناصر" یعنی پشت و پناہ تھا - وہ خانہ جنگی جس نے لیون والوں کی قوت کو بے اثر
کر دیا تھا اب سلگئی تھی - اور آرڈونو اعظم کا ایک لائق جانشین فرمانروا مانا گیا تھا - ایمیرو ثانی
۹۳۱ء میں تخت نشین ہوا اور اسکے جنگجو اطوار سے جلد ظاہر ہوگیا کہ استقلال کے ساتھ خلیفہ کی
فوجوں کا مقابلہ کیا جائے گا - کچھ زیادہ عرصہ گذرنے نہ پایا تھا کہ شمال میں عیسائیوں اور سرقسطہ
(زیراگوزا) کے عرب حاکم کے آپس میں سازش ہوئی - اور عبدالرحمن اس سازش کو مٹانے
کے لیے بسرعت تمام روانہ ہوا - ۹۳۷ء میں اُس نے سرقسطہ کو سر کیا اور النوار پر دھاوا
کرکے ایسی ہیبت پھیلائی کہ ملکہ نائبۃ السلطنۃ تھیوڈا نے فوراً اُسکو اپنا بالادست مان لیا - لیکن
ایمیرو ملکہ کی اطاعت گزینی کا شریک نہ تھا - اس نے اپنے آدمیوں کو جمع کیا اور ۹۳۹ء میں
بمقام الخندق (الھندیگا) مسلمانوں کو ایک ہیبتناک شکست دی - پچاس ہزار مسلمان میدان جنگ
میں کام آئے - خود خلیفہ کی جان فراری کے لیے بچ گئی اور پچاس سواروں سے کم کے ساتھ

گانوئیں ہو کر بھاگ نکلا۔ یہ مصیبت انگیز سال زمانے تک اُندلس میں "عام الخندق" کے نام سے مشہور رہا۔

اگر عیسائی اپنے فائدے کو آگے بڑھاتے چلے جاتے تو شاید اسپین کی اور طرح کی تاریخ لکھنا پڑتی۔ لیکن حسب عادت عیسائی رئیسوں کے آپس کا خونخوار حسد خلیفہ کی مدد کو آپہونچا۔ اور جس عرصہ میں خلیفہ کے دشمن آپس کے جھگڑوں میں مصروف تھے وہ اُس مصیبت کی تلافی سپاہیوں کی بھرتی، اور دوسری جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا۔ جس خانہ جنگی نے خلیفہ کی اس طرح کی مدد کی اُسکی بنا لیون والوں کی بالادستی کے باعث قشتالہ کی بغاوت تھی۔ اس زمانے میں قشتالہ کا کونٹ مشہور و معروف فرنینڈ وگیرلیز تھا جسکے بارے میں بہت سے کلاونتوں نے گیت بنائے تھے۔ یہ اسپین کے بڑے (ہیروز) نام آوروں میں سے ہے اور اسکا جفت بھی ایک (ہیروان) نام آور عورت سے ہوا تھا۔ دو مرتبہ اسکی بی بی ہی اسکو اُس قیدخانہ سے چھڑا لائی تھی جہاں اسکے حاسد پڑوسیوں یعنی النوار اور لیون والوں نے ڈال دیا تھا۔ اور دوسری مرتبہ تو اس عورت نے کمال ہی کیا کہ اپنے شوہر کے کپڑے خود پہن کر قیدخانے میں محافظ مجلس کے غیظ و غضب کا نشانہ بننے کو بیٹھ رہی۔ اس پہلے کا واقعہ ان دونوں کی شادی کے پیشتر کا تھا۔ یہ کونٹ اسکے باپ گرسیّا کے دارالسلطنۃ واقع النوار کو اس عورت سے شادی کرنے کے لیے جا رہا تھا کہ اس دغاباز بادشاہ نے راستہ ہی میں اُسکو گرفتار کرلیا۔ ایک آلھے میں اُسکے رہا ہونے کا حال بیان کیا گیا ہے:۔

"افسوس کہ قشتالہ کے سردار کو اشرار۔ دھوکے سے پکڑ لے گئے نیوار۔
باندھا اُسے ایسا کہ ہوا بے بس و لاچار۔ اعضا ہوے مجروح تو دل زار ......
دشمن کے یہاں عید ہے اور جشن خوشی کا۔ سورما گیا پکڑا
زنداں میں ہے اب شاہ گریشی کے وہ تنہا۔ اسپین میں سب جو ہو گیا

شاعر نے اسکے بعد یہ بیان کیا ہے کہ ایک نارمن نائٹ النوار ہو کر گھوڑے پر سوار چلا جاتا تھا۔

آیا تھا امیدوں میں بھرا موروں سے لڑنے - عیسیٰ کے لیے مار کے مرنے

اور اُس نے گرشیا کی بیٹی سے کنزلز کے قید ہونے کا حال بیان کیا اور کہا کہ یہ اسپین کے عیسائیوں کے حق میں بہت ہی بُرا ہوا۔

ہاں خوشیاں منانا ہے مسلمانوں کو زیبا - پر حد سے سوا ہے ہیں صدا

قشتالہ نے سردار کو کیا اپنے گنوایا - اسپین ہی سب بے سر ہوا سارا

طوفاں کی طرح آنے لگے مُور کے لشکر - زوروں پہ ستم کا ہے سمندر

زنجیروں پہ نصرانیوں کے پڑتے ہیں پتھر - کنزلز کو رکھا جس نے جکڑ کر

اور اُس نارمن نائٹ نے اُس شہزادی سے التجا کی کہ اُس قیدی کو رہائی دلوائے۔

مُنھ سے تو وہ خاتون زیادہ نہیں بولی - پر رشکِ قمرات کو اُٹھی

تھیں جبکہ سبھی اُسکی خواصیں پڑی سوتی - چپ چاپ ہاں سے ہوئی راہی

قائد کو مقید زر و زیور کا بنایا - عورت نے دیا مرد کو نقرا

داروغہٗ غدار سے قیدی کو چھڑایا - اور دام محبت میں پھنسایا

پس اُس شہزادی نے کونٹ کو جیلخانے سے نکالا - اور دونوں گھوڑوں پر قشتالہ پہونچے۔

اُس زمانے میں جس کا حال میں اب بیان کرتا ہوں یہ قصہ پُرانا ہو چکا تھا اس لیے کہ کنزلز کو شادی کیے ہوئے کئی سال ہو چکے تھے اور اُس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ قشتالہ ایک جداگانہ سلطنت ہوگا - اور اب سے لیون کا ماتحت نہیں رہنے کا - اسی بنا پر اُسکو ابمیبو نے پھر گرفتار اور قید کیا اور صرف اُس وقت رہا ہوا جب یہ امر آشکارا ہو گیا کہ قشتالہ کے لوگ اُسکے سوا کسی اور کی حکومت قبول نہیں کریں گے اور اپنے کونٹ کی صرف ایک صورت کی بندگی بجا لائیں گے مگر لیون کے گورنر کو خاطر میں نہیں لائیں گے - آخر بادشاہ نے اُس سے قسم کھلا کر کہ لیون کی سلطنت کا ماتحت رہے گا اور ابمیبو کے بیٹے آرڈونو سے اپنی بیٹی کو

ع ؎ اصل انگریزی میں بھی یہی لفظ ہے اسلیے لکھا گیا - معنی اسکے داروغہٗ مجلس کے ہیں۔

بیاہ دے گا قید سے آزاد کر دیا۔ اس بے عزتی کے بعد فرڈیننڈ و گنزلز کو اس کا بہت کم شوق باقی رہا تھا کہ لیون والوں کے ساتھ ملکر مسلمانوں سے لڑے۔ اس نے چاہا کہ لیون والوں کو بھی اُسی کی طرح بےعزتی نصیب ہو۔ لیکن امیر اعظم کے وقت میں تو یہ بات ہونے والی نہ تھی اس واسطے کہ اُس نے ۹۵۰ء میں ٹیلیورا کے قریب مسلمانوں سے ایک ور لڑائی جیتی اور دوسرے سال اُس نے لازوال عظمت کے ساتھ وفات پائی۔

اسکی وفات کے بعد گنزلز نے بادشاہ گری اختیار کی۔ یہ سینکو کا اُسکے بھائی آرڈونیوم کے مقابلہ میں طرفدار بنا۔ اور جب ۹۵۵ء میں سینکو اپنے بھائی کی جگہ میں تخت نشین ہوا تو گنزلیز اُس سے پھر گیا اور نئے بادشاہ کو اُس نے لیون سے نکال دیا۔ اور ایک بدبخت لنگڑے آرڈونو چہارم کو جسکا لقب شریر تھا اُسکی جگہ میں بٹھایا۔ سینکو نے اپنی نانی تھیوڈا کے پاس جو النوار کی ملکہ تھی پناہ لی اور ان دونوں نے فوراً قرطبہ کے خلیفہ سے استغاثہ کیا کہ اس مصیبت میں اُنکی مدد کرے۔ سینکو کو حد سے زیادہ فربہی نے مار رکھا تھا جب تک لوگ اُسے پکڑتے نہ تھے دو چار قدم بھی نہیں چل سکتا تھا۔ اُس نے چاہا کہ قرطبہ کے ماہروں سے علاج کرائے جنکی حذاقت ساری دنیا میں مشہور تھی۔ چنانچہ ملکہ تھیوڈا نے عبدالرحمن کے حضور میں سفیر روانہ کیے۔ اور خلیفہ نے اُسکے جواب میں بڑے یہودی طبیب (Haadai) کو روانہ کیا کہ سینکو فربہ کا علاج کرے لیکن اُس نے چند شرطیں بھی مقرر کیں جن میں چند قلعوں کا حوالہ کر دینا اور سینکو اور ملکہ تھیوڈا کا بذاتِ خود قرطبہ حاضر ہونا بھی شامل تھا۔ اسلامی دارالسلطنت میں دور و دراز سفر کر کے جانا اور یہ سمجھنا کہ خلیفہ کے اقتدار کے شاہد بنکر بطور نمایش کے ہم وہاں جاتے ہیں سخت باتیں تھیں لیکن وہ ملکہ گئی اور اپنے ساتھ اپنے بیٹے النوار کے بادشاہ اور اپنے نواسے لیون کے نکالے ہوئے بادشاہ کو لیتی گئی۔ عبدالرحمن بڑے تزک و احتشام اور اُن ساری خوش اخلاقیوں کے ساتھ جو اُسکا خاصہ تھیں ان لوگوں سے ملا۔ اور نہ صرف سینکو نے (Haadai) کے علاج سے اپنی وبالِ جان فربہی سے رہائی پائی بلکہ خلیفہ کی فوجی مدد سے شمال کو واپس گیا اور اُسی نے

سنہ ۹۶۰ ء میں اُسکو لیون کا تخت واپس دلوادیا۔

اسکے دوسرے سال خلیفۃ الاعظم نے سفر آخرت اختیار کیا۔ اس نے ستر برس کی عمر پائی اور اُسکی تقریباً پچاس سال کی سلطنت نے اسپین کی حالت میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی کہ نہایت درجے کا تخیلی دماغ بھی اسکو قیاس نہیں کر سکتا ہے جب یہ شخص اکیس برس کا نوجوان تخت نشین ہوا تھا تو اُسکی میراث ہزاروں لٹیرے سرداروں اور طالبِ زر ہوسناکوں کا شکار ہو رہی تھی صوبجات نے اپنے اپنے فرمانروا قائم کر لیے تھے۔ اور اُن بہتیرے فرقوں نے جن میں ساری آبادی منقسم تھی سب کے سب نے سلطان کی حکومت کو بالا تبا دیا تھا۔ اور طوائف الملوکی اور لوٹ کھسوٹ نے سرزمین کو خاک میں ملا دیا تھا۔ جنوب کی طرف افریقیہ میں فاطمیوں کا خاندان اسپین کو اپنی سلطنت میں ملا لینے کی دھمکیاں دے رہا تھا اور شمال کی طرف سے عیسائی روسا آنکھیں دکھا رہے تھے۔ اور اپنی جدی سلطنت پر قبضہ کر لینے اور مسلمانوں کو اس سرزمین سے نکال دینے پر آمادہ تھے۔ اس اُلجھاؤ اور قریب الوقوع تباہی سے عبدالرحمن نے ترتیب و خوشحالی پیدا کی۔ اُسکی سلطنت کا آدھا زمانہ بھی گذرنے نہیں پایا تھا کہ اُس نے سارے ممالکِ اسلامیہ میں اس حد سے اُس حد تک امن و نیک عملی قائم کر دی۔ فرقوں کی حکومتیں دور کیں اور اپنی رعایا کی ساری جماعتوں پر سلطان کے اقتدارِ کلی کا سکہ بٹھلا دیا۔ دوسرے نصف میں اُس نے بیرونی دشمنوں کے مقابلہ میں اپنی سلطنت کی عزت قائم کی۔ افریقیہ والے جابروں کو دورباش کہی اُنکی سبقت کو روکنے کے لیے سبتہ میں قلعہ دار قائم کیے۔ سمندر میں اُنھیں کلہ بکلہ جواب دیا۔ اور شمال میں جو لیون، قشتالہ، اور النوار کی قوتیں بڑھ چلی تھیں اُنکو روک دیا اور اُنھیں اپنی فوقیت کا ایسا یقین دلایا کہ وہ اپنے قضیہ بھی وہیں فیصل کرانے آتے تھے اور اپنے حقوق بھی اُسی کے ذریعہ سے دلوایا تے تھے۔ اُس نے اُندلس کو خود اُنکے پنجوں سے بھی چھڑایا اور غیر ملک والوں کے حملوں سے بھی۔ اور نہ صرف اُسکو تباہی سے بچا لیا بلکہ اُسکو صاحبِ عظمت و مرفہ الحال بنا دیا۔ کبھی قرطبہ ایسا مالامال و خوشحال نہیں ہوا

تھا۔ جیسا اسکی حکومت میں ہوا۔ کبھی اندلس ایسا قرار واقعی جوتا بویا ہوا، ایسا قدرتی نعمتوں سے ہرا بھرا، آدمی کی دانائی وصنعت سے کمال کو پہونچا ہوا نہ تھا۔ کبھی اس سلطنت کو ہنگامہ پرایسی عقلمندی اور کبھی قانون کو اس سے زیادہ حکومت وعزت نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اسکی خوشامد کرنے کو قسطنطنیہ کے شاہنشاہ اور فرانس، جرمنی اور اطالیہ کے شاہوں کے سفیر حاضر ہوئے۔ اسکی قوت ودانائی وثروت یورپ اور افریقیہ میں خواص وعوام کے زبان زد تھی اور اسلامی سلطنت کی ایشیا کی انتہائی سرحدوں تک بھی مشہور تھی۔ اور یہ حیرت انگیز تبدیلی صرف ایک آدمی کی کی ہوئی تھی باوجود اسکے کہ ہر شے اُسکی مخالف تھی۔ اُندلس کو قعر ذلت سے نکال کر اقتدار وعزت الحالی کی بلندی پر صرف خلیفۂ اعظم عبدالرحمٰن ثالث کی ہی ذہانت واُولوالعزمی نے پہونچایا تھا۔

اسلامی مورخ اس ثابت قدم آدمی کی تصویر ایسے رنگوں میں دکھلاتے ہیں جو اُسکی مضبوط جابرانہ حکمت عملی سے بمشکل مناسبت رکھتے ہیں۔ تاہم وہ تدین کے ساتھ اُسکی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں "جتنے لوگوں نے اس ملک پر کبھی سلطنت کی ہے سب سے زیادہ نرم دل اور اعلیٰ ترین درجے کا شائستہ۔ اُسکا حلم، اُسکی فیاضی اور اُسکی انصاف دوستی ضرب المثل ہو گئی تھی۔ اُسکے اجداد میں سے کوئی بھی میدانِ جنگ کی دلیری اور مذہبی سرگرمی میں اُس سے سبقت نہیں لے گیا۔ وہ علوم کا شائق اور علما کا مربی تھا جن سے باتیں کرنے کا وہ دلدادہ تھا۔"

عربی مورخ کا بیان ہے کہ اس خلیفہ کی وفات کے بعد ایک کاغذ خود اسکے ہاتھ کا لکھا ہوا ملا۔ جس میں وہ اپنے طویل زمانۂ حکومت کے اُن دنوں کو احتیاط کے ساتھ قلمبند کرتا گیا تھا جو سارے اندوہ وغم سے پاک تھے۔ اُنکی تعداد صرف چودہ تھی۔ فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ اِنَّ ہٰذَا لَشَیْئٌ عُجَاب۔ اے سمجھ والو! دیکھو اور تعجب کرو کہ دنیا سب سے زیادہ خوش طالع شخص کو بھی غل وغش مسرت کا کس قدر تھوڑا حصہ دے سکتی ہے۔"

آٹھواں باب

مدینۃ الخلیفہ

ایک عربی مورخ کہتا ہے کہ" قرطبہ عروسِ اُندلس ہے - اسی میں ہے وہ سب حسن و زیبایش جس سے آنکھوں میں سُرور اور نگاہوں میں نور ہوتا ہے - اُسکے سلاطین کو افتخار کا کا تاج سمجھنا چاہیے - اُس کا مالا اُن موتیوں سے بنا ہے جو اُسکے غواص شعرانے بحرِ ذخار سے جمع کیے ہیں - اُسکی پوشاک علوم کے پرچم ہیں جنکو کاملان علوم نے بڑی صناعی سے سیا ہے - اور ہر ایک فن و حرفت کے ماہر اُسکے لباس کی گوٹ ہیں" مشرقی مورخ نے اپنے پیارے شہر کو ایسے دُور کے مشرقی تخیلات کے لباس میں ظاہر کیا ہے - لیکن قرطبہ فی الحقیقت خلیفہ الاعظم کے وقت میں قابلِ فخر دار السلطنت تھا - اور شاید باستثناء بائی زنٹیم کے یورپ کا کوئی شہر عمارتوں کی خوبصورتی و خوش اسلوبی - بود و باش کے تکلفات و صفائی ، اور باشندوں کی تعلیم و سلیقہ شعاری میں اُسکا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا - جب ہم یاد کرتے ہیں کہ قرطبہ کی شان و شوکت کی جو تصویر ہم عربی مورخوں کی تصنیفات سے خلاصہ کرکے کھینچنے والے ہیں وہ دسویں صدی عیسوی کی ہے جبکہ ہمارے سیکسن آباؤ اجداد لکڑی کے جھونپڑوں میں رہتے اور میلے گھاس پھونس پر اُٹھتے بیٹھتے تھے - جبکہ ہماری زبان انگھڑ تھی اور اس قسم کے ہنر جیسے کہ لکھنا پڑھنا ہے گویا کہ معدود چند رہبانوں تک محدود تھے تب ہمکو مسلمانوں کی عجیب و غریب تمدنی حالت کا کچھ کچھ پتہ لگتا ہے اور جب اتنا اور بھی یاد کرلیا جاتا ہے کہ اُس وقت سارا یورپ وحشیانہ جہالت اور وحشیانہ حالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور جہاں ٹوٹی پھوٹی رومی سلطنت قدیمی تمدن و تہذیب کی علامتیں باقی رکھ سکی تھی یعنی صرف قسطنطنیہ میں اور اٹالیہ کے بعض حصوں میں محض وہیں کچھ تھوڑے سے آثار شایستگی کے پائے جاتے تھے - تب اُس حیرت انگیز تضاد کی زیادہ تر قدر معلوم ہوتی ہے جو

اُندلس کے دار السلطنت میں بمتابلہ اور جگہوں کے پایا جاتا تھا۔

ایک دوسرا عربی مورخ کہتا ہے کہ قرطبہ "ایک قلعہ بند شہر ہے جو پتھر کی عریض و بلند دیواروں سے گھرا ہوا ہے اور اُسکی گلیاں بہت ہی ستھری ہیں۔ قدیم زمانہ میں یہ بہت سے کافر بادشاہوں کا مسکن تھا جنکی محلسرائیں ابھی تک دیواروں کے احاطوں کے اندر دکھائی دیتی ہیں۔ یہاں کے باشندے اپنی خوش اخلاقی، دانائی و ستھرائی، اپنی اعلیٰ ذہانت و طباعی، اپنی خوش مذاقی اور اپنے کھانوں، پوشاکوں اور گھوڑوں کی شان و شوکت میں مشہور ہیں۔ وہیں کاملان فن ہر قسم کے علوم میں زرق و برق، اُمرا اپنی نیکیوں و فیاضیوں میں ممتاز۔ بہادران نبرد آزما کافروں کے ملک میں جہاد کرنے میں سرفراز۔ اور سپہ سالاران فوج ہر قسم کی لڑائیوں کے تجربہ کار تم دیکھ سکتے تھے۔ قرطبہ ہی میں دنیا کے ہر حصہ سے نظم میں مداخلت پیدا کرنے، علوم حاصل کرنے یا الٰہیات و فقہ کے سیکھنے کے شایق طلبہ آیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ کل علوم و فنون کے مشاہیر کے آپس میں ملنے کا مقام۔ علماء کا مسکن اور طلبہ کا ماوٰی و ملجا ہو گیا۔ اُسکا اندرونی حصہ سارے مُلکوں کے مشاہیر و شرفا سے معمور تھا اُسکے ارباب کتب (اُدبا) و اصحاب کتائب (اہل لشکر) نام و نمود حاصل کرنے میں مسابقت کرتے تھے۔ اور اُسکے میدان ہمیشہ نام آوروں کے لیے ورزشگاہ بڑھنے والوں کے لیے جولانگاہ۔ کریموں کے مرکز اور اہل حقائق کی منزل ہے۔ قرطبہ کو بلاد اندلس سے وہی نسبت تھی جو سر کو جسد سے اور سینہ کو اسد (شیر) سے ہے"۔

مشرقی مدح سرائی کا میلان کسی قدر بلند پروازی کی طرف ضرور ہوتا ہے۔ لیکن قرطبہ حقیقت میں اُس مدح و ثنا کی دُرفشانیوں کا مستحق ہے جسکی بوچھار اُسپر کی گئی ہے۔ اُسکی موجودہ حالت سے ناممکن ہے کہ اُس وسعت و حسن کا تصور کیا جا سکے جو اِس پرانے اسلامی دار السلطنت کا خلیفۃ الاعظم کے زمانہ میں تھا۔ چونے کی قلعی کیے ہوے مکانوں کے پاس کی تنگ گلیوں سے اُسکی اُس پُر شوکت وسعت کا جو کسی وقت اُس میں تھی صرف دُھندلا سا خیال آ سکتا ہے اُسکی محلسرا (القصر) ویران ہے اور اُسکے کھنڈر قید خانہ کے بیہودہ مصرف میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

لیکن پل ابھی تک وادی الکبیر پر سایہ افگن ہے اور پہلے اموی فرماں رواکی عالیشان مسجد اس وقت تک سیاحوں کی حیرت و مسرت کا باعث ہے۔ لیکن عبد الرحمن ثالث کے وقت میں یا شاید اُسکے کسی قدر بعد جبکہ ایک بڑے وزیر نے جدید آبادی شہر کے باہر بڑھائی تھی تو یہ شہر اپنی عمدہ ترین حالت میں تھا۔ اُسکی وسعت کے بارے میں مورخین باہم مختلف ہیں، لیکن کم از کم دس میل کا طول نہایت ہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ وادی الکبیر کے سواحل سنگِ مرمر کے مکانوں، مسجدوں اور باغوں سے جگمگاتے تھے جن میں غیر ملکوں کے نہایت ہی نادر و کمیاب پھول اور پودے بڑی صناعی سے لگائے گئے تھے۔ اور عربوں نے انکی سیرابی کے لیے خاص اپنا طریقہ جاری کیا تھا جو اسپین والوں کو پہلے یا اب کبھی نصیب نہ ہوا۔ خاندان بنی اُمیہ کے پہلے سلطان نے ملک شام سے کھجور کا ایک درخت منگواکر نصب کیا تھا تاکہ اُسکو پرانے وطن کی یاد دلاتا رہے۔ اُسی درخت کو خطاب کرکے اُس نے مختصر سی دردناک نظم اپنی جلا وطنی پر لکھی تھی۔ یہ درخت اُس باغ میں لگایا گیا تھا جسکو اس نے اپنے دادا خلیفہ ہشام کے باغ واقع دمشق کی نقل بنایا تھا۔ کیونکہ طفولیت کے زمانہ میں وہ اُس باغ میں کھیلا کرتا اور اُسکو اپنے بچپن کا دل بہلانے والا دوست سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے کارپردازوں کو تمام جہان میں روانہ کیا تھا کہ اجنبی ملکوں سے عمدہ و کمیاب درخت، پودے اور بیج لے آئیں۔ اور اُسکے باغبان ایسے ہوشیار تھے کہ اُنکی صناعی سے اجنبی ملکوں کی چیزیں جلد وہاں کی طبیعت قبول کرلیتیں، اور شاہی محل سے سارے ملک میں پھیل جاتی تھیں۔ اسی طرح سے نمونہ کے طور پر دمشق سے انار لایا گیا تھا۔ اور جس پانی سے ان متعدد باغوں کی سیرابی ہوتی تھی وہ پہاڑوں سے لایا جاتا تھا (جہاں نلوں کے ذریعہ سے پانی لے جانے کے آثار اس وقت تک دیکھے جاتے ہیں) پہلے تو سیسہ کے نلوں کے ذریعوں سے متعدد خزانوں میں پہونچتا تھا جو بعض سونے چاندی کے اور بعض پیتل کے ہوتے تھے۔ اور جھیلوں، حوضوں، تالابوں اور یونانی سنگ مرمر کے چشموں میں جمع ہوتا تھا۔

سلطان کی محلسراؤں کے باب میں مورخین حیرت انگیز امور بیان کرتے ہیں۔ ان محلسراؤں کے

شاندار دروازے باغوں یا دریا یا بڑی جامع مسجد کی طرف تھے جہاں سلطان جمعہ کے دن ایک ایک خاص راستہ میں سے جایا کرتا تھا جو اس سرے سے اُس سرے تک قیمتی قالینوں سے مزین رہتا تھا۔ ان محلسراؤں میں سے ایک کا نام "قصر الزاہر"[عـہ] اور ایک کا نام "قصر المعشوق" ایک کا "قصر السرور" ایک کا "قصر التاج" تھا۔ وعلیٰ ہذا۔ اور ایک بنی اُمیّہ کے پُرانے وطن کی یاد دلاتا اور "دمشق" کے نام سے موسوم تھا۔ اسکی چھتیں سنگِ مرمر کے ستونوں پر قائم تھیں اور اسکے فرش پر پچی کاری کا کام تھا۔ اور یہ اسقدر حسین تھا کہ ایک شاعر نے اُسکی تعریف میں لکھا ہے: مثنوی

ہر قصر[عـہ] بجز دمشق زشت ست	از میوہ و بوے خوش بہشت ست
منظر عجبے۔ و آبِ صافی	خاکش خوشبو و قصر عالی مشکیر
از صبح و شبش بہ نزدِ دانا	با عنبر و مشک ہست مانا

قرطبہ کے بعض باغوں کے نام شوق انگیز ہوتے تھے۔ جسکو سنکر آدمی کا دل چاہتا تھا کہ وہاں جا کر لیٹے اور پانی کے جھر جھر بہنے کی خوش آیند آواز کے مزے لے۔ اور خوشبو اور پھولوں و میووں کی خوشبو سے دماغ تازہ کرے۔ مرج الارحاء (پن چکیوں والا مرغزار) کے نام سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آرام سے وہاں جا کر لیٹے اور اُن پہیوں کی گھڑگھڑاہٹ کی لگاتار آواز مزے لے لے کر سُنے جو پانی کھینچکر باغ کی کیاریوں میں پہونچاتے ہیں۔ مرج الماء الجاریہ (جھر جھر بہنے والے پانی کا مرغزار) قرطبہ والوں کے لیے گرمیوں کے موسم میں عجیب فرحت انگیز مقام ہوگا۔ وادی الکبیر کا خموشی کے

عـہ مقری جلد اول صفحہ ۲۱۶ - ومن قصوره المنیورة وبانیه المعروفة الکامل والمجدد والحائر - والرونقة - والزاہر والمعشوق - والمبارک - والرشق - وقصر السرور - والتاج - والبدیع - مترجم۔

عـہ اصل اشعار جس کا ترجمہ مصنف نے نثر میں کیا ہے یہ ہیں:-

کل قصر بعد الدمشق یذم	فیہ طاب الجنی ولذ المشم
منظر رائق وماء نمیر	وثرى عاطر وقصر اشم
بت فیہ واللیل والفجر عندی	عنبر اشہب ومسک رحم

ساتھ بہتا وہاں کے باشندوں کے لیے پائدار مسرت کا ذریعہ تھا۔ کیونکہ مشرقیوں کو (اور مسلمانانِ اسپین ہر چیز میں طول بلد کے سوا مشرقی ہی تھے) کوئی منظر بہتے پانی سے بڑھ کر مرغوب نہیں ہے اس دریا پر ایک عالیشان پل سترہ محرابوں کا بنا ہوا تھا، جو اس وقت تک عربوں کی قوتِ تعمیر کی تصدیق کر رہا ہے۔ سارا شہر عالیشان عمارتوں سے معمور تھا۔ جن میں سے پچاس ہزار سے زیادہ امیروں وعہدہ داروں کے، ایک لاکھ سے زیادہ عام لوگوں کے مکان، سات سو مسجدیں اور نو سَو عام حمام تھے۔ حمام اسلامی شہروں کے خصائص میں سے تھے، اس لیے کہ مسلمانوں میں صفائی و نظافت زہد و عبادت سے الگ نہیں ہے بلکہ ہر نماز و عبادت کے لازمی شرائط میں سے ہے۔ حالانکہ متوسط زمانہ کے عیسائیوں کا یہ حال تھا کہ نہانے سے منع کرتے تھے، اس لیے کہ بُت پرستوں کی رسم ہے۔ یہاں تک کہ ایک عیسائیہ ولیہ نے تفاخراً یہ واقعہ قلمبند کیا ہے کہ ساٹھ برس کی عمر تک میں نے کبھی اپنے جسم کے کسی حصہ کو پانی سے لوث نہیں کیا، بجز اسکے کہ ناس کی عید میں اپنی انگلیوں کے سرے پانی سے پُکیے۔ اور جس زمانہ میں میلا کچیلا رہنا عیسائی تقدس کا تمغہ تھا، اُس زمانہ میں مسلمان صفائی وستھرائی کے بارہ میں نہایت جزورس تھے۔ اور جب تک کہ اُنکے جسم پاک وصاف نہیں ہوتے تھے اپنے خدا کے تقرب کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ اور جب اسپین آخرکار پھر عیسائی حکمرانوں کے قبضہ میں واپس آگیا تو فیلپ دوم ہماری انگلستانی ملکہ میری کے شوہر نے حکم دیا کہ کُل عام حمام اس بنا پر ڈھا دیے جائیں کہ وہ کفر کے علامات و آثار ہیں۔

قرطبہ کی حسین وخوبصورت عمارتوں میں جامع مسجد سب سے اول درجے پر سمجھی جاتی تھی اور اِسوقت تک سمجھی جاتی ہے۔ اسکی تعمیر ۷۸۶ء میں عبدالرحمٰن (الداخل) اول نے شروع کی۔ اس نے اس میں اسی ہزار اشرفیاں خرچ کیں جو قوم قوط سے مالِ غنیمت میں آئی تھیں۔ اور اُسکے دیندار بیٹے ہشام نے ۷۹۳ء میں ناربون کے لوٹ کے مال سے اسکی تکمیل کی۔ پھر بعد کا ہر سلطان اسکے حسن میں اضافہ کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ شہر قرطبہ کے ابتدائی ہنر کا دنیا بھر میں عمدہ ترین نمونہ ہو گئی۔ ایک نے ستونوں اور دیواروں پر طلاکاری کی۔ دوسرے نے ایک منارہ بڑھایا اور

تیسرے نے ایک گنبد اضافہ کیا کہ زیادہ نمازیوں کی گنجائش ہو۔ اُنیس محرابیں مشرق سے مغرب تک ہیں اور اکتیس شمال سے جنوب تک۔ نمازیوں کے اندر آنے کے اکیس دروازے چکیلے پیتل سے مزین تھے۔ اور ایک ہزار دو سو ترانوے ستونوں پر اُسکی چھت ایستادہ تھی اور اُسکے مصلوں میں چاندی کا فرش تھا جسپر زریں پچی کاری تھی اور اُسکے ستونوں میں نبت کاری کا کام تھا جو طلا و لاجورد سے مرصع تھے۔ اُسکا منبر فیل دندان اور اعلیٰ ترین لکڑیوں کا بنا ہوا تھا جو چھتیس ہزار الگ الگ تختیوں سے مرکب تھا جن میں سے اکثر میں جواہرات جڑے ہوے تھے اور سونے کی کانٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ اُس میں چار حوض وضو کے لیے تھے جن میں شب و روز پہاڑوں سے پانی آیا کرتا تھا۔ اور مسجد کے پچھم جانب بہت سے مکان بنے ہوے تھے جہاں غریب مسافر اور بے گھرے مقیم آکر ٹھہرتے اور اُنکی خاطر و تواضع کیجاتی تھی۔ سیکڑوں برنجی قندیلیں جو گرجاؤں کے گھنٹوں کی بنائی گئی ہیں رات کے وقت اس مسجد کو منور کرتی تھیں۔ اور ایک بڑی سی موم شمع جس کا وزن پچاس پونڈ (پچیس سیر کے قریب) ہوتا تھا۔ رمضان کے مہینے میں شب و روز امام کے بغل میں جلتی رہتی تھی۔ تین سو خادم بخوردانوں میں عود و عنبر جلایا کرتے اور خوشبو تیل تیار کیا کرتے تھے جو اُن قندیلوں کی دس ہزار بتیوں میں جلتا تھا۔ اس مسجد کا حُسن اب تک بہت کچھ باقی ہے۔ سیاح ان ستونوں کے جنگل کو دیکھکر جو گویا بے انتہا روشوں کی طرف ہر جانب سے کھلے ہوے ہیں دنگ ہو جاتے ہیں۔ اسکے سنگ سماق، زبرجد، اور سنگ مرمر اسوقت تک اپنی اپنی جگہوں پر قائم ہیں۔ شیشہ کی پچی کاری کا وہ چمکتا دمکتا کام جسکے بنانے کو بائی زنطیم کے کاریگر آئے تھے اس وقت تک دیواروں میں جواہرات کی طرح چمک رہا ہے۔ اُسکے مصلے کا شوخ نمایاں کام معہ اُسکی متقاطع و کم نما محرابوں کے آج تک ویسا ہی نمایاں ہے جیسا کبھی تھا۔ اُسکا صحن اب بھی نارنگی کے اُن درختوں کی وجہ سے جو ستونوں کے آمنے سامنے روش پر دُور تک لگے ہوے ہیں پتوں سے بھرا پڑا ہے۔ جب کوئی شخص اس عظیم الشان جامع مسجد کے حسن کا نظارہ کرتا ہے تو اُسکا خیال قرطبہ کے دولت و اقبال کے زمانے اور خلیفۃ الاعظم کے

اُس عروج کے عہد میں پہونچا دیتا ہے جو پھر کبھی واپس نہیں آنے کا۔

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز گو زیادہ خوبصورت نہ سہی مدینۃ الزہراء تھا۔ جسکو عبدالرحمن (الناصر) ثالث نے قرطبہ کے مضافات میں تعمیر کیا تھا۔ ایک مرتبہ اُسکی ایک بی بی نے جس کا نام زہراء تھا اور جسکی جگہ اُسکے دل میں بہت زیادہ تھی اُس سے یہ آرزو ظاہر کی کہ میرے لیے ایک شہر بناؤ اور میرے ہی نام سے اُسکو موسوم کرو۔ خلیفۂ اعظم اکثر مسلمان بادشاہوں کی طرح عمارتیں بنوانے کا دلدادہ تھا بھی۔ یہ پیاری آرزو اُسکے دل کو بھا گئی۔ اُس نے فوراً ایک پہاڑ کے دامن میں جس کا نام جبل العروس تھا اور جو قرطبہ کے مقابل میں چند میل کے فاصلے پر واقع تھا ایک شہر کی بنیاد ڈالی۔ ہر سال وہ اپنی آمدنی کی ایک تہائی اُسکی تعمیر میں خرچ کرتا تھا اور اُسکی سلطنت کے بقیہ پچیس[25] سال تک برابر اُسکی تعمیر جاری رہی۔ اور اُسکے بیٹے کے زمانے میں بھی جس نے اس میں بہت سے اضافے کیے پندرہ سال تک یہ عمارت بنتی رہی۔ دس ہزار مزدور اس میں کام کرتے تھے اور ہر روز پتھر کے چھ ہزار چٹان اس نئے شہر کے مکانوں کی تعمیر کے لیے تراشے اور جلا کیے جاتے تھے۔ تین ہزار کے قریب باربرداری کے جانور اسباب کے وہاں پہونچانے پر مامور تھے۔ اور چار ہزار ستون استادہ کیے گئے تھے جن میں سے بہتیرے قسطنطنیہ کے شہنشاہ نے تحفہ بھیجے یا روم کارتھیج (قرطاجنہ) **Sfax** اور دوسری جگہوں سے آئے تھے اسکے علاوہ خود وہاں کا سنگ مرمر تھا جو ٹرگونا (طرکونہ) اور المریہ سے نکلتا تھا۔ اُس میں پندرہ ہزار دروازے تھے جنکے اوپر لوہا یا جلا کیا ہوا پیتل چڑھا ہوا تھا۔ اس نئے شہر میں خلفاء کا جو دیوان عام تھا اُسکی چھت اور دیواریں سنگ مرمر کی تھیں اور اس میں پتھر کا ترشا ہوا ایک عجیب و غریب فوارہ تھا جو یونان کے شہنشاہ کا جس نے خلیفہ کو ایک لا جواب موتی بھی بھیجا تھا تحفہ تھا۔ اس دیوان عام کے وسط میں پارے کا ایک حوض تھا اور اسکے دونوں جانب آٹھ دروازے فیل دندان و آبنوس سے منڈھے ہوئے تھے جو

جواہرات سے مرصع تھے۔ جس وقت اِن دروازوں میں سے آفتاب کی شعاعیں آتی اور پارے کے حوض میں جنبش پیدا ہوتی تھی تو سارا کمرہ بجلی کی سی چمک سے بھر جاتا تھا اور اہل دربار اپنی چکا چوندھ لگی ہوئی آنکھوں کو چھپا لیتے تھے۔

عربی مورخ بڑی مسرت کے ساتھ مدینۃ الزہراء کے عجائبات کو بیان کرتے ہیں۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ "اگر میں اُن کل فطرتی و صنعتی خوبیوں ہی کو گنوانا شروع کروں جو مدینۃ الزہراء میں پائی جاتی ہیں تو ہمارا کلام بہت طویل ہو جائے۔ وہ بہتے ہوئے چشمے، صاف و شفاف پانی، ہرے بھرے باغ، خانگی محافظوں کے لیے عالیشان عمارات، سلطنت کے اعلیٰ عہدہ داروں کے لیے پُرشوکت و شان محلات، اُسکی چوڑی گلیوں میں ہر قوم و ہر مذہب کے سپاہیوں، خادموں اور غلاموں کی ٹولیوں کا ریشم و زربفت کی پوشاکیں پہنے ہوئے اِدھر اُدھر پھرنا۔ اور قاضیوں فقیہوں اور شاعروں کے گروہوں کا مناسب سنجیدگی کے ساتھ اس قصر کے عظیم الشان کمروں اور وسیع صحنوں میں ٹہلنا ایک عجیب سماں دکھلاتا تھا۔ اس قصر میں جتنے ملازم مرد تھے اُنکی تعداد کا اندازہ تیرہ ہزار سات سو پچاس ہے جن کا روزینہ علاوہ پرندوں اور مچھلیوں کے تیرہ ہزار پونڈ (جو قریب آدھ سیر کے ہوتا ہے) گوشت تھا۔ اور اس میں خلیفہ کی جتنی چھوٹی بڑی بیبیاں اور اُنکی پیش خدمتیں تھیں اُنکی تعداد چھ ہزار تین سو چودہ تک پہونچی تھی۔ غلام و خادم و خواجہ سرا تین ہزار تین سو پچاس تھے جنکو روزانہ تیرہ ہزار پونڈ گوشت راتب ملتا تھا۔ انکے رتبے اور منصب کے اعتبار سے بعض کو فی کس دس پونڈ اور بعض کو کچھ کم۔ اور مرغ، تیتر، اور دوسرے قسم کے پرند اور مچھلیاں اسکے علاوہ ملتی تھیں۔ اور الزہراء کے تالاب (بحیرۃ الزہراء) کی مچھلیوں کو روزانہ بارہ ہزار روٹیاں ملتی تھیں اور اسکے علاوہ چھ چھ انصر تنگی مٹر بھگو کر ڈالے جاتے تھے۔ یہ اور دوسری تفصیلیں پوری تشریح کے ساتھ اُس زمانے کی تاریخوں میں ملیں گی جو اُن اُدبا و شعراء کی لکھی ہوئی ہیں جنھوں نے ان امور کے بیان میں فصاحت و بلاغت کی کانوں کو خالی کر دیا ہے۔ اور یہ سب لوگ تھے جنھوں نے لوگوں کو یہ امر تسلیم کرتے سنا تھا

کہ حدودِ اسلام میں کوئی شے اسکے مماثل نہیں ہے۔ دور دست ملکوں کے سیاح، ہر طبقہ و ہر پیشہ کے آدمی، مختلف مذاہب کے ماننے والے، رئیس زادے و شہزادے، سفیر، ایلچی، حجاج و زائرین، فقہاء و شعراء، سب اسپر متفق تھے کہ ہم نے کبھی اپنی سیاحت کے عرصے میں کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جو اسکے مقابلہ کا دم بھر سکے۔ فی الحقیقت اگر اس قصر میں بجز سفید و براق سنگ مرمر کے زینوں کے جو بینظیر باغوں کے اوپر جانب بنے ہوے ہیں اور طلائی بڑے کمرے اور مدور شہ نشین کے جس میں انواع و اقسام کی صناعی کے کام ہیں اور کچھ بھی نہ ہوتا (یعنی اگر اُس کا مایۂ افتخار اور ذیل کے سوا کچھ بھی نہ ہوتا۔ عمارت کی اُستادانہ صناعی، بیل بوٹوں کی خوشنمائی، تناسب کی خوبصورتی، نقش و نگار کی خوبی و صفائی اُسکے پردے اور اسباب زینت خواہ سفید و براق سنگِ مرمر کے ہوں خواہ جگمگاتے ہوے سونے کے۔ اُسکے ستون جو اپنے تناسب اور ہمواری کی وجہ سے خراد پر چڑھے ہوے معلوم ہوتے تھے۔ اُسکی رنگ آمیزی جو نہایت ہی عمدہ منظر سے مشابہ تھی۔ وہ مصنوعی جھیل جو ایسا ٹھوس بنا ہوا تھا۔ وہ نالیاں جو برابر صاف و شفاف پانی سے بھری رہتی تھیں اور حیرت انگیز چشمے جن میں جاندار وں کی مورتیں تھیں) تو بھی کوئی خیال چاہے کیسا ہی بلند پرواز کیوں نہ ہو اُسکا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ الحمد للہ العلی العظیم (تعریف ہے خدا کے بزرگ و برتر کی) کہ اُس نے اپنی ناچیز مخلوقات سے ایسی طلسماتی محلسرائیں بنوائیں اور اس دنیا میں اُنکی نیکیوں کی جزا میں ایسی جگہیں رہنے کو دیں تاکہ مومنوں کو سعادت کی راہ پر چلنے کا حوصلہ ہو اور وہ یہ سمجھیں کہ گویہ عیش و عشرت مسرت بخش ہے لیکن جو نعمتیں کہ سچے مومنوں کے لیے فردوس اعلیٰ میں مہیا ہیں اُنکے مقابلہ میں یہ محض ناچیز و ادنیٰ ہیں"۔

الزہراء ہی کے قصر میں خلیفہ نے النبیرہ کی ملکہ اور سینکو سے ملاقات کی تھی اور یہیں سلطنت کے بڑے بڑے لوگوں کی باریابی ہوا کرتی تھی۔ یہیں اُس نے اُن سفیروں کو خیر مقدم کہنے کے لیے جلوس کیا تھا جنکو یونان کے شہنشاہ نے قرطبہ کے دربار میں بھیجا تھا:۔

"خلیفہ نے اِن سفیروں کے خریطے لینے کے لیے ہفتہ کا دن ۳۳۸ھ ہجری (مطابق ۹۴۹ء) کے ماہ ربیع الاول کی گیارہویں تاریخ۔ اور اپنے محل واقع الزہرا کا گنبددار بڑا کمرہ مقرر کیا۔ ارکین سلطنت واکابرینِ فوج کو اس تقریب کے لیے تیاریاں کرنے کے لیے حکم دیا گیا۔ یہ کمرہ حسن وخوبی کے ساتھ آراستہ کیا گیا اور ایک تخت سونے و جواہرات سے مرصع چمکتا دمکتا ہوا بیچ میں رکھا گیا۔ تخت کے دونوں جانب خلیفہ کے بیٹے کھڑے ہوئے انکے بعد اپنے اپنے رتبہ کے موافق دائیں بائیں وزراء۔ انکے بعد عرض بیگی و وزراء کے بیٹے و خلیفہ کے موالی (آزاد کیے ہوئے) اور نقیب و چوبدار وغیرہ۔ اس قصر کے صحن میں نہایت ہی قیمتی قالین اور نمدے بچھائے گئے اور دروازوں و محرابوں پر نہایت ہی زرق برق ریشمی پردے ڈالے گئے۔ تھوڑی دیر میں سفیر اُس کمرے میں داخل ہوئے اور اس شان وشوکت کو جو اُنکی آنکھوں کے سامنے تھا اور اُس سلطان کے اقتدار و سطوت کو جسکے سامنے وہ آکر کھڑے ہوئے دیکھکر حیرت سے ہکا بکا سے ہوگئے۔ آخر ان لوگوں نے چند قدم آگے بڑھکر اپنے آقا قسطنطین ابن لیو مالکِ قسطنطنیہ کا نامہ یونانی زبان میں نیلے کاغذ پر طلائی حرفوں میں لکھا ہوا پیش کیا۔"

عبدالرحمن نے اپنے دربار کے نہایت فصیح و بلیغ ادیب کو اس موقع کے لیے ایک مناسب قصیدہ لکھنے کو کہا تھا۔ لیکن اُس نے پڑھنا بھی شروع نہیں کیا تھا کہ اُس مجلس کی عظمت اور جو بڑے لوگ وہاں جمع تھے اُنکے سکوت پُر از متانت کا ایسا رعب اُسپر طاری ہوا کہ اُسکی زبان تالوسے لگ گئی اور وہ غش کھاکر فرش پر گر پڑا۔ اک دوسرے شخص نے اُسکے کام کو پورا کرنا چاہا مگر تھوڑی دیر کے بعد اُسکی زبان بھی بند ہوگئی۔

خلیفہ اپنے نئے محل کی تعمیر میں ایسا مصروف ہوا کہ متواتر تین جمعے تک وہ جامع مسجد میں نہ گیا اور جب چوتھے جمعہ میں حاضر ہوا تو واعظ نے اُسکو ڈرایا کہ تم اپنی غفلت کی سزا میں جہنم میں جاؤگے۔

جس طرح قرطبہ کے محل اور باغ حسین اور سرسبز و شاداب ہونے کی وجہ سے مدح و ثنا کے سزاوار تھے اُسی طرح اُسکے اعلیٰ درجے کے امور بھی تحسین و آفریں کے مستحق تھے - جیسے اجسام خوش آیند تھے ویسے ہی اذہان بھی - اُسکے علماء و معلموں نے اُسے یورپ کی تعلیم کا مرکز بنا دیا تھا - یورپ کے ہر حصے سے طلبہ اُسکے شہرۂ آفاق ماہران علوم سے سبق لینے آتے تھے - ہروس وی تھانن (راہبہ) بھی دُور دراز مقام یعنی گانڈرشیم کے سیکسن خانقاہ میں ٹھیکر سینیٹ پیوجی اس کی شہادت کا ذکر کرتے وقت قرطبہ کی مدح سرائی کو ضبط نہ کر سکی اور بے اختیار اُسکی زبان سے بھی یہ لفظ نکل ہی پڑے " قرطبہ - جسکی دنیا میں سب زیادہ زرق برق شان و شوکت ہے ؎ " سائنس (علوم) کی ہر شاخ کی وہاں تعلیم ہوتی تھی اور علم طب میں جتنی ترقیاں جالینوس کے زمانے سے اُسوقت تک کُل صدیوں میں ہوئی تھیں اُس سے کہیں زیادہ اور عمدہ اضافے اُندلس کے حکما و اطبا کی تحقیقاتوں اور تجربوں سے ہوے - ابو القاسم خلف جسکو یورپ والے البوکیسس کہتے ہیں گیارہویں صدی کا ایک نامور سرجن (ماہر فن جراحی) تھا - اور اُسکی بعض دستکاریاں موجودہ طرز عمل کے مطابق تھیں - ابن الزہیر نے جسکو یورپ والے آون زور کہتے ہیں اُسکے تھوڑے عرصہ بعد بہت سی اہم باتیں طب و جراحی کے متعلق نئی دریافت کیں - ابن بیطار عالم علم نباتات سے نے سارے مشرق میں جڑی بوٹیوں کا پتہ لگانے کو سیاحت کی اور اُسپر ایک مکمل کتاب لکھی - اور ابن رشد فلسفی (جسے یورپ والے آویر روز کہتے ہیں) اُس زنجیر کی جو قدیم یونان کے فلسفہ کو متوسط زمانہ کے فلسفہ سے ملاتی ہے اصلی کڑی ہے - علم ہیئت - علم جغرافیہ کیمسٹری (علم کیمیا) نیچرل ہسٹری (علم الحیوانات) سب شوق سے قرطبہ میں پڑھے اور پڑھائے جاتے تھے - اور علم ادب کی موشگافیاں تو ایسی تھیں کہ یورپ میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا ہے جس میں ہر شخص کی زبان پر نظم ہو - اور جبکہ ہر طبقے کے آدمی عربی کے ایسے اشعار کہتے ہوں

؎ (صفحہ ۴۴ - جلد ثانی - نفح الطیب)

جو اسپین کے کلاونتوں اور پرودونس واطالیہ کے بھانڈوں کے آلھوں یا بحرِ خفیف کے گیتوں کے مبنیٰ قرار پائے ہوں - کوئی تحریر یا تقریر مکمل نہیں سمجھی جاتی تھی جب تک کہ اُس میں اشعار کی چاشنی نہ ہوتی تھی جو یا تو وہ محرّر یا مقرّر خود فی البدیہہ نظم کرلیتا تھا یا اپنی یاد سے کسی مشہور شاعر کا کلام ہوتا تھا - ساری اسلامی دنیا نظم کی عاشق معلوم ہوتی تھی - سلطان و کشتیبان کے باہم شاعرہ ہوتا تھا - اور اُندلس کے شہروں کی دلربائیاں - اُسکی ندیوں کے بہنے کی نغمہ سرائیاں - اُسکے ثابت و بے حرکت ستاروں کی چھاؤں کی خوبصورت راتیں - عشق و شراب کی مسرتوں کی باتیں - عیش و عشرت کی صحبتیں اور کماں ابرو معشوق کے ساتھ پوشیدہ ملاقاتیں اُن اشعار میں بیان کی جاتی تھیں -

فنون میں اُندلس بہت فائق تھا - ایسی عمارتیں جیسی کہ مدینۃ الزہراء یا جامع قرطبہ کی تھیں بن نہیں سکتی تھیں تاوقتیکہ وہاں کے کاریگر اپنی صناعیوں میں یدطولیٰ نہ رکھتے ہوں - ریشم بافی کے فن کا اُندلس میں بہت زیادہ لحاظ رکھا جاتا تھا - کہا جاتا ہے کہ صرف قرطبہ میں ایک لاکھ تیس ہزار حریر باف تھے - لیکن ریشمی کپڑوں و قالینوں کے لیے المریہ سب سے زیادہ بلند نام تھا - کاسہ گری بڑے کمال کو پہونچائی گئی تھی اور جزیرۂ میجورقہ ہی سے جہاں کے کمہاروں نے یہ کمال حاصل کیا تھا کہ طلائی یا مسی چمکیلے رنگ کے ظروف بناتے تھے - اطالیہ کی کاسہ گری نے میجولیکا؏ کا نام حاصل کیا تھا - شیشے کے ظروف اور نیز دوسرے ظروف پیتل اور لوہے کے المریہ میں بنتے تھے اور بعض خوبصورت نمونے فیل دنداں کے نازک نقاشی کے اس وقت تک موجود ہیں جن میں دربار قرطبہ کے بڑے عہدہ داروں کے نام منقش ہیں - یہ سب فنون بلاشبہہ مشرق سے لائے گئے تھے لیکن مُراکشی کاریگر اپنے فارسی و مصری و بازنطیم کے لائق شاگرد تھے - زیوروں میں

؏ میجولیکا Majolica چمکنے اور شیشے کے سے چمکیلے ظروف بنانے کا فن - جو پہلے پہل جزیرۂ میجورقہ سے اطالیہ میں بارہویں صدی عیسوی میں آیا -

خلیفۂ اعظم کے بیٹے کی ایک دلچسپ یادگار گیرونا کے کیتھیڈرل کی بلند قربان گاہ پر حفاظت سے رکھی ہوئی ہے۔ سلمانانِ اُندلس کی تلواروں کے قبضے اور اُنکے یہاں کے زیور بہت ہی شان دار ہوتے تھے جیساکہ ابوعبداللہ غرناطہ کے پچھلے بادشاہ کی تلوار سے ثابت ہوتا ہے۔ شرقیین ہمیشہ سے فلزاتی کام میں مشہور تھے اور ایسی چھوٹی چیزوں میں بھی جیسی کہ کنجیاں، خوبصورت نقش ونگار بنے ہوتے تھے۔ یہ امر کہ اسپین کے سلمان کس عمدگی کے ساتھ پیتل پر پھول بوٹے بنا سکتے تھے۔ مسجد کی اُس خوبصورت قندیل سے ثابت ہوتا ہے جو سلطانِ غرناطہ محمد ثالث کے لیے بنی تھی اور اس وقت تک میڈرڈ میں موجود ہے۔ اُسکے کام کی نزاکت کو صرف اُسی قسم کے وہ کام پہونچ سکتے ہیں جو دمشق وقاہرہ میں بنتے ہیں۔ بار بار وہی عربی الفاظ پڑھنے آتے ہیں جو اُسپر کندہ ہیں یعنی سلاطین غرناطہ کا طغرا ”لَا فَاتِحَ اِلَّا ہوالْفَاتِحُ اللہ“۔ ہم قرطبہ کی محلسراؤں کے برنجی کواڑوں کا ذکر پہلے کر چکے ہیں۔ اور اُنکے کچھ اجزا، اس وقت تک اسپین کے کیتھیڈرل میں دکھائی دیتے ہیں۔ ہر آدمی نے طلیطلہ کی تلواروں کی دھاروں کا ذکر سنا ہوگا۔ اور اگرچہ فولاد کو صیقل کرنے کا کام اسپین میں عربوں کے حملے سے زیادہ قدیمی ہے مگر طلیطلہ کے اسلحہ سازوں کی ہنرمندی کو قرطبہ کے خلفا وسلاطین نے گودوں میں پالا۔ المریہ۔ اشبیلیہ۔ مرسیا۔ اور غرناطہ بھی اسلحہ اور ہتھیاروں کے لیے مشہور مقام تھے۔ چودھویں صدی میں ڈان پڈرو کے وصیت نامہ میں یہ درج تھا۔“ میں اپنے بیٹے کو اپنی قسطلن تلوار بھی عطا کرتا ہوں جسکو میں نے اشبیلیہ میں بنوایا تھا“ اور زر و جواہر سے مرصع ہے“۔ علوم وفنون وتہذیب میں مسلمانوں کا شہر قرطبہ فی الحقیقت“ ساری دنیا کا سب سے زیادہ جھگلا و پُر رونق تھا“

نواں باب

وزیر اعظم

عبد الرحمن ثالث بنی اُمیہ میں سے قرطبہ کا آخری بڑا بادشاہ تھا۔ اُسکا بیٹا حکم کتاب کا کیڑا تھا۔ اور اگرچہ کتاب کے کیڑے بجائے خود نہایت کارآمد ہوتے ہیں مگر اکثر بڑے حکمراں نہیں ہوتے۔ بادشاہ کی تعلیم جسقدر کی جائے وہ تھوڑی ہے اگر وہ اس عالم کی ہر چیز کو جانے تو زیبا ہے۔ اور اگر قرطبہ کے متعدد سلاطین کی طرح اپنی فرصت کے گھنٹوں کو موسیقی و نظم میں صرف کرے تو بھی روا ہے۔ لیکن اُسکو یہ نہیں چاہیے کہ اپنے آپ کو کتب خانے میں دفن کر دے یا لڑائیوں سے زیادہ ترقلمی کتابوں کا خیال رکھے یا اپنی دل شکستہ رعایا کے شیرازۂ جمعیت کو درست کرنے پر کتابوں کی عمدہ جلد بندی کو ترجیح دے۔ لیکن حکم نے تو یہی کیا تھا۔ وہ کمزور آدمی نہ تھا اور نہ اپنی جوابدہی سے غافل تھا۔ لیکن وہ اس قدر کتابوں کے مطالعہ میں محو رہتا تھا کہ اُسکے پاس جنگ کی نام آوریوں کا خیال پھٹکنے نہیں پاتا تھا۔ اور اُسکی دوسری دل لگی جو تعمیر عمارت سے عبارت ہے اسقدر اُسکے میلان کتب بینی سے ملتی جلتی ہوئی تھی کہ اُس میں بھی صناعی کا مذاق شامل تھا جو کثر علم ادب کے مذاق کے ساتھ متحد ہوا کرتا ہے۔ حکم کی صلح جو و مطالعہ پسند طبیعت نے سلطنت کو کچھ بڑا نقصان نہیں پہونچایا۔ آخر بڑے باپ کا بیٹا تھا اُس میں اپنے باپ کا بہت کچھ اثر تھا۔ چنانچہ جب لیون کے عیسائیوں نے اپنے عہدناموں کی تعمیل نہیں کی تو اپنی فوجوں سے اُنپر چڑھائی کی۔ اور اُسکے باپ نے جو ہیبت اُنپر پھیلائی تھی وہ ایسی زبردست تھی اور اُسکی بے پناہ قوت کا ایسا عالمگیر اثر پھیلا ہوا تھا کہ شمال کے عیسائی رؤسا نے اس بات پر اپنے سر جھکا دیئے کہ حکم اُنکے معاملات میں دست اندازی کرے اور

اُن میں سے ایک تو قرطبہ بھی آیا اور خاک مذلت پر سر ارادت رکھکر سلطان سے تاج بخشی کی عاجزانہ التجا کی۔ بہت جلد کُل فریقوں کے درمیان صلحنامے تکمیل ہو گئے اور حکم کو اپنے شہرۂ آفاق کتب خانے کے جمع کرنے کی مہلت ملی۔ اُس نے کمیاب قلمی کتابیں خرید کر قرطبہ لانے کے لیے ملک مشرق کے ہر حصہ میں اپنے ملازموں کو روانہ کیا۔ اُسکے نائب قاہرہ ودمشق وبغداد میں برابر کتب فروشوں کی دوکانوں پر کمیاب نسخے سلطان کے کتب خانے کے لیے ڈھونڈھا کرتے تھے۔ جو کتاب کسی قیمت پر نہیں مل سکتی تھی اُسکو نقل کراتا تھا۔ اور بعض اوقات اگر وہ ایسی کتاب کا حال بھی سُن پاتا تھا جو صرف کسی مصنف کے دماغ میں ہوتی تھی تو وہ اُسکے پاس معقول ہدیہ بھیجکر یہ درخواست کرتا کہ اُس ذہنی کتاب کا پہلا نسخہ قرطبہ روانہ کیا جائے۔ ایسی تدبیروں سے اُس نے تھوڑی نہیں بلکہ چار لاکھ کتابیں جمع کیں اور وہ بھی ایسے زمانے میں کہ چھاپے کا نام تک نہ تھا۔ اور ہر نسخہ مشقت اُٹھاکر عمدہ وصاف خط میں پیشے والے کاتبوں سے لکھوانا پڑتا تھا۔ لیکن صرف یہی نہ تھا کہ اتنی کتابیں اُسکے پاس تھیں بلکہ اکثر کتابیں جمع کرنے والوں کے برخلاف اُسکی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ اُس نے یہ سب کتابیں مطالعہ کیں اور اُن پر حاشیے لکھے تھے۔ وہ ایسا عالِم تھا کہ جو حاشیے اُس نے لکھے تھے اُنکی زمانہ بعد کے اہلِ علم بڑی قدر کرتے تھے۔ اور اُسکے کتب خانے کے اک بڑے حصے کا بربروں کے ہاتھوں سے تلف ہونا عربی علمِ ادب کے لیے نہایت سخت نقصان کا باعث ہوا۔

خلیفۂ اعظم کے ایک جانشین کے لیے تو ممکن تھا کہ اپنے باپ کی نام آوری کی بدولت آرام کرے اور گوشۂ عافیت میں بیٹھکر اُدھر کتب بینی میں مشغول رہے اور اُدھر باہر کے دشمن نئے سرے سے حملے کرنے کی تاک میں رہیں۔ لیکن ایسے دو بادشاہوں کا وجود اُس بڑے کام کو جسکی عبدالرحمٰن نے تکمیل کی تھی تباہ کرنے والا اور قرطبہ کی سلطنت کو پھر ویرانی وپستی کی حالت میں پہونچانے والا تھا۔ حکم ثانی نے چودہ سال صرف ملک رانی کی

اور اُسکا بیٹا ہشام ثانی جس وقت مسندِ خلافت پر بیٹھا تھا بارہ برس کا لڑکا تھا۔ اگر اِس کمسن سلطان کو معقول آزادی نصیب ہوتی تو وہ کیا ہوتا؟ اسکو کوئی شخص نہیں بتا سکتا۔ لیکن تحریریں بتاتی ہیں کہ بچپن میں اس سے ذہانت و خوش فہمی کے آثار ظاہر ہوتے اور اپنے دادا کے پچھلے نقشِ قدم کی پیروی کے جلوے نمایاں معلوم ہوتے تھے۔ لیکن حکم کی سہل انگار عالمانہ حکومت نے اُسکے فرزند و جانشین کے لیے اصلی اقتدار کا موقع باقی نہیں رکھا تھا۔ جس عرصہ میں کہ علم کا شایق سلطان شوق سے قلمی نسخوں کا مقابلہ کرنے یا کسی کاتب و جلد بند کو خاص حکم دینے میں مصروف تھا سلطنت کے بڑے بڑے افسر آہستہ آہستہ اُس درجہ کا اقتدار حاصل کرتے جاتے تھے جسکو عبد الرحمن ثالث فوراً روک دیئے ہوتا۔ حریم خلافت کی خاتونوں نے بھی ملک کے انتظام میں دخل دینا شروع کیا۔ عبد الرحمن نے اپنی بی بی کو خوش کرنے کے لیے ایک شہر تو بنا دیا تھا لیکن اگر زہراؔ اُس سے یہ کہہ بیٹھتی کہ فلاں شخص کو کوتوال مقرر کر دو تو وہ سخت حیرت میں آ جاتا۔ لیکن جس وقت حکم کا انتقال ہوا تھا حریم خلافت کا اقتدار بہت زوروں پر تھا اور کمسن خلیفہ ہشام کی ماں ملکہ اعرودہ سلطنت میں سب سے زیادہ مہتم بالشان شخص سمجھی جاتی تھی۔ مگر اُسکے چاہیتوں میں سے ایک شخص ایسا تھا جو بہت جلد اُس سے بھی زیادہ صاحبِ اقتدار ہونے والا تھا۔ یہ شخص اک نوجوان آدمی ابن ابی عامر نام تھا لیکن (چونکہ یہ کسی قدر پھیر کا نام ہے) ہم اُسکو اُسی خطاب سے یاد کریں گے جو اُس نے بعد کو عیسائیوں پر بہت سی فتحیں پانے کی وجہ سے اختیار کیا تھا یعنی المنصور۔ منصور کی زندگی اس طرح شروع ہوئی کہ وہ قرطبہ کے دار العلوم میں جہاں اُسکا باپ اک اچھے مگر بے رسوخ خاندان کے ذی علم فقیہ ہونے کی حیثیت سے روشناس تھا۔ اک ناپرسان طالب علم تھا۔ مگر اس نوجوان کی یہ نیت نہ تھی کہ اپنی حوصلہ مندی کو اُسی فقاہت کے عروج تک محدود رکھے جو اُسکے باپ نے حاصل کیا تھا۔ وہ طالب علمی ہی کی حالت میں اقتدار کے خواب دیکھا کرتا اور یقین کے ساتھ پیشینگوئی کیا کرتا تھا کہ میں کسی دن اندلس ک ہو جاؤں گا۔ بلکہ وہ اپنے

مدرسہ کے ساتھیوں سے پوچھا کرتا تھا کہ جب میں صاحبِ اقتدار ہوجاؤنگا تو تم کون سا عہدہ پسند کروگے؟ اور یہ امر لحاظ کے لائق ہے کہ جب اس کا وقوع ہوا تو وہ اپنے وعدے نہیں بھولا۔ اُسکی زندگی کے حالات اس بات کی ایک دلچسپ نظیر ہیں کہ جراٗت و ذہانت و خودغرضی اک اسلامی سلطنت میں کیا کچھ کرسکتی تھی۔ جہاں فطانت و طبّاعی کے لیے اقتدار تک پہونچنے کی راہیں کُھلی ہوئی تھیں چاہے ابتدا کیسی ہی بے اُمید کیوں نہ ہوئی ہو۔ المنصور نے جو پہلے پہل دربار کے ملازموں کی محض بطور پیشے کے خطوط نویسی کیا کرتا تھا اعلیٰ حاجب کو اپنا مہربان بنایا۔ یہ حاجب وہ اقتدارات عمل میں لاتا تھا جو اس زمانے میں وزیر اعظم کے ہوا کرتے ہیں۔ اس تدبیر سے شدہ شدہ وہ دربار کے آس پاس کے چھوٹے چھوٹے عہدوں پر سرفراز ہوتا گیا۔ یہاں اُسکی فسوں ساز اداؤں اور عاقلانہ خوشامدوں کی وجہ سے حریم سلطانی کی خاتونیں اسپر نظرعنایت کرنے لگیں۔ خاصکر اعرورہ جو اس زرق برق نوجوان کے دام عشق میں گرفتار ہوگئی۔ شہزادیوں پر ڈورے ڈالنے اور اُنکے پاس پرشوکت تحائف (جنکے لیے بعض اوقات اُسکو بیت المال پر بھی ہاتھ ڈالنا پڑتا تھا) بھیجنے کے زور سے درجہ بدرجہ اعلیٰ عہدوں پر پہونچتا گیا۔ اور اکتیس سال کی عمر میں وہ چند عہدوں پر بیک وقت آرام کے ساتھ سرفراز تھا جن میں ولیعہد کے املاک کی تولیت ایک یا دو عہدے قضا کے اور فوج محافظ شہر کے ایک دستے کی سپہ سالاری بھی شامل تھی۔ اُسکے اخلاق، اُسکی مسرفانہ سخاوت، اور اُسکی اُس عنایت کا جادو جس کے ساتھ وہ مصیبت زدوں کی دستگیری کرتا تھا ہر شخص پر چل جاتا تھا۔ اُس نے پہلے ہی سے کثیر التعداد اشخاص کو جن میں سے بعض اعلیٰ رُتبے کے بھی تھے اپنے ساتھ وابستہ کر رکھا تھا۔ اور جب خلیفۂ حکم کی وفات نے اعرورہ کو کم عمر خلیفہ کی ماں ہونے کی وجہ سے بہت بڑا اقتدار بخشا تو المنصور کو وہ موقع ہاتھ آگیا جسکی ضرورت اپنی قوت جتلانے کے لیے اُسکو تھی۔ اِن دونوں نے باہم مل کر کارروائی کی۔ بچہ ہشام رقیب دعویدار سلطنت کو قتل کیا اور

صرف اسی ذریعے سے اُسکو تخت پر بٹھلایا۔ اور اس تدبیر سے سرعت کے ساتھ محل کے غلاموں کی سازش کو دبایا جو ہشام کی تخت نشینی پر چون وچرا نہیں کر سکتے ہیں" اس وقت افسر سلطنت مصحفی نامہ حاجب تھا جس نے المنصور کو ابتدا اسکے پہلے زینے پر پاؤں رکھنے میں مدد دی تھی۔ منصور مستعدی کے ساتھ اپنے افسر کی حکمت عملی پر شریک ہوا۔ غلاموں کے دبائے جانے کے بعد جن میں سے اکثر جلاوطن کردیئے گئے ان دونوں افسروں کو قرطبہ والوں میں بہت نیکنام بنادیا اس لیے کہ یہ اُن بیرونی کرایہ کے لوگوں سے دلی نفرت رکھتے تھے۔ مگر دونوں افسروں کا یہ اتحاد تھوڑی ہی مدت تک رہا۔ منصور کو جب حاجب کے دُور دفع کرنے کی راہ مل گئی تو وہ بے پس و پیش اسپر کمربستہ ہوگیا۔ لیکن سب سے پہلے اُسکو ضرور تھا کہ خود اپنی نیکنامی کو زیادہ بڑھائے فوراً ہی ایک موقع مل گیا۔ جسکو اس نوجوان افسر نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ شمالی سرحدوں پر عیسائی بدفعلی کرنے لگے تھے اور مصحفی حاجب چونکہ سپاہی نہ تھا اُسکو نہیں معلوم تھا کہ انکی زیادتیاں کیونکر رد کی جائیں۔ المنصور بھی جو پہلے قاضی و محتسب تھا حاجب سے کچھ سپہگری میں بڑھکر نہ تھا۔ لیکن وہ ایک تندرست و توانا پُرانے خاندان کا آدمی تھا۔ اور اُسکے اسلاف اُن معدودے چند عربوں میں سے تھے جو ہسپانیہ کے پہلے حملے میں طارق اور اُسکے بربریوں کی رفاقت میں تھے۔ بغیر اسکے کہ لمحہ بھر بھی پس و پیش یا اپنی ذات پر بے اعتمادی کرے وہ اُٹھ کھڑا ہوا کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں میں فوج کشی کروں گا۔ لیون پر جو حملہ اُس نے کیا اُس میں ایسی کامیابی اُسکو نصیب ہوئی اور سپاہیوں کے ساتھ ایسی فیاضی کے ساتھ پیش آیا کہ جب وہ قرطبہ کو واپس آیا تو نہ صرف فتحمند اور اہل قلم سپہ سالار بلکہ فوج کا محبوب و پروردگار۔

شمال کے عیسائیوں سے ایک دوسری جنگ بھی کی گئی جس میں واقع میں تو فوج کی سپہ سالاری غالب نے کی جو سرحدی فوجوں کا افسر اور بہادر آدمی تھا جسکو منصور نے

پہلا کیسے اپنا دوست بنا لیا۔ غالب نے ایسی گرمجوشی کے ساتھ اسکا اظہار کیا کہ یہ فتوحات اُس نوجوان اہلِ قلم کی ذہانتوں کا ثمرہ ہیں۔ اور اُسکی دانائی کو اسقدر آسمان پر پہونچا دیا کہ ارکانِ سلطنت اور رعیت کو یقین آگیا کہ فقاہت کے جبہ میں فوجی لیاقت بھی ہے۔ [illegible] میں تھا بھی ایسا ہی — ان مسلسل کامیابیوں اور غالب کی حمایتوں سے قوی دل ہوکر المنصور نے حاجب کے بیٹے کو قرطبہ کی کوتوالی کے عہدے سے برطرف کیا اور اُسکی جگہ خود قائم ہوگیا۔ اور اس عمدگی سے اُس نے اس عہدے کو انجام دیا کہ اُس شہر کو کبھی ایسا امن اور قانون کو کبھی ایسی سنفاذ حکومت نصیب نہ ہوئی تھی۔ خود اُسکے بیٹے یہ خلاف ورزیِ قانون کے سبب سے اسقدر دُرّے پڑے کہ اُسکی جان جاتی رہی۔ اُسکا باپ جونیس بروٹس کی طرح قانون کے عملدرآمد میں کوئی استثناء جائز نہیں رکھتا تھا۔ حکمتِ عملی اُسکی تمام آدمیوں پر اثر کرہ ہوئی۔ وہ پہلے سے سپاہیوں کے دلوں کو ہاتھ میں لاچکا تھا ہی۔ اب اس نے پابندِ شرع شہریوں سے بھی اپنا کلمہ پڑھوا لیا۔ اب بڑے جوڑ توڑ کا وقت پہونچ گیا۔ اُس نے حاجب کو غالب سے ایسی ہوشیاری کے ساتھ لڑا دیا کہ اُس چوٹ کھائے ہوئے ہتھیار بند سپاہی اور اُس بے زور اہلِ قلم وزیر اعظم کے اقتدار رکھنے والے کے درمیان جو خفیف سا رخنہ پہلے سے موجود تھا وہ بہت وسیع ہوگیا اور غالب کو بھڑکا کر اُس رشتہ کو توڑ ڈالا جو حاجب دونوں خاندانوں کے اتحاد کے لیے باہم قائم کرنا چاہتا تھا۔ اور بجائے اُسکے غالب کی بیٹی کی نسبت خود اپنے ساتھ کرالی اور اُس بوڑھے وزیر کو اس ذریعے سے اخیر میں یہ صدمہ پہونچایا۔ ۹۷۸ء میں جبکہ حکم کو مرے ہوئے صرف دو سال ہوئے تھے المنصور شاطرانہ چال چلکر ایسی حالت میں پہونچ گیا کہ مصحفی پر بیت المال کی خیانت کا الزام جو کافی وجوہ سے خالی نہ تھا قائم کیا اور اُسکو گرفتار کرایا۔ مقدمہ چلایا اور سزا دلوائی۔ پانچ سال تک وہ حاجب جو کبھی برسرِ اقتدار تھا المنصور کے قدموں کے نیچے ذلیل و خوار رہا اور غایت درجے کے افلاس و عسرت کی حالت میں

داروغۂ مجلس کا پھٹا پرانا چیتھا پہنے ہوئے زہر سے جو غالباً اسکے فاتح کی طرف سے تھا قید خانے ہی میں قیدِ ہستی سے رہا ہوگیا۔ ایسا ہی حال اُن سب لوگوں کا ہوا جو المنصور اور اُسکے حوصلوں کے درمیان حاجب تھے۔ ایسے زمانے میں کہ ہزاروں آدمی گھٹنے ٹیکتے ہوئے اُسکی عنایت کے امیدوار آتے تھے اور ایسے دَور میں کہ لیون کا معزول بادشاہ تک اُسکے ہاتھوں پر عاجزانہ بوسہ دینے کا خواستگار ہوا تھا ایک نوجوان نو دولت نے جسکی خاندانی نارسائی نے اُسکی فطانت کو دبایا نہیں تھا اقتدار و شوکت کے کنگرے سے خاک مذلت پر پٹک دیا۔

جس دن اس حاجب کی رسوائی ہوئی تھی اُسی دن المنصور اُسکی جگہ پر قائم ہوگیا۔ اور اب وہ اقتدار کی چوٹی تک پہونچ گیا۔ اور عملاً سارے اسلامی اسپین کا حکمران ہوگیا۔ اندلس کا انتظام خلیفۂ کونسل کے مشورے سے کرتا تھا۔ لیکن المنصور نے خلیفہ کو اُسکے حرم میں دفن کر رکھا تھا۔ اب رہا اُن وزرا کا کونسل جو معاملاتِ سلطنت میں مشورہ دیتے وہ فقط المنصور کی ذاتِ واحد سے عبارت تھا۔ اس لیے کہ کُل عہدوں کو اُس نے اپنی ذات میں جمع کرلیا تھا۔ یہ اپنی محلسرا سے جو والی شہر میں تھی ساری سلطنت پر حکمرانی کرتا تھا فرمان و اعلان اُسی کے نام سے جاری ہوتے تھے۔ ممبروں پر اسی کے لیے دعائیں کیجاتی تھیں۔ اور سکّوں کو اسی کے نام سے زینت دیجاتی تھی۔ اور وہ زریں بافتہ کا وہ خلعت بھی پہنتا تھا جو اُسی کے نام سے بُنے جاتے تھے۔ اور بادشاہوں کے لیے مخصوص تھے۔ باانہمہ وہ اپنے دشمنوں کے حملوں سے محفوظ نہ تھا۔ حوصلہ مندی کے ساتھ اُسکے خطرے بھی ہوا کرتے ہیں اور جو لوگ پاؤں تلے مسلے جاتے ہیں وہی اُلٹ پڑتے اور اپنا انتقام لے لیتے ہیں۔ المنصور کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ جس زمانے میں محل کے غلام جانشینی کے تبدل کی تدبیریں کررہے تھے المنصور نے اُن میں سے ایک کو سرسری طور پر برخاست کردیا تھا۔ اُس نے المنصور کے مار ڈالنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی اور خود مجرم معہ بہت سے صاحبِ رسوخ لوگوں

کے جنھوں نے اس سازش میں اعانت کی تھی گرفتار ہوا۔ سب پر مقدمہ قائم ہوا اور سب کو پھانسی دی گئی۔

المنصور اُس وقت قرطبہ میں سب سے بالادست تھا۔ اس لیے کہ نوجوان خلیفہ سے کوئی علامت اس بات کی ظاہر نہ ہوئی تھی کہ جو بندی اُس پر کی گئی ہے اُس سے رسیاں توڑانا چاہتا ہے اور حریم خلافت کی ملکہ یعنی اعرورہ ابھی تک اس وزیر اعظم کی دوست تھی۔ صرف ایک ہی آدمی ایسا رہ گیا تھا جو المنصور کے ساتھ ایک طرح کی برابری کا دم بھرتا تھا اور یہ اُسکا سسر غالب تھا۔ فوج والے المنصور کو پسند کرتے تھے اور اُس نے جو عیسائیوں کے مقابلے کی جنگوں میں بغیر فوجی تجربے کے سپہ سالاری کی تھی اس سے وہ اسکی جرأت کو نگاہ حیرت سے دیکھتے تھے لیکن غالب کے عاشق زار تھے اور اُس کی پرستش کرتے تھے اس لیے کہ وہ سچے سپاہی کا نمونہ تھا۔ سپہگری ہی میں اُس نے تعلیم و تربیت پائی تھی اور ذاتی قوت میں مغلوب ہونے والا نہ تھا۔ اس وجہ سے غالب اُسکا خوفناک رقیب تھا۔ اور غالب کا دفع کیا جانا ضرور تھا۔ وزیر اعظم نے اس کام کو اپنے معمولی استقلال کے ساتھ خموشی کے ساتھ کرنا شروع کیا۔ جس کام کو یہ اپنے ذمے لیتا تھا اُسکو کمال لازوال اطمینان اور کوہ تمثال مرضی سے انجام دیتا تھا۔ اُسکے اس خاصۂ طبعی کا ثبوت ایک دن نہایت مؤثر طور پر اس طرح ظاہر ہوا کہ وہ وزراء کی مجلس شوریٰ میں بیٹھا ہوا تھا۔ سب لوگ بعض عمومی مسئلے پر بحث کر رہے تھے کہ دفعتاً گوشت کے جلنے کی بو کمرے میں پھیلی۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وزیر کی ٹانگ سرخ لوہے سے داغی جا رہی تھی۔ اور وہ اطمینان کے ساتھ معاملات ریاست پر بحث کر رہا تھا!! ایسے آدمی کو کسی روک کے ہٹانے میں چاہے وہ غالب ہی کیوں نہ ہو کوئی دقت نہیں ہوسکتی ہے۔ وہ بڑی ہوشیاری سے اپنی بازی بچھاتا تھا اور وہ کبھی پٹ نہیں پڑتی تھی۔ جب اُسکی تدبیریں ذرا حد سے زیادہ سخت ہوتی تھیں جنکو عامۂ خلائق فوراً مان نہیں سکتے تھے تو وہ ہمیشہ پہلے سے ایسی چال سوچ رکھتا تھا جس سے

عوام الناس راضی ہو جائیں۔ چنانچہ جب متعدد سربر آوردہ لوگوں کی بغاوت اسکے قتل کے اقدام کی طرف منجر ہوئی جس کا ذکر اوپر کیا گیا تو اُس نے دیکھا کہ متشرع و فقہاء کی جماعت بھی اُسکے دشمن ہیں اُس نے بلا توقف اُنکے ملا لینے کی تدبیریں کیں۔ اُس نے بڑے بڑے مستند فقہا کو بلوا کر ایک مجلس منعقد کی اور اُنسے درخواست کی کہ فلسفہ کی جتنی کتابوں کو آپ خطرناک و زندقہ پھیلانے والی سمجھیں اُنکی ایک فہرست تیار کریں۔ سلمانان اندلس مذہب کی سخت پابندی میں مشہور تھے اور فلسفیوں کے ساتھ نہایت بُری طرح پیش آیا کرتے تھے۔ لہذا فقہا نے فوراً اس کا فیصلہ کر دیا اور قابل تلف کتابوں کی فہرست مرتب کر ڈالی۔ المنصور نے علی رؤس الاشہاد اُنکو جلا دیا۔ اگرچہ واقع میں وہ خود وسیع النظر اور پورے طور سے فلسفیانہ بے تعصب خیال کا آدمی تھا لیکن اس سیدھی سادہ تدبیر سے اُس نے اپنے آپ کو حامیِ دین بنا لیا۔ اور فقہا اُسکے خلاف میں سازش کرنے سے باز آ گئے۔

جس آدمی کو ایسی نت نئی تدبیریں سوجھتی ہوں اُسکو غالب سے پیچھا چھوڑانے میں کچھ زیادہ دقت نہیں ہو سکتی تھی۔ پہلے تو اُس نے فوجی اصلاحیں شروع کیں جن کے ذریعے سے اُس نے سردارانِ فوج کے شخصی اقتداروں کو گھٹایا اور سپاہیوں کو اپنا ویسا ہی مطیع و جاں نثار بنا لیا جیسے وہ پہلے اپنے دستے کے کپتانوں کے تھے۔ اس کام کو اُس نے اس طرح سے پورا کیا کہ نئے سپاہیوں کی افریقیہ اور شمال کے عیسائیوں میں سے بھرتی کی یہ لوگ بلا شبہ ہر عنصر میلان سے خالی اور ہر خاص سلمان سپہ سالار کی اطاعت کرنے کو آمادہ تھے۔ اور جب ان لوگوں نے سمجھ لیا کہ المنصور کشادہ دل آدمی ہے اور بار بار کے ثبوت سے اُنکو یقین آ گیا کہ اس میں فوجی قابلیت ہے تو بہت جلد اُسکے شیفتہ و فریفتہ ہو گئے وہ فوج کی قواعد لینے میں تو نہایت ہی سخت تھا اور اُسکی نسبت مشہور تھا کہ جو کوئی خلاف ورزی کرتا ہے اُسکا سر اُسی کی تلوار سے اُڑا دیتا ہے اس لیے کہ وردی سے آراستہ صفوں میں لوگوں نے ایسے وقت تلواریں چمکتے دیکھی تھیں جب اُنکو نیام میں رہنا چاہیے تھا

لیکن باوجود اسکے کہ فوجی قواعد تہذیب کے امور میں نہایت ہی سخت تھا۔ جب تک اُسکے سپاہی عمدگی سے لڑتے اور امن سے رہتے اُنکو اپنے بیٹوں کے برابر سمجھتا تھا۔ اُسکا دستور حد سے بڑھا ہوا ہے۔ ایک مرتبہ یہ چھاؤنی میں بیٹھا ہوا تھا کہ اُس نے دیکھا کہ میرے سپاہی حواس باختہ بھاگے اور عیسائی اُنکا تعاقب کرتے آرہے ہیں۔ فوراً تخت سے اُتر پڑا۔ سر سے خود اُتار کر پھینکدیا اور خاک پر بیٹھ گیا۔ سپاہی اپنے سپہ سالار کے اسطرز و انداز کو سمجھ گئے اور فوراً اُلٹ پڑے۔ عیسائیوں کے سر ہوگئے۔ اُنھیں شکست دی۔ اور لیون کی گلیوں تک بھی اُن کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ علاوہ اسکے جس شخص نے پچاس کامیاب جنگیں شمال کے عیسائیوں سے کی ہوں اُس سے بڑھکر اور کون شخص سپاہیوں کو مال غنیمت کے ذخیروں تک پہونچا سکتا تھا۔ جو فوج کہ اس طرح نئی بھرتی کے لوگوں سے قائم ہوئی تھی اپنے آقا کی مطیع و جاں نثار بن گئی اور غالب اور اُسکے پُرانے سرحدی سپاہی سرعت کے ساتھ مغلوب ہوگئے۔ خود غالب نے ایک لڑائی میں وفات پائی۔ ایک اور سردار سے جسکا نام جعفر اور جو مغرب کا رئیس تھا المنصور کے امن میں خلل کا اندیشہ ہوا اس لیے کہ سپاہیوں میں حد درجہ نیکنام تھا۔ فوراً اُسکو وزیر پُرتدبیر کے گھر میں دعوت دی گئی اور خوب شراب پلوائی گئی۔ جب گھر جانے لگا تو راستہ ہی سے دار آخرت پہونچا دیا گیا۔ المنصور کی دغابازی و خوں ریزی کی یہ کوئی تنہا نظیر نہ تھی۔ ایسے ہی کاموں کی وجہ سے وہ ہیرو (نام آور) کے خطاب کا مستحق نہیں ہے اور نہ اُسکا پسند کرنا ممکن ہے ورنہ اُسکے بہت سے اعلیٰ و نمایاں صفات اُسے ہیرو کے درجے تک پہونچاتے ہیں تاہم باوجود اپنی ساری سختیوں اور بے ایمانیوں کے المنصور نے اندلس کو عظمت کی اُس انتہائی بلندی پر پہونچا دیا جس کا تصور خلیفۂ اعظم عبدالرحمٰن ثالث نے بھی نہیں کیا تھا۔ جن اثنا میں کہ اُن معاند فرقوں کو جو قرطبہ میں باقی رہ گئے تھے چپ چاپ و بے اقتدار بنا کر بٹھائے ہوئے تھا۔ اور جس اثنا میں کہ یہ دیکھکر کہ قرطبہ کے لوگ اپنے نوجوان خلیفہ کے خلوت نشین

بنا دیئے جاتے تھے جن میں پیدا اور آخر ... علماء کی جماعت (جو المنصور سے تنگ آ گئی اور اس سے حسد کرنے لگی
تھی) ایسے ... اور ... کہے جاتے ہیں۔ لوگوں کو راضی کرنے کے لئے قرطبہ کی بڑی مسجد میں پُرشوکت
اضافے کر رہا تھا اور ... کہ وہ خلیفہ پر اپنے ... کا بوجھ ڈالے ہوئے تھا اور جبکہ ... کہ
انتظامِ مملکت کے ہر شعبے میں ایسی ... پر نگاہ رکھتا تھا کہ کوئی شے اس سے بچ نہیں سکتی
تھی اور ... وہ ... کی ترقی میں بھی کچھ کم وقت صرف نہ کرتا تھا —— یعنی ان تمام مشاغل
مشغلوں کے درمیان اس ... آدمی نے ... کے ساتھ جنگ کی
اور ... کی سلطنت کو ساحلِ بحر تک پہنچا دیا۔ اور سال میں دو مرتبہ بہار و خزاں کے موسم
ایک امرِ لازمی کے طور پر اپنے سپاہیوں کو لیون و قشتالہ کے عیسائیوں سے لیجاکر لڑاتا تھا۔
علم والے آدمی کی طرح وہ اپنی تلوار کے ساتھ اپنی کتابیں بھی لیجاتا تھا اور اُسکی کتابیں
اُسکے شعراء تھے جو ہمیشہ لڑائیوں میں اُسکے ساتھ رہتے تھے۔

کبھی کوئی سپہ سالار اسقدر پے بہ پے فتحیاب نہ ہوا ہوگا۔ المنصور نے اپنے مضبوط
پردیسیوں اور نیز بہت سے ایسے عیسائیوں کی مدد سے جنکو اسکے ناموَر کا لالچ اور مالِ غنیمت
کی یقینی امید کھینچ لاتی تھی شمال کے کُل حصوں کو تہ و بالا کر دیا۔ اُس نے لیون کو لے لیا۔
اور اُسکی بہت موٹی دیواروں اور برجوں کو زمین کے برابر کر دیا۔ اُس نے برشلونہ پر
قبضہ کر لیا۔ اور سب سے بڑھکر یہ کیا کہ جلیقیہ کے دروں میں گھس جانے کی جراءت کی
اور سنتیاگو ڈی کمپوسٹیلا کے شوکت دار گرجے کو جو بیشمار زیارتوں کا مرکز اور گویا یورپ
کا کعبہ بنا ہوا تھا ڈھا کر خاک میں ملا دیا۔ لیکن سینٹ جیمس کی درگاہ جہاں بہت سی کرامتیں
اُس ولی کے تبرکات کے موجود رہنے کی شہادت دیتی تھیں چھوڑ دی گئی۔ بیان کیا گیا ہے
کہ جب یہ فاتح اس ویران شہر میں داخل ہوا تو اُسکے سارے رہنے والوں میں سے صرف
اک تنِ تنہا راہب کو پایا جو اُس مقدس درگاہ کے سامنے عبادت میں مشغول تھا۔ المنصور
نے اُس سے پوچھا کہ تو یہاں کیا کر رہا ہے؟ اُس بوڑھے راہب نے جواب دیا کہ میں اپنی

اپنی ثنا پڑھ رہا ہوں۔ فوراً اُسکو بان کی امان دی گئی اور اُس درگاہ کے ہر طرف پہرا بٹھلا دیا گیا تاکہ سپاہیوں کی زیادتیوں سے جو شہر کی ہر چیز کے تباہ و برباد کرنے پر تُلے ہوے تھے درگاہ اور راہب کو ضرر نہ پہونچے۔ المنصور واقع میں "المنصور" یعنی فتحمند کے لقب کا جو انھیں جنگوں میں سے ایک کے بعد قبول کیا گیا تھا پورا مستحق تھا۔ جب تک اُسکی فوجیں تنہا ہی چڑھائیاں کرتی رہیں عیسائی روسا بے دست وپا رہے اور لیون اور اُسکے پڑوس کا ملک قرطبہ کی سلطنت کا محض اک باجگزار علاقہ رہا۔ قشتالہ۔ برشلونہ۔ اور النوار کو باربار ات و مرات شکستیں ہوئیں۔ اس نے خود دارالسلطنتوں یعنی لیون۔ پمپلونہ۔ برشلونہ۔ اور نیز سینٹیاگو ڈی کمپوسٹیلا کو لیلیا تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے النوار کے بادشاہ سے ہاتھ جُڑوائے۔ اس لیے کہ اس نہ سننے والے وزیر کو معلوم ہوا تھا کہ اُسکی سلطنت میں ایک مسلمان عورت مقید ہے۔ وہ فوراً رہا کردی گئی اور اس غفلت کی بہت ہی معذرتیں کی گئیں۔ ایک اور دفعہ عیسائیوں نے عقب میں اک ایسے مورچے پر قبضہ کرکے جسکا توڑنا ممکن نہ تھا المنصور اور اُسکی فوج کی قرطبہ واپس جانے کی راہ روک دی۔ مگر اُسکا دل کیا دہتا تھا اُس نے اپنے سپاہیوں کو آس پاس کے علاقوں پر حملے کرکے چھیڑ لینے اور زراعت کرنے کے آلات جمع کرنے کا حکم دیا۔ فوراً عیسائیوں نے (جو حملہ کرنے کی تو جرأت نہیں رکھتے تھے مگر یہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کو ہمنے قبضے میں کرلیا ہے) اُنکو دیکھا کہ اطمینان کے ساتھ بارکیں بنا رہے ہیں اور استقلال کے ساتھ زمین کو جوت بو رہے اور کاشت کے مختلف اغراض کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ جب عیسائیوں نے سخت حیرت میں آکر پوچھا تو اُن لوگوں نے نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا کہ "ہم آجکل گھر جانا مناسب نہیں سمجھتے کیونکہ دوسری لڑائی بہت جلد شروع ہی ہونے والی ہے۔ اس لیے اس تھوڑی سی مدت کے لیے ہمنے اپنی دلبستگی کا سامان کرلیا ہے!" عیسائیوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے دائمی قبضہ کا سامان ہو رہا ہے، تو سخت گھبرائے اور نہ صرف اپنے

مضبوط مورچے کو چھوڑ کر انھیں بے اندیشہ مال غنیمت ساتھ لیے ہوئے جانے ہی دیا بلکہ لوٹ کا سامان لے جانے کے لیے اپنے پاس سے باربرداری کے خچر بھی فراہم کر دیے!! المنصور یا انیہمہ اگرچہ آدمی سے مغلوب ہونے کے قابل نہ تھا مگر موت تو اس سے نہیں دبتی تھی۔ قشتالہ پر آخر فتحیاب چڑھائی کے بعد وہ سخت بیمار ہوا اور میڈی ناسیلی میں مرگیا۔ عیسائیوں کی اسکی وفات سے جیسی سبکدوشی ہوئی اسکا ثبوت رُہبان مورخ کے صرف اس سادہ جملے سے ہوتا ہے: "۱۰۰۲ء میں المنصور مرگیا اور جہنم واصل ہوا"

دسواں باب

بربریوں کا اقتدار

جن ملکوں میں عمدہ ترین نظم و نسق ہوتا ہے وہاں بھی جب وہ مرضی ہٹا لیجاتی ہے جو رابہر ہوا کرتی ہے، طوائف الملوکی ہوجاتی ہے۔ اور جو لوگ اسکے قائل ہیں کہ ملک پر عمدہ ترین حکومت وہاں کے لوگوں کی جماعت ہی (جمہور) کے ذریعہ سے ہوسکتی ہے انکے قوی دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کسی ملک کے لوگ ایک ڈوری کے سہارے پر چلیں گے تو جس وقت وہ ڈوری ٹوٹ جائے گی یا بوسیدہ ہوجائے گی تو لوگ ہکا بکا سے رہ جائیں گے کہ کدھر جائیں۔ بہرحال یہ اصول ایک بدیہی سچائی کا صرف عمومی بیان ہے اور اسکا صادق آنا بہت کچھ لوگوں کے اطوار پر منحصر ہے۔ بعض قومیں ایسی ہیں کہ انہیں ایک راہبر ڈوری کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور کوئی قوم ابھی تک ایسی نہیں ہوئی ہے جو ایک سب سے بالادست دماغ کی رہبری سے ہمہ وجوہ بے سروکار ہو۔ اور نہ ایسی بیسروکاری مناسب ہوگی تاوقتیکہ ہم سلطنت کی نسبت یہ خیال نہ کرلیں کہ اس میں جتنے آدمی ہوں سب کی عقل و فہم بلا فرق ایک ہی سی ہو۔ بہرصورت اندلس بغیر اپنے راہبروں کے

رہ نہیں سکتا تھا اور اُسکے راہبر کے مرتے ہی سلطنت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ جب "قیصر اعظم کا زوال ہوا اُسی وقت" میرا۔ تمہارا اور سب کا زوال آگیا"۔ اور اس کا سبب جس قدر ہمدردی نہ تھا اُس سے زیادہ عدم لیاقت تھا۔ باہم معاند فریقوں اور فرقوں کی کثرت نے مسلمانان اُندلس کی سلطنت میں اس امر کو ناممکن کردیا تھا کہ کوئی شے پائدار انتظام سلطنت کے مایہ قائم ہوسکے۔ اُندلس کے باہم متخالف مذاہبؔ اقوام کی عداوت کو صرف ایک قوی ہاتھ روک سکتا تھا۔ اور جن لوگوں نے آئرلینڈ کے طور کی تاریخ اور اُس ناقابل صلح عداوت پر غور کیا ہے، جو اُس مختلف فرقوں والے جزیرے کے شمال اور جنوب کے درمیان ہے وہ اس بات کو تسلیم کریں گے کہ عرب ہی صرف ایسی قوم نہ تھی جنکو مختلط اقوام و مذاہب پر ویسی بلاقلق حکومت کرنا ناممکن معلوم ہوا تھا جیسی کسی ایک قوم پر ہوتی ہے۔

اُندلس کی تواریخ اُس حد تک کہ ہمنے اُسکو بیان کیا ہے زمانے کے نشیب و فراز کا ایک سلسلہ ہے۔ سب سے پہلے ہماری نظر کے سامنے ایک زرق برق حملہ آتا ہے جو پیدائشی سپاہیوں کی سرکردگی سے محض غیر مترقب فتح پر تمام ہوا تھا۔ یہ جزیرہ نما اچھی طرح سے گویا فتح بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اُن مختلف عنصروں کے (جن سے حملہ آوروں کی جماعت مرکب تھی) باہمی حسد اور پھوٹ سے وہ لہلہاتی کھیتی ہی غارت ہوا چاہتی تھی جو تلواروں کی آب سے حاصل ہوئی تھی۔ تب ایک اور زور آور شخص۔ پیدائشی بادشاہ عبد الرحمٰن اول کی صورت میں آموجود ہوا اور اُندلس پھر بحسب ظاہر ایک مملکت بنگیا۔ فارس کے بادشاہوں کو خطاب کرنے کا بندھا ہوا طریقہ یہ تھا کہ "اوبادشاہ! تو ہمیشہ زندہ رہے" اور آدمی کو اس خیال کی رغبت ہوسکتی ہے کہ اگر یہ دعا قبول ہوجاتی تو ساری ملکی دقتیں حل ہوجاتیں بشرطیکہ جو بادشاہ عمدہ ہوتا وہی ابدی حیات کے لیے منتخب کیا جاتا۔ اندلس کا پہلا بادشاہ فطرتی طور پر حیاتِ ابدی لیکر نہیں آیا تھا اور اُسکی

موت کا وہی نتیجہ ہوا جو اک قوی دبانے والی قوت کے اُٹھ جانے سے ہمیشہ ہوا کرتا ہے یعنی لوگ پھر خانہ جنگی اور طوائف الملوکی میں مبتلا ہو گئے۔ مگر پھر ایک خدا کا چاہیتا بادشاہ قوم کو بلا سے چھوڑانے کے لیے آپہونچا۔ وہ کون تھا؟ خلیفۂ اعظم جس نے اپنے سارے قلمرو میں قانون و امن پھیلایا۔ حملہ آوروں کو مار کر نکالا۔ اور باغیوں کو پامال کیا۔ پچاس برس تک اُندلس امن و خوشحالی کا بہشت رہا۔ اگر یہ عبدالرحمن حیات دوامی پاتا تو اُندلس آج تک امن و عافیت میں رہتا۔ اور کبھی ہمارے کانوں میں یہودیوں اور مسلمانوں کے دق کیے جانے یا اِن کوئی زیشن کی ہیبت ناک کارروائی یا (اگر بہت چھوٹی باتوں پر بھی ہم آئیں) کارلسٹ کی آوازیں نہ پہونچی ہوتیں۔ مگر افسوس صد افسوس کہ ایسے خواب و خیال سچ ہو نہیں سکتے ہیں۔ لیکن خلیفۂ اعظم نے ملک کو بغیر راہبر کے نہیں چھوڑا تھا۔ اسپین کو دو مرتبہ تو بادشاہوں نے نجات دی اور اب اُس وزیر اعظم کی نوبت آئی جس نے سلطنت کو قائم رکھ لیا۔ المنصور مغلوب نہ ہونیوالا وزیر اس لائق تھا کہ جزیرہ نما کے ہر گوشے میں اُسکی بالادست مرضی کا اثر محسوس ہو مگر المنصور بھی فانی تھا اور جب اُس نے وفات پائی اور (جیسا کہ عیسائی راہب نے دینداری سے امید کی تھی) "جہنم واصل ہوا" تو وہ سرزمین جسکی خوشحالی و دولت اور جس کا کامل امن و حفاظت اُسی کی وجہ سے ہوئی تھی ساری معاند قوتوں کا شکار بن گئی۔ جنکو اُسکے آہنیں پنجے کے سوا اور کوئی چیز دبا نہیں سکتی تھی۔ اسّی برس تک اُندلس کو باہم حسد رکھنے والے سرداروں اور فرماکشی۔ عرب۔ غلام۔ اور اسپینی ستمگار و جنگجو ظالموں نے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا تھا۔ اور اگرچہ اختلاف کی بہت سی پُرانی جڑوں کو مرور زمانہ نے اُکھاڑا اور وہ باہمی حسد جو قبیلے کی نام آوریوں کی یاد سے پیدا ہوتے تھے بعض اوقات اس وجہ سے بھلا دیے جاتے تھے کہ لوگوں کے نسب کے شجرے ضایع ہو گئے تھے۔ تاہم اس قدر شخصی۔ قومی۔ و مذہبی رقابتیں اُندلس میں موجود تھیں جو اُندلس کو زمین ہی پر ایسا دوزخ بنائے ہوئے تھا

کہ اگر اب بھی مورخ اُسی کو المنصور کے دفن کے لیے پسند کرتا۔

اس وزیر اعظم کی وفات کے بعد چھ برس تک اُسکے بیٹے مظفر نے سلطنت کی ہیئت اجتماعیہ کو سنبھالا۔ اسکے بعد حریص قسمت آزماؤں، مُعاند فرماں رواؤں اور بے حیا عہدہ داروں کے طوفان شروع ہوئے۔ اسپینی جو بہرحال اُسی آبادی کا بہت بڑا حصہ تھے جس میں وہ پلے پُھلے ہوئے تھے یہ چاہتے تھے کہ اُنپر کسی بادشاہ کی حکومت ہو۔ وہ خاندان کو پسند اور بنی اُمیہ کے عظیم الشان خاندان پر تفاخر کرتے تھے۔ اک وزیر کی حکومت چاہے کیسی ہی عادلانہ وغیرہ کیوں نہ ہو اُنکے خیال کے موافق سلطنت نہ تھی۔ بادشاہ کو ضرور تھا کہ خود ہی حکومت کرے۔ اس لیے ان لوگوں نے المنصور کے دوسرے بیٹے کے خلاف میں بغاوت کی۔ لیکن اس شخص نے بھی اپنے تخت نشیں ہونے کے دعوے کو علی رؤس الاشہاد اعلان کرکے اُن لوگوں کو بھڑکایا اور اُن لوگوں نے اصرار کیا کہ خود خلیفہ عنانِ سلطنت اپنے کمزور ہاتھوں میں لے۔ اس بنا پر بدبخت ہشام اپنے حرم کی خلوت گاہ سے جہاں وہ تیس برس تک فرحناک قیدی رہا تھا کھینچ کر باہر نکالا گیا۔ اُس نے لوگوں سے الحاح وزاری کی کہ مجھ سے محالات کی درخواست نہ کرو۔ مگر کون سنتا تھا۔ لوگوں نے زبردستی اُس سے حکومت کرائی پر کرائی۔ اور جب ہر شخص پر صاف عیاں ہوگیا کہ یہ کمزور ادھیڑ آدمی شیرخوارہ بچے کی طرح مجبور و لاچار ہے تو لوگوں نے اُس سے تخت خالی کرایا اور اُسکے خاندان کے ایک اور شخص کو اُسکی جگہ میں بٹھلایا۔ مگر سچ پوچھو تو اندلس میں خاندانِ بنی اُمیہ کے دم توڑنے کے یہ سب سامان ہو رہے تھے۔ اسکے بعد بیس برس تک خلیفہ کے بعد خلیفہ بٹھلایا جاتا تھا۔ ایک قرطبہ والوں کی پتلی تھا تو دوسرا بربر کے غلاموں کا۔ تیسرا بربریوں کے ہاتھ کی مورت تھا تو چوتھا اشبیلیہ کے حکمراں کی حوصلہ مندیوں کا باتصویر پردہ۔ اور قصہ مختصر سب کے سب کسی نہ کسی فرقے کے مرغِ دست پرورہی تھے اور کسی میں بھی اصلی حکومت کے بال و پر نہ تھے محل کا ایوانِ خلافت

اچھا خاصہ مقتل بن گیا۔ ایک خلیفہ قتل کیا جاتا اور دوسرا بٹھایا جاتا تھا ایک بیچارہ
کمبخت غسل خانے کے آتشدان میں جا چھپا۔ لوگوں کو معلوم ہوگیا وہاں سے گھسیٹ کر
نکالا گیا اور اپنے جانشین کی آنکھوں کے سامنے جسکی باری بھی کچھ بہت دور نہ تھی ذبح کیا
گیا۔ ہشام ثانی وہ بیچارہ غریب جسکو المنصور اور ملکہ اصرار کرتے تھے دائمی طفولیت کی حالت
میں رکھ چھوڑا تھا مجبور کیا گیا کہ اس پتلیوں کے تماشے میں آکر شریک ہو۔ وہ دوبارہ بٹھایا
اور دوبارہ اُتارا گیا اور اُسکی پہلی قید جو مہ جبینان حرم کے جھرمٹ میں ریشمی زنجیروں کا حکم
رکھتی تھی اصلی تیرۂ و تاریک قید خانے کی دیواروں سے بدل گئی۔ لیکن یہ امر کہ اُسکا کیا
حشر ہوا، نامعلوم ہے۔ اُسکی عورتیں کہتی تھیں کہ وہ نکل بھاگا اور ایشیا یا مکہ میں پناہ گزیں
ہوا۔ اس بدحال خلیفہ کے نزدیک جو گوشہ گزینی و عبادت کا عاشق تھا تخت میں کچھ آپ
دلربائی نہ تھی اور ضرور اُس نے سمجھ لیا ہوگا کہ اندلس میں اُسکا موجود رہنا حریص بانیانِ دول
کے شور و غوغا کا ذریعہ ہے اور اس سے اور بھی نزاعیں زیادہ برپا ہوں گی۔ اسلیے یہ امر
طبعی معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے یہی پسند کیا ہو کہ اپنی زندگی کے دنوں کو اسلام کی مقدس
عبادت گاہ کے اندر عبادت میں گذار دے۔ ایک مفتری نے جو شکل و شباہت میں ہشام سے
بہت ہی مشابہ تھا اشبیلیہ میں اپنے آپ کو خلیفہ قرار دیا اور اُس شہر کے اقتدار والے
رئیس نے اُسکو اپنا سہل الحصول مورث بنا لیا۔ لیکن اصلی ہشام ہمیشہ کے لیے غائب
ہو چکا تھا اور پھر کبھی کسی شخص کو اُسکا حال معلوم نہ ہوا۔

اِسکا پتہ کہ اُن بدبخت شاہان بنی اُمیہ کی کیسی قسمت پھوٹ گئی تھی جو باری باری
سے خونخوار مُرتکبوں یا غلاموں کے ہاتھوں میں شطرنج کے نرد بنتے تھے اُس واقعہ سے
لگے گا جبکہ ہشام ثالث کے تخت سے اُتارے جانے کے وقت ظہور ہوا۔ شہر کے بڑے
لوگوں کے حکم سے یہ نرم دل و رحیم شاہزادہ معہ اپنے اہل و عیال کے ایک تیرہ و تار گنبد
میں ٹھونس دیا گیا جو قرطبہ کی جامع مسجد کے متعلق تھا۔ یہاں وہ بدنصیب خلیفہ اندھیرے گھپ

میں سردی و نمی سے ٹھٹھرا ہوا مغموم اور اُس مقام کی خراب ہوائے سموم اس شان سے بیٹھا ہوا تھا کہ اپنی چھوٹی سی اکلوتی بچّی کو سینے سے لگائے ہوئے تھا۔ اور اُسکے چاروں طرف اُسکی بیبیاں برائے نام کپڑے پہنے اور بال کھولے ہوئے زار و قطار رو رہی تھیں اور سارے بدن سے کانپ رہی تھیں۔ عرصہ سے ان لوگوں کو کھانا نہیں ملا تھا اور اِنکے سنگدل محافظان محبس نے گھنٹوں سے انکی خبر نہیں لی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں کے شیوخ (فقہاء) ہشام کے پاس اُس مجلسِ شورٰی کا فیصلہ سنانے آئے جو عجلت کے ساتھ اُسکی قسمت کا فیصلہ کرنے کو منعقد ہوئی تھی۔ لیکن وہ غریب خلیفہ جسکو یہ فکر لگی تھی کہ کسی طرح اُس بچّی کو جو اُسکی گود میں تھی تھوڑی سی گرمی پہونچ جائے تاکہ اُسے چین آئے شیوخ کی بات کاٹ کر یہ کہنے لگا: "ہاں! ہاں! میں اُنکے فیصلے کو مان لونگا۔ چاہے جو ہو۔ مگر خدا کے لیے۔ مجھے تھوڑی روٹی لادو۔ یہ بیچاری بچّی بھوکھ سے مری جاتی ہے۔" اُسکے اس جملے نے شیوخ کے دل پر نشتر کا کام کیا اس لیے کہ اُنکا مقصود یہ تھا کہ ایسی اذیتیں پہونچائی جائیں۔ روٹی منگوالی گئی۔ اسکے بعد اُن لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ "حضور والا! لوگوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کل پو پھٹتے ہی آپ فلاں قلعہ میں مقید رہنے کو بھیجے جائیں گے"۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ "یہی سہی۔ میں صرف ایک ہی عنایت کا خواستگار ہوں۔ مجھے ایک فانوس کی اجازت دیجیے۔ کیونکہ اس ڈراؤنی جگہ کی تاریکی ہمیں مارے ڈالتی ہے"۔ مسلمانانِ اُندلس کا روحانی و جسمانی سردار ایسی مصیبت میں گرفتار رہا کہ روٹی کا ٹکڑا اور ایک بتّی اُسے بھیک مانگنا پڑی۔

اس قسم کے تماشے اب قرطبہ میں آئے دن ہوا کرتے تھے۔ ہر انقلاب کے ساتھ ہولناکی و عبرت کی تازہ فصل آیا کرتی تھی۔ قرطبہ کے باشندوں نے بھی جو تعداد میں بہت زیادہ ہوگئے تھے اپنے دلوں میں خود مختاری کے وہ خیالات جما لیے تھے جنکو تجارت و حرفت کی بے انتہا تکمیل اور اسکی وجہ سے اہل حرفہ کی فارغ البال جماعت کے پیدا ہو جانے سے ترقی ہوا کرتی ہے۔ اور جب ان لوگوں نے المنصور کے خاندان کو پلٹ کے دیا

تو جیسا کہ بے سر لوائیوں کا معمول ہے اُن لوگوں نے وزیر اعظم کی خوبصورت محلسرا کو جو اُسنے دار السلطنت کے حوالی میں خود اپنے اور سرکاری عہدہ داروں کے لیے بنوائی تھی تخت و تاراج کر کے اپنے دلوں کا غبار نکالا - اور جب محلسرا کے انمول خزانوں پر ہاتھ صاف کر چکے تو اُس میں آگ لگا کر اپنے دل ٹھنڈے کیے - چار دن تک بے روک ٹوک قتل عام اور لوٹ مار ہوتی رہی - قرطبہ اچھا خاصا مسلخ بن گیا - اسکے بعد بربریوں کی باری آئی - یعنی خود سر و سرکش غلامانِ محافظ کے بعد جن سے لوگوں کو دلی نفرت ہوگئی تھی وحشی خصال بربریوں نے شہر کی لوٹ میں لوٹا کیا - جہاں جہاں یہ وحشی پہونچے قتل و آتشزدگی و بیجرمتی ساتھ ساتھ گئی - ایک محل کے بعد دوسرا لوٹا اور جلایا گیا اور وہ حسین شہر الزہراء خلیفۂ اعظم کے دل کا سرور دغا سے قبضہ میں کر کے لوٹا اور جلایا گیا یہاں تک کہ جتنی صناعیاں دونوں خلیفوں نے اُسکی زیبایش و تزئین میں صرف کی تھیں سب ملیا میٹ ہو کر سیاہ پتوں کا تودہ رہگیا - اُسکے محافظ تہ تیغ کیے گئے - اُسکے باشندے جامع مسجد میں جا کر پناہ گزیں ہوئے - مگر بربریوں میں نہ ایمان تھا نہ رحم - مردوں، عورتوں اور بچوں کو خدا کے متبرک گھر میں جا کر خون بہایا - (سنہ ۱۰۱۰ء)

جس اثناء میں کہ دار السلطنت کو غلاموں اور بربریوں کے وحشی گروہ تہ و بالا کیے ہوئے اور ایک خلیفہ کے بعد دوسرے کو اور بنی امیہ کے خاندان کو حمود کے خاندان سے بدل رہے یا شہر کی مجلس شورای کی حکومت کا تجربہ کر رہے تھے اضلاع نے مدت دراز سے صدر حکومت کی اطاعت سے گلو خلاصی کر لی تھی - ہر ایک شہر یا ضلع میں ایک علیحدہ خود سر مالک تھا - یعنی المنصور کی حکومت نے جو سب کی گردنیں ایک سلطنت کے آگے جھکا دی تھیں اُسکا اثر اس قدر جلد معدوم ہو گیا تھا - لیکن اسپین والوں نے چھوٹی چھوٹی طاقتوں کے اس ناگہانی عروج سے بہت کم فائدہ اُٹھایا تھا - وہ دیکھتے اور نالہ و شیون ہی کرتے رہتے اور اجنبیوں نے اُنکے ملک کو آپس میں بانٹ لیا - بربری سرداران فوج جنوب

تن پروری کرنے لگے اور غلام مشرق کے مالک بن گئے۔ باقی جو بچا وہ یا تو نو دولت لوگوں کے ہاتھ آیا۔ یا اُن معدودے چند شریف خاندانوں کے قبضہ میں جو کسی اتفاق سے عبد الرحمن ثالث اور المنصور کے اُن صدموں سے بچ رہے تھے جو ان دونوں نے امرا و شرفا کو پہونچائے تھے۔ قرطبہ اور اشبیلیہ میں جو اندلس میں سب سے زیادہ باوقعت شہر سمجھے جمہوری سلطنت قائم ہو گئی لیکن وہ بھی برائے نام، حقیقۃً نہیں۔ اسلیے کہ جو مجلس شوریٰ مسلمانوں کی اول اول قائم ہوئی تھی اُس میں سارا رنگ روپ شہنشاہی کا تھا۔ گیارہویں صدی عیسوی کے نصف اول میں کوئی بیس خود سر خاندان اتنے ہی شہروں یا اضلاع میں صاحب اقتدار بن گئے۔ جن میں سے اشبیلیہ میں عبّادیین، مالقہ و الجزیرہ میں حمود کا خاندان، غرناطہ میں زہیر کا، سرقسطہ میں بنی ہود کا، طلیطلہ میں ذوالنون کا، اور بلنسیہ، مرسیہ و المریہ کے حکمراں اوروں سے زیادہ سر برآوردہ تھے۔ ان میں سے بعض خاندان والے عمدہ حکمراں تھے۔ لیکن اکثر خوں ریز ظالم تھے۔ مگر تعجب ہے کہ اسپر بھی وہ کچھ کم مہذب بھلے مانس نہ تھے۔ انکو علوم و فنون خصوصاً علم ادب کی قدر کرنے میں مسرت حاصل ہوتی تھی اور اپنے درباروں کو شعرا و مغنیوں کا ماوی و مسکن بنائے رکھتے تھے۔ مثلاً اشبیلیہ کا حاکم معتمد نام بہت سے فنون سے آراستہ تھا۔ اسپر بھی اُس نے سروں کا ایک باغ بنایا تھا جس میں اُس نے اپنے دشمنوں کے سر کاٹ کر رکھے تھے اور اسپر اُسکو بڑا فخر و ناز تھا — بالجملہ بحیثیت مجموعی یہ ملک ایسی ناقابلِ برداشت و خطرناک بدنظمی کا شکار بنا ہوا تھا جیسی کہ اُس وقت پھیلی ہوئی تھی جب خلیفۂ اعظم سریر آرائے خلافت ہوا تھا۔ لیکن دونوں بدنظمیاں ایک ہی طرح کی نہ تھیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں کوئی بھاری عیسائی بغاوت ابن حفصون کی سی نہ تھی مگر طوائف الملوکی ویسی ہی عالمگیر تھی اور تباہی و بربادی کے خطرے ہمیشہ سے بڑھکر آنکھیں دکھا رہے تھے۔

کیونکہ اس وقت شمال کے عیسائی ہاتھ پاؤں بڑھا رہے تھے۔ ان لوگوں نے موقع دیکھا

اور اُسکو خوب اچھی طرح کام میں لائے۔ الفانسو ششم نے جس نے اسکو دیا۔ لیون اور قشتالہ
میں سلطنتوں کو باہم ملا کر اپنی ماتحتی میں ایک بنا لیا تھا کامل طور سے سمجھ لیا کہ اُسے کیا کرنا چاہیے
اُس نے دیکھا کہ صرف مختلف مسلمانوں رئیسوں کی رسیاں دراز کردوں پھر وہ اپنے آپ
سے نہایت عجلت کے ساتھ اُسکو اپنے اپنے گلوں کی پھانسیاں بنا لینگے۔ فی الحقیقت یہ کوتاہ نظر
ظالم صرف اپنی ہی شخصی قوتوں کا خیال رکھتے تھے اور شوق سے ہر ایسے کام میں مدد دینے
کو کھڑے ہوجاتے تھے جن سے اُنکے رقیب کمزور ہوتے ہوں - یہ لوگ جب کبھی اپنے زیادہ تر
قوی پڑوسی سے اپنے آپ کو مغلوب پاتے تو دوڑکر الفانسو کے قدموں پر سر رکھدیتے اور
اُسکی مدد چاہتے تھے۔ کچھ تو ایسے افعال کے باعث سے اور کچھ اُس خونخوار لوٹ کھسوٹ
کی وجہ سے جو قشتالہ والوں نے سارے ملک میں غایت یہ کہ فارس کی بندرگاہ تک مچا
رکھی تھی اسلامی ریاستیں تقریبًا قشتالہ کے بادشاہ کی باجگذار تھیں - اور یہ بادشاہ ہوشیاری سے
ہر سال اپنی دوستی کی قیمت پہلے سے بڑھاتا جاتا تھا تاکہ اُس بڑی فتح کے لیے جو اُسکے مدنظر تھی
ذخیرہ جمع ہوجائے - شمال تو مفلس تھا مگر اک عمدہ عداوت آمیز دوستی سے اُس نے اُس جنگ
کے لیے جو اندلسی رئیسوں کو تباہ و برباد کرنے والی تھی خود اُنھیں کی بیشمار امدادوں سے سامان
جمع کرائے - اسلامی رؤسا کے آپس میں اگرچہ پھوٹ اور حسد تھا مگر اُنکے تحمل کی کوئی انتہا بھی
تھی - جب الفانسو نے سمندر میں ہرقل کے ستونوں کے پاس اس خوشی میں غسل کرلیا کہ میں
آخرکار سارے اسپین کو طے کرکے اُسکی دریائی سرحد تک پہونچ گیا - اور جب اُس نے الیڈو
کے قلعہ میں اسلامی علاقوں کے بیچوں بیچ بارہ ہزار جری قلعہ دار متعین کرلیے جو یہاں سے نکل کر
بیدریغ سارے ملک کو لوٹتے اور ہر طرح کے وحشیانہ ظلم و تعدی کرتے تھے - جب راڈریگو ڈیاز ڈی بیوار
نے جسکو اُسکی قوم کے لوگ "اپنا جنگجو سردار" کہتے تھے قشتالہ والوں کے ساتھ مل کر اپنے آپ کو
بلنسیہ میں جما لیا اور وہاں سے آس پاس کی زمینوں کو ویران کرنے لگا - یعنی جب ہر شخص پر یہ امر
واضح ہوگیا کہ الفانسو اسکے سوا اور کچھ نہیں چاہتا ہے کہ سارے اسپین کو دوبارہ فتح کرلے اور

کل مسلمانوں کو نیست و نابود کر چھوڑے۔ تب آخر کار مسلمان روسا کے کان کھڑے ہوئے اور
ان لوگوں نے اپنے بچاؤ کی تدبیریں شروع کیں۔ یہ لوگ خود تو بدست و پا تھے اور باوجود
اسکے کہ یہ بلا سب کے سروں پر تھی متعدد اور باہم متخالف فرقوں سے اسکی امید نہ تھی کہ سب
باہم یکدل ہو کر کوئی زور آور تدبیر عمل میں لائیں گے اس لیے ان لوگوں نے صرف وہی ایک
تدبیر اختیار کی جو ممکن تھی۔ یعنی غیر ملک والے سے مدد مانگی۔ لیکن اس مدد مانگنے میں جو خطرہ
تھا اُسکو بعض لوگوں نے فی الواقع پہلے ہی سے سمجھ لیا تھا۔ لیکن اشبیلیہ کے بادشاہ معتمد نے
سب کو یہ کہکر خاموش کیا کہ" افریقیہ کے صحراؤں میں اونٹ ہنکانا اس سے بہتر ہے کہ
قشتالہ میں سُوروں کے ریوڑ چرائیں"۔ جس قوت کی ان لوگوں کو ضرورت تھی وہ کچھ دُور
نہیں بستی تھی۔ شمالی افریقیہ میں بربریوں کا ایک نیا انقلاب ہوا تھا اور متعصبان مذہب کے
ایک فرقہ نے جو مروانی کہلاتا تھا سارے مُلک کو الجیریا سے سینیگل تک فتح کر لیا تھا۔ یہ لوگ
اُسی قسم کے تھے جیسا طارق اور اُسکے پیرو تھے اور یہ سب سمندر کو عبور کرنے اور اسپین کے
سرسبز و شاداب اضلاع کو فتح کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ مگر اُن لوگوں نے واقع میں احسان
جتلایا اور کہنے لگے کہ اُندلس کی دلفریبیوں کا جادو ہم پر نہیں چلتا۔ بالجملہ وہ یہاں آئے اور
صاف معلوم ہوتا تھا کہ اُنکی نیت یہاں رہ پڑنے ہی کی تھی۔

جب مروانی پہلے پہل ٹڈی دَل کی طرح اُس ملک کو چٹ کرنے کے لیے پہونچے جو
اُنکی بھوکھ کی نذر کر دیا گیا تھا تو اُن لوگوں نے پورے طور پر میدان صاف پایا۔ اُندلس کے
اکثر باشندے تو یہ دیکھکر نہایت خوش ہوے کہ ایک مرتبہ پھر اُس ہنگامہ و طوفانِ بے تمیزی
کو روکنے کے لیے جس نے المنصور اعظم کی وفات کے بعد سے امن و عافیت کو مٹا دیا تھا
ایک زور آور ہاتھ آ پہونچا۔ اور چھوٹے چھوٹے جابروں نے خواہ اُنھیں بلوایا تھا یا اُنھیں
روک نہیں سکتے تھے لیکن بہرصورت اُنھیں اسکی خوشی تھی کہ قشتالہ والے کامیابی کے ساتھ
نکالے گئے۔ مروانی بادشاہ یوسف بن تاشفین نے الجسرہ پر سب سے پہلے قبضہ کر لیا کیونکہ

بندرگاہ تھا اور اسکو آیندہ حملوں کا مرکز قرار دیا۔ اسکے بعد بے روک اضلاع میں ہو کر کوچ کیا اور زلاقہ میں جسے اسپین والے سیکرلیس کہتے ہیں اور بڈےجاز کے قریب واقع ہے ۲۳ اکتوبر ۱۰۸۶ء کو الفانسو سے جاکر مقابل ہوا۔ الفانسو نے جب اپنی پُرشوکت فوج پر نظر ڈالی تو چلا اُٹھا "ایسے آدمیوں سے تو میں شیطانوں و فرشتوں و بھوتوں سے لڑونگا" بااینہمہ بربریوں و اُندلسیوں کی مشترکہ فوج کو حیرت میں ڈالنے کے لیے وہ ایک چال چلا لیکن یوسف بھی ایسا گرگا تھا کہ آسانی سے اُسکی روباہ بازی میں نہیں آسکتا تھا۔ اس نے بڑی چالاکی سے قشتالہ کی فوج کو آگے اور پیچھے کی صفوں میں لیلیا اور اس ترکیب سے اُنکو دوہری آگ کے بیچ میں ڈال دیا۔ اور گو قشتالہ کے جنگ آزمودہ سپاہی اچھی طرح سے اُسکا روکنا جانتے تھے اور ان لوگوں نے خوب روکا بھی مگر بالکل بھون ڈالے گئے۔ الفانسو بمشکل کوئی پانسو سواروں کے ساتھ بچ نکلا۔ قشتالہ کے کئی ہزار عمدہ ترین اہل سیف اُس خونخوار موت کے بازار میں کھیت رہے۔

اس فتح کے بعد یوسف مروانی افریقیہ واپس چلا گیا اور اُندلسیوں کی مدد کے لیے تین ہزار بربریوں کو چھوڑتا گیا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ اُندلس کے کسی حصہ کو اپنی سلطنت میں ملحق نہ کروں گا۔ اور بجز اسکے کہ اُس نے الجسرہ کے بندرگاہ کو اپنے قبضہ میں رکھا اور طرح ایفاء وعدہ کیا۔ اُندلس والے اُس سے خوش ہوے۔ اُسکی بہادری کی مدح سرائی کی اور اس سرزمین کے بچانے پر اُسکو آسمان تک پہونچا دیا۔ اور لوگوں نے اُسکی سادہ دینداری کو بہت پسند کیا جس کی وجہ سے وہ کوئی کام بغیر مشورہ علما کے نہیں کرتا تھا اور جو اسکا باعث ہوئی تھی کہ اُندلس کے کُل محصولوں کو موقوف کر کے صرف اُنھیں معدودے چند محصولوں کو قائم رکھا جن کو حضرت عمرؓ نے اوائل اسلام میں جائز رکھا تھا۔ البتہ اعلیٰ طبقہ کے لوگ اُسکی جہالت اور گنوارپن کی ہنسی اُڑاتے تھے۔ وہ بہت تھوڑی عربی بول سکتا تھا اور جب شعرا اُسکی مدح کے قصائد اُسکو سناتے تھے تو وہ صرف یہی سمجھ سکتا تھا کہ کس مقام پر داد دینی چاہیے۔

اور یہ امر نستعلیق و باذاق اُندلسیون کو سخت ناگوار گذرتا تھا - اس لیے کہ یہ وہ لوگ تھے جو نظم کو اُسوقت بھی نہ بھولے تھے جب گھٹنوں تک خون میں ڈوبے ہوے تھے - یوسف تو اُن لوگوں کے نزدیک محض جنگلی تھا - لیکن یہ لوگ علم کی وجہ سے جو اُسے ہیٹا سمجھتے تھے اُس سے ہوتا کیا تھا - اُسکی تلوار کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں کرسکتے تھے - اور عامہ خلائق جنھیں علوم و فنون سے امن وعافیت کا زیادہ خیال تھا خوشی سے اُسکو اُندلس کا سلطان قبول کرلینے پر آمادہ تھے - ۱۰۹۰ء میں اشبیلیہ کے بادشاہ نے پھر مردانی سلطان کے آنے اور عیسائیوں کے مقابلہ میں جنھوں نے پہلے کی طرح نڈر ہوکر پھر سر اُٹھایا تھا اور الیڈو کے مضبوط مورچے سے سیونانہ (بے قاعدہ) جنگ شروع کردی تھی، مدد کرنے کی درخواست کی - اُسنے ظاہر اگر گویا نفس پر جبر دیکر اس درخواست کو منظور کیا اور اس دفعہ اُس نے جس طرح قشتالہ کے عیسائیوں پر حملہ کرنے کی ٹھان لی اُسی طرح اُندلسی والیانِ مُلک پر بھی - ان احمق جابروں نے ایک دوسرے کی بیشمار شکایتوں سے اُسکے کان بھردیے اور ہر ایک نے دوسرے سے اُسکو اس قدر بدگمان کردیا کہ بہت جلد یوسف کا اعتبار جماعت کی جماعت سے اُٹھ گیا - یوسف کی جانب عوام تھے اور سب سے بڑھکر مقتدایانِ مذہب - ان لوگوں نے بہت جلد اُسکو اپنے نہ الحاق کرنے کے وعدے سے ہٹایا اور یہاں تک کیا کہ اُسپر زور ڈالا کہ خدا کے لیے تمپر واجب ہے کہ اس پُرخلل سرزمین میں امن و خوشحالی قائم کرو - چونکہ یوسف ہمیشہ اپنے دینی مشیروں کے اختیار میں رہتا تھا اور خود اُسکی ذاتی حوصلہ مندی بھی کچھ کم نہ تھی گو کوئی ایسا بیرونی محرک معلوم نہ ہوتا ہو - اس لیے یوسف نے جلدی سے اس رائے کو اختیار کرلیا - اور قبل اسکے کہ ۱۰۹۰ء ختم ہو اُس نے اسپین کو اپنے قبضہ میں لانا شروع کردیا - وہ نومبر میں غرناطہ میں داخل ہوا اور اُسکے حیرت انگیز خزانوں یعنی ہیرون، موتیوں، یاقوتوں وغیرہ جواہرات اور اُسکے سونے اور چاندی کے اعلیٰ درجہ کے زیوروں اور اُسکے بلوریں جاموں اور زرکار قالینوں اور ہر قسم کے مال و متاع کو جنکو کانوں نے بھی

ذ منا ہوگا اپنے عہدہ داروں میں تقسیم کر دیا جنھوں نے عمر بھر کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی تھی جو چاپ
دملک میں ان چیزوں کے پاسنگ کو بھی پہونچتی - طریف دسمبر میں ہاتھ آیا اور دوسرے
سال اشبیلیہ کے بہت سے بڑے بڑے شہر - الفانسو نے مشہور کپتان الوارفینز کی ماتحتی
میں ایک فوج بھیجی اسکو شکست ہوئی اور سارا جنوب مروانی سلطان کے تحت میں آگیا صرف
ایک بلنسیہ بچ رہا جسکو اُسوقت تک کہ سِڈ اُسکی حفاظت کے لیے زندہ تھا کوئی حملہ قبضہ
میں نہیں لا سکتا تھا - سنہ ۱۱۰۲ء میں اس نامور کی وفات کے بعد بلنسیہ بھی ہاتھ آگیا - اور اب
سارا اسلامی اسپین طلیطلہ کے سوا مروانیوں کی عظیم الشان افریقی سلطنت کا ایک صوبہ بنگیا -

عوام الناس کچھ مدت تک اس سے خوش ہوے کہ ان لوگوں نے جو غیر ملک والے
سے التجا کی تھی اُسکا عمدہ نتیجہ نکلا - صرف تھوڑے سے لوگ جن میں صاحب مرتبہ و تعلیمیافتہ
لوگ شامل تھے اس تجربہ سے کچھ ایسے خوش نہ تھے - بیورین کی سلطنت تو قائم ہوگئی تھی
مگر کوئی ملطن سا شخص موجود نہ تھا جو اُسکی سختیوں کو نرمی سے بدل دیتا - شعرا اور اُدبا جو متعدد
چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں پھلے پھولے تھے جہاں نہایت ہی سفاک و خونریز جابر بھی اہلِ
کمال کی ہمیشہ دل سے قدر اور بڑی خاطر و مدارات کرتے تھے اور عموماً اُنکے قصائد کی تعریف
فی البدیہہ اشعار میں کیا کرتے تھے - اِن وحشی بربریوں سے نفرت کرتے تھے جو اُنکی نفاستوں
و نزاکتوں کو سمجھ نہیں سکتے تھے اور جو ایسے تھے کہ اگر کسی وقت اسکی کوشش بھی کرتے کہ
اُن تعلیم یافتہ جابروں کا چربہ اُتاریں جو اُن سے قبل تھے تو اُنکی ایسی بھدی نقل کرتے تھے
کہ آدمی ہنسی کو روک نہیں سکتا تھا - ایسے لوگوں کو جو آزاد خیال اور وسیع النظر تھے
متعصب مقتدایان مذہب کا (اس سبب سے کہ انھیں میں سے مروانیوں کے مشیر تھے)
بسرِ اقتدار ہونا کسی طرح دل کو نہ بھایا - اس لیے کہ یہ تعصب کے پتلے نہ صرف یہی
کرتے تھے کہ جو چیز فلسفہ سے ذرا بھی واسطہ رکھتی تھی اُسکی جھٹ مخالفت کرنے لگتے تھے
بلکہ قرآن کو صرف ایک ہی تفسیر کی عینک لگا کر پڑھتے تھے اور باقی تفسیروں کو مردود سمجھتے تھے -

یہود و نصاریٰ کو بہت جلد معلوم ہو گا کہ مروانیوں کی بے تعصبی کیا شے ہے۔ ان لوگوں کو بے رحمی کے ساتھ تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ قتل کیے جاتے اور نہیں تو جلا وطن کیے جاتے تھے۔ پرانے شرفا کے خاندان جو تھوڑے سے بچ رہے تھے اور چھوٹے چھوٹے والیان ملک کے بقیۃ السیف نے جب یہ دیکھا کہ وہ اجنبی لوگ جن کو خود انھیں لوگوں نے اپنی مدد کے لیے بلایا تھا اُنکے ممالک محروسہ میں ہمیشہ کے لیے گھر بنا رہے ہیں تو سخت مایوس ہوے اور خلافت قرطبہ کے اخیر زمانہ کی اُن کارروائیوں کو یاد کر کے کانپنے لگے جو بربریوں کے ایسے ہی غولوں نے وہاں کی تھیں۔ لیکن عوام الناس مروانیوں کو اس سرزمین میں ٹھہرتے دیکھکر بہت خوش ہوے اس لیے کہ اُنکی جانیں اور مال محفوظ ہو گئے۔ اور جب سے یہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہت سی خودمختار ریاستیں بنگیا تھا امن و حفاظت خواب و خیال ہو گئی تھی کیونکہ ان خودمختار بادشاہوں میں سے گنتی ہی کے ایسے تھے جو اپنے قلعہ کے پھاٹک کے باہر اپنی رعایا کی حفاظت کر سکتے ہوں۔ مگر اب تو سڑکیں اُن راہزنوں سے بالکل پاک ہو گئیں جنھوں نے سالہا سال سے سفر کرنے کو ایک امر محال بنا دیا تھا اور عیسائی بجاے اسکے کہ مطمئن گانوؤں کو دفعۃً جا دبائیں اور ملک کو لوٹیں کھسوٹیں خود اپنی سرحد کی طرف نکال دیے گئے اور بربریوں کی سخت ہیبت اور اُنکی باہمی ممتد مناقشت نے اُنھیں بہت دُور ڈال دیا۔ تھوڑے دنوں کے لیے امن و عافیت کا راج ہوا۔ قانون کی توقیر ہونے لگی۔ اور پھر لوگوں کو دولت و مسرت کے خواب نظر آنے لگے۔

مگر یہ خواب محض خیالی سراب تھے۔ مروانیوں کی رعایا کے نصیب میں خوشحالی تھی ہی نہیں۔ جو حال رومیوں اور قوط کا ہوا تھا وہی اب بربریوں کا ہوا۔ ان لوگوں نے جس وقت اسپین میں قدم رکھا اُس وقت سخت اکھڑ سپاہی تھے، عیش و آرام کے خوگر نہ تھے۔ قوت و طاقت کے کرتبوں سے بشاش ہوتے تھے اور سادہ دینی جوش

سے خونخواری کے ساتھ بھرے ہوئے تھے۔ لیکن انہیں اپنی فتوحات کے ثمروں سے متمتع ہوتے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ بھی گذرنے نہ پایا کہ وہ سب بدکردار بنا دیا جو ہنیبال کے سپاہیوں میں کیپوا کی عیش و عشرت سے آگئی تھیں ان میں بھی آگئیں۔ ان لوگوں نے اپنے سپاہیانہ عادتوں۔ بہادری کے کاموں کے عشق اور لڑائیوں میں مصیبتیں سہنے کی خوشی کو کھو دیا۔ یعنی ان لوگوں نے اپنے سارے مردانہ پن کو ایسی تیزی کے ساتھ بھلا دیا کہ بیان میں نہیں آسکتا۔ بیس ہی برس کے عرصہ میں بربریوں کی ایک فوج بھی ایسی نہ رہی جس پر قشتالہ والوں کے نکالنے پر بھروسا کیا جاسکے بلکہ فوج کی جگہ میں ایسے ناتجربہ کار عیاشوں و ذلیل نامردوں کا اک بے ترتیب مجمع تھا جنھوں نے اپنی جوانی کی امنگوں کو شرابخواری بیہودگی میں ضایع کیا اور اُن کل خواہشوں کے غلام بنگئے تھے جو مردوں کو بزدل و نامرد بناتی ہیں اور یہاں تک کہ امن قائم رکھنے کے بجائے خود ہی امن میں خلل ڈالنے والے بنگئے تھے! ورجو بھی دل کڑا کرکے مرنے پر بھی ہمت تو یہ نہ ہوتی کہ مسافروں کو لوٹنے کیلئے ڈاکو بنگئے اور جہاں یہ بھی نہو سکا تو چور بن بیٹھے۔ ملک کی ایسی خراب حالت ہوگئی کہ کبھی نہ ہوئی تھی۔ چھوٹے چھوٹے خودمختار جابروں کا زمانہ بھی اس سے اچھا تھا۔ یہ زنانے بربری بڑی عورتوں اور دنیادار عالموں کے اشاروں پر چلتے تھے اور ایک دن جو حکم دیتے تھے دوسرے دن اُس کا اُلٹا حکم دیتے تھے۔ ایسے حکمراں زمانہ تک حکمرانی نہیں کیا کرتے ہیں۔ اِن مردانیوں کی قوت کو افریقیہ میں تو ایک انقلاب عظیم چوستا جاتا تھا اور اندلس میں قشتالہ والوں نے الفانسو جنگجو (الحربی) کی سرکردگی سے اپنی لوٹ کھسوٹ پھر شروع کر دی تھی۔ ۱۱۲۵ء میں یہ لوگ جنوب کو پورے سال لوٹتے رہے۔ ۱۱۳۳ء میں ان لوگوں نے خود قرطبہ و اشبیلیہ و کارمونا کے حوالی کو جلا دیا اور زیریز کو اچھی طرح سے لوٹا بھی اور جلا کر خاک سیاہ بھی کر دیا۔ اس زمانہ میں عیسائیوں کی لوٹ کھسوٹ لیون سے آجانے جبل الطارق تک پھیلی ہوئی تھی مگر اسپر بھی اس مدہوش حکومت نے کوئی تدبیر ان خطروں کے دفع کرنے کی نہ کی۔ ساری

خلقت نئے حکمراں کی کمزوری سے چیخ اُٹھی اور آخر کار طیش میں آکر اپنے نا مہر بان حکمرانوں کو اس ملک سے نکال کر رہی۔

عربی مورخ لکھتا ہے کہ آخر کار جب اندلس کے لوگوں نے دیکھا کہ مروانیوں کی سلطنت کے پرخچے اُڑ رہے ہیں تو پھر نہ ٹھہرے بلکہ نفاق کا پردہ اُلٹ کر کھلے بندوں بغاوت کر بیٹھے۔ ہر حاکم، ہر سردار اور ہر صاحب اقتدار جس کے اختیار میں چند سردار اطاعت کرنیکو اور ایک گڑھی ضرورت کے وقت پناہ لینے کو تھی خود سلطان بن بیٹھا اور اپنی بادشاہی کا الگ طبل وعلم قائم کیا اور اندلس میں جتنے شہر تھے اُتنی ہی سلطنتیں ہوگئیں۔ ابن حمدون قرطبہ میں۔ ابن میمون قادس میں۔ ابن قسیی و ابن وزیر السداری مغرب میں۔ لمتونی غرناطہ میں۔ ابن مروانیش بلنسیہ میں یعنی کچھ اندلسی اور بربری علیحدہ علیحدہ مسلط ہوگئے۔ لیکن یہ سب سلطنتیں تھوڑے ہی عرصے میں عبدالمومن کے علم کے سامنے سرنگوں ہوگئیں۔ عبدالمومن نے ان میں سے ہر ایک کو چن چن کر حکمرانی سے خارج کیا اور سارے اندلس کو اپنی حکومت میں کر لیا۔ عبدالمومن موحدین کا جو افریقیہ و اسپین میں مروانیوں کے بعد متصرف ہوئے تھے سردار تھا۔

گیارہواں باب

سد مبارز خواہ

اب اس کا موقع آگیا کہ عربوں کے شمالی دشمنوں پر نگاہ دوڑائی جائے۔ ہمکو معلوم ہو چکا ہے کہ کیونکر پلیو نے قوم قوط کے بقیۃ السیف کو کوہ ہائے آسچوریا کے ناقابل دسترس کھوہوں اور گھاٹیوں میں سمیٹ کر جمع کیا تھا۔ اور کیونکر یہ تھوڑے سے پناہ گزین بہت جلد اپنے ابتدائی حدود سے آگے بڑھ گئے۔ اور جب غیلجات بربر میں جو ممالک شمالی سپین کے

حدود پر آباد کیے گئے تھے بے پروائی یا آپس کی نا اتفاقی نے راہ پائی تو اُن لوگوں نے قوی دل ہو کر آہستہ آہستہ صحراء وادی الرمہ کے شمال کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لیا اور اُس میں لیون کی سلطنت اور قسطالہ کی مملکت قائم کر لی اور اسی اثنا میں اور آگے مشرق کی طرف پرنیز کے نیچے النوار کی حکومت کی بنا پڑی۔ اوپر سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ گو یہ عیسائی سلطنتیں اپنے مسلمان پڑوسیوں سے برابر جنگ کیا کرتی تھیں اور اُنکے لیے سخت خطرناک ثابت ہوئی ہوتیں اگر خود ان عیسائی سلطنتوں کے آپس میں برابر ناچاقی نہ ہوتی جب تک قرطبہ کی سلطنت قوی و غیر منقسم رہی اور جس زمانے تک لیون و قسطالہ و نوار کے عیسائی اپنی قوتیں خانہ جنگیوں میں ضایع کرتے رہے اُسوقت تک عرب اپنے ممالک محروسہ کے محفوظ رکھنے پر بخوبی قادر رہے۔ لیکن جب قرطبہ کی سلطنت میں زوال آگیا اور اُندلس چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا شکار بن گیا جن میں سے ہر ایک کو سب سے پہلے خود اپنے اغراض مدنظر تھے اور اُنکے بعد عام مسلمانوں کی قوت کا خیال تو عیسائی زیادہ دلیر ہو گئے اور مسلمانوں کے ایک معتدبہ علاقہ پر قابض ہو بیٹھے۔ گیارھویں صدی کی طوائف الملوکی کے زمانے میں جبکہ اُندلس کا تقریبًا ہر ایک شہر بجائے خود ایک ریاست تھا عیسائیوں نے اپنی فتحمند فوجوں کے ذریعے سے بلاد اسلامیہ پر قبضہ کر لیا تھا اور اکثر بڑے بڑے مسلمان والیان ریاست سے خراج وصول کرتے تھے۔ اسی زمانے میں فرنینڈو اول نے شمال کے بہت بڑے حصے کو خود اپنے زیر حکومت کر لیا تھا۔ اسنے لیون اور قسطالہ کے باہم متخالف علاقوں کو باہم متحد بنا دیا اور اسچوریا و غلیشیا کو اپنے ممالک محروسہ میں ملا لیا تھا۔ فرنینڈو بلاشبہ اس زمانے میں سارے ہسپانیہ میں سب سے زیادہ قوی اقتدار بادشاہ تھا۔ اس نے لامیگو و ویسیو اور کوامبرا واقع پرتگال کو ملحق کر لیا اور سرقسطہ۔ طلیطلہ۔ بیڈی جاز و اشبیلیہ کے بادشاہوں سے خراج وصول کیا تھا۔ اور اگرچہ اسوجہ سے کہ اُس نے نادانی سے اپنی سلطنت کو اپنے تین بیٹوں اور

دو بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اُسکی وفات کے بعد شمال خانہ جنگیوں کے ایک سلسلے
میں اُلجھ گیا لیکن آخر کار الفانسو ہیام الملقب بہ "الشجاع" نے اس گتھی کو سلجھایا اور منتشر
ٹکڑوں کو پھر اکٹھا کرکے باہم ملایا۔ اور اسوقت سے عیسائی قوت ہسپانیہ میں مضبوط جڑ
پکڑ گئی۔ صرف مسلمان والیانِ ملک کی رشوتیں (جو عیسائیوں کو ماننے کے لیے بیشمار تعداد
میں دی جاتی تھیں) اور پشت پر مرابطیوں کی فوجیں مسلمانوں کے اس ضعف کے زمانے
میں اُندلس کو چھین لینے سے عیسائیوں کو روکے ہوے تھیں۔ حالت یہ ہو رہی تھی کہ اندلس
کے مسلمان کسی طرح اپنے مالک آپ نہ تھے۔ ایک طرف الفانسو کے جبر و زبردستی کا خوف
لگا ہوا تھا اور دوسری طرف اپنے رفیق مرابطیوں کی بالادستی کا اور آخر کار یہی پچھلا اندیشہ
صحیح نکلا۔ اس زمانے میں ہم عیسائیوں کو دیکھتے ہیں کہ اسلامی ریاستوں کے اکثر پولیٹیکل
معاملات میں دست اندازیاں کیا کرتے ہیں اور دونوں فریقوں کے باہمی تعلقات ایسے
پیچیدہ ہو گئے تھے کہ بہت سے بندہ زر عیسائی مسلمانوں کی فوجوں میں پائے جاتے تھے
جو عیسائی اضلاع کے اندر جہادی لڑائیوں مستعدی سے مسلمانوں کو مدد دیتے تھے اور عملی نزا
مسلمان بھی قسطالہ والوں کی اپنے ہی ہم مذہب کے مقابلے میں کمک کرنے کو آمادہ تھے۔
خلاصہ یہ کہ یہ ایسے لوگوں کا زمانہ تھا جو روپوں کے بھوکے اور بندۂ زر تھے۔ اور بجاے
اسکے کہ اپنے سلطان و سلطنت کے لیے لڑیں خود اپنے ہی ذاتی اغراض و منافع کیلیے
جان دیتے پھرتے تھے۔

ہماری بہت بڑی غلطی ہوگی اگر ہم لیون و قسطالہ کے سپاہیوں میں کوئی بہادرانہ
و غازیانہ صفت کا پرتو بھی تسلیم کرینگے۔ اور اُس سے زیادہ یہ غلطی ہوگی کہ ہم انکو مہذب
تعلیم یافتہ بھلے مانس خیال کریں۔ شمال کے عیسائی اپنے مسلمان رقیبوں کے ٹھیک
ضد تھے۔ عرب جو اپنی پہلی آمد کے وقت قبلہ میں رہنے والے اکھڑ لوگ تھے
اندلسیوں سے مل جل کر اور خود اپنے فطرتی تکلف دوست و عیش پسند مزاج کے باعث

نرم ہو کر اعلیٰ درجے کے شایستہ شہری بن گئے تھے جنکو نظم اور شستہ عبارت میں حظ ملتا تھا اور جنکا وقت علوم کی طلب میں صرف ہوتا تھا اور جو سب چیزوں سے بڑھکر لطفِ زندگانی اُٹھانا جانتے تھے۔ اُنکے دماغی مذاق غیر معمولی طور پر لطیف و نازک تھے اور اُنپر ایسے جذبات کا اثر ہوتا تھا جنکو صرف اعلیٰ تربیت والے ہی حس کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ بلند پرواز، صاحبِ خیال، شاعرانہ مزاج اور اہلِ غور و فکر تھے اور اک عمدہ لطیفہ پر اسقدر انعام دیا کرتے تھے جو ایک پلٹن کے سپاہیوں کی ماہوار کے برابر ہوتا تھا۔ اُن میں کا نہایت ہی ظالم و سفاک حاکم بھی ذلیل سمجھا جاتا تھا اگر اُس میں شاعری کا مذاق اور بدرجۂ اقل نکھری ہوئی بذلہ سنجی اور درباری زباں آوری کا مادہ نہ ہوتا تھا۔ اس عظمت و جلال والی قوم میں موسیقی و فصاحت اور نیز علوم دقیقہ کی تحصیل کا میلان فطرتی معلوم ہوتا تھا اور ان میں عبارتوں کے بہت دقیق پہلوؤں پر معترضانہ نگاہ ڈالنے اور اُنکی داد دینے کا وصف اُسی اعلیٰ درجے کا تھا جو اس زمانے میں ہم فرانسیسیوں کی قوم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

شمال کے عیسائی ان باتوں سے جسقدر بیگانہ تھے وہ بخوبی خیال میں آسکتا ہے۔ شمالی ریاستیں اگرچہ زیادہ تر قدیم سلطنت کی پسماندہ تھیں مگر اُن میں نئی قوموں کے اکثر اوصاف پائے جاتے تھے۔ یہ لوگ اُجڈ اور ناتربیت یافتہ تھے اُنکے معدودے چند ہی رئیس تعلیم کی ابجد سے آشنا تھے۔ اور اسقدر مفلس کہ مسلمان بادشاہوں کے نکھرے ہوے سامانِ عیش میں پڑ نہیں سکتے تھے۔ عیسائی محض اُکھڑ سپاہی تھے اور برابر لڑنے کے ویسے ہی شائق جیسے اُنکے مسلمان مدمقابل۔ لیکن برابر سختیاں سہنے اور ناچاری سے تکلیفیں اُٹھاتے رہنے کے باعث ممتد لڑائیوں کی مصیبتیں جھیلنے اور جان پر کھیل کر بہادری کے کام کرنے کے لیے وہ زیادہ تیار تھے۔ اُن میں اُن شجاعانہ افعال کا دنیا اعلیٰ درجے کا کچھ بھی خیال نہ تھا جسکو شاعروں نے بعد کو اُنکی تواریخ میں بھر دیا ہے۔ وہ تو صرف تلوار کے آدمی تھے اور کچھ نہیں۔ وہ اپنے افلاس کی وجہ سے ہر شخص کے نوکر ہونے کو تیار تھے۔ جو شخص اُن کو

سب سے زیادہ روپیہ دیتا تھا اُسکے ہاتھ اپنی بہادری بیچتے تھے وہ روٹیوں کے لیے لڑتے تھے
ہم دیکھ چکے ہیں کہ کیونکر نامآور وزیر المنصور نے خود لیون کے سپاہیوں کی ایک بڑی ہنگامی
فوج کے ذریعہ سے لیون والوں کے مقابلہ میں فتحیں حاصل کیں اس لیے کہ وہ سپاہی صاف
سمجھتے تھے کہ کس جانب مال و اسباب ہاتھ آئے گا۔ ہسپانیہ کی گیارہویں صدی کی تواریخ
ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ کرایہ کے عیسائی سپاہی والیان ملک کی ملازمتیں کرتے
تھے۔ مگر ان میں سے کسی کو وہ شہرت حاصل نہ ہوئی جو ہسپانیہ کے قومی نامدار سِڈ کو۔

سِڈ کا اصلی نام رذریق دیاز (راڈریگوڈیاز) ساکن بوار تھا اور وہ سِڈ اس لیے
کہلاتا تھا کہ اُسکے مسلمان پیرو اُسکو فطرتی طور پر یہی کہتے تھے۔ مصر وغیرہ میں مسلمان شریف
کو اسوقت تک سِڈ کہتے ہیں جو سَید کے لفظ کی جسکے معنی آقا کے ہیں کثرت استعمال کی وجہ سے
بگڑی ہوئی صورت ہے۔ سِڈ کا لقب کیمپیڈر بھی تھا جسکے معنی سُورما سپاہی کے ہیں یا زیادہ تر
صحت کے ساتھ "مبارزخواہ" کے اس سبب سے کہ ہسپانیہ کی لڑائیوں میں دونوں فریق
کے عام مڈبھیڑ سے پہلے جو تن تنہا کُشتیاں ہوا کرتی تھیں اُن میں اپنی طبعی بے انتہا قوت کے
باعث یہی مبارزطلب کرنے میں پیش قدمی کرتا تھا۔ ایک نامور سپاہی صفوں کے آگے بڑھا
کرتا اور مقابل کی فوجوں کو للکارتا تھا کہ کوئی پہلوان بھیجو۔ اور اس قسم کی لڑائیوں میں غالب
رہنے کی شہرت رذریق دیاز سے بڑھکر کسی کو حاصل نہ تھی۔ اس امر کا فیصلہ کرنا کچھ آسان
نہیں ہے کہ جس قدر ناموری کی تاریخیں سِڈ کی بہادریوں کے اِرد گرد جمع ہو گئی ہیں اُن میں
کس قدر سچ ہے۔ عیسائی مورخوں نے جہاں اپنے قومی نامآور کا حال بیان کرنا شروع
کیا ہے تو کسی مقام پر نہیں ٹھہرے ہیں۔ اور جس جوش نے یہاں تک بیان کر جانے
میں پس و پیش نہ کیا ہو کہ لیون کے بادشاہ نے پیرس پر قبضہ کر لیا اور فرانسیسیوں۔ جرمنوں
اطالیہ والوں اور نیز فارسیوں کو مفتوح کیا تھا اُسکا ایسے مقام میں جہاں وہ اپنے پیارے
سِڈ کے کارنامے بتاتا ہے اور بھی کم اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ ہسپانیہ کے آلھوں نے

اپنے نام آور کو تقدس کا لباس پہنایا اور ولایت کی ساری نکوکاریوں سے آراستہ کردیا ہے
مگر وہ اسکو بھول گئے ہیں کہ ان میں سے بہتیری نیکیوں کو خود سید یا اُسکے ہمعصر قسطالہ والے
نہیں سمجھتے تھے اور نہ اُنکی قدر کرتے تھے۔ عربی مورخین عموماً زیادہ تر قابل اعتماد ہیں لیکن ایک
ایسے عیسائی کے تذکرہ میں جس نے بلنسیہ کے مسلمانوں کو ایسے ایسے روز بد دکھائے ہوں جیسے اس
نامی کیمپیڈر نے اُنکا فیصلہ بمشکل تعصب سے خالی ہوسکتا ہے۔ باینہمہ وہ بھی اُسے خدا کی
ایک عجیب نشانی کہتے تھے۔

اس نکتہ چینی کے زمانہ میں اکثر ہم اسپر مجبور کیے جاتے ہیں کہ اپنے بچپن کی تاریخوں
کے نہایت ہی دلربا روایتوں کو افسوس کے ساتھ چھوڑ بیٹھیں اور بیچارہ سیڈ بھی اس
قاعدہ سے نہ بچا۔ مشرقی زبانوں کے ایک نامی عالم نے ایک خاص کتاب یہ ثابت
کرنے کو لکھی ہے کہ وہ رعب دار بارز خواہ کسی طرح ویسا ہیرو (نام آور) نہ تھا جیسا وہ
فرض کرلیا گیا ہے اور وہ ایک دغاباز و بے رحم شخص تھا۔ قربانگاہوں کی بےحرمتی کرنے
والا اور خود اپنے اچھے دین کا خلاف کرنے والا۔ اور پروفیسر ڈوزی اسکے قائل ہیں
کہ سیڈ کی انوکھی تواریخ محض اختراعی ہے اور انھوں نے "اصلی سیڈ" کے حالات ان دھوکا
دینے والے بیانات کو باطل کرنے کے لیے لکھے ہیں اُنھوں نے اپنی نکتہ چینیوں کی بنیاد
عربی مورخوں کو قرار دیا ہے اور انکی قومی و مذہبی طرفداری پر بھی پروفیسر صاحب اُنکی
ایسی اندھی تقلید کرتے ہیں جیسی کم تعلیم یافتہ لوگ "کرانیکل آف دی سیڈ" (روزنامچہ سیڈ)
کی۔ باایں ہمہ حیرت انگیز یہ امر ہے کہ جو فرق کہ "اصلی سیڈ" اور "کرانیکل آف دی سیڈ" کے
انوکھے شخص کے درمیان نکالا گیا ہے وہ محض ناچیز سا ہے "کرانیکل آف دی سیڈ" کے خلاصہ کو الفانسو دی لرنڈ نے سیڈ
کی وفات کے صرف آدھی صدی بعد ترتیب دیا جسکو رابرٹ سودے نے ۱۸۰۸ء میں ایسی خوبی اور خوش اسلوبی
کے ساتھ ترجمہ کیا کہ اُسوقت سے یہ ترجمہ ویسا ہی مستند و باوقعت سمجھا جاتا ہے جیسا کہ اصل۔ ہر شخص بذات
خود اُس خوش آئند قدیم کرانیکل میں سے بدیہی کہانیوں کے واقعات کو الگ کرسکتا ہے اور

اور اسکی کوئی ضرورت نہیں ہو سکتی ہے کہ عربی مورخوں سے جو سِڈ کے صرف ایک
زمانے کے حالات لکھتے ہیں مدد لیجائے - اور اہل تمیز کے لیے وہ ابہی استثناء کے ساتھ
اسی وقت تک سِڈ کے عمدہ ترین مشہور عام حالات کی کتاب سودے کی دلکش کرانکل ہے
اس کرانکل کا ہیڈ ہرگز وہ ہیڈ نہیں ہے جسکے حالات قصے کہانیوں میں ہیں اور گو ہم
آخر الذکر بے عیب و پاک صاف شخص سے کنارہ کرتے ہیں تاہم اول الذکر کا اعتقاد
رکھتے ہیں - اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے ہیڈ میں عیوب بھی تھے اور وہ بہت سے ایسے
افعال کا مجرم تھا جن کا پورا پورا جواب نہیں ہو سکتا ہے وہ اپنے مذہب کا کوئی بہت
دیندار حامی نہ تھا اس لیے کہ وہ جس طرح عیسائیوں کی طرف سے لڑتا تھا اسی طرح مسلمانوں
کی طرف سے بھی - اور جس طرح بے تردد مسجد کو لوٹ سکتا تھا اسی طرح گرجا کو بھی - مگر جو شخص
کرانکل کو پڑھے گا سب کو یہ باتیں صاف نظر آئیں گی اور وہ ہیڈ کو ویسا ہی ظاہر کرتا ہے
جیسا کہ وہ ہمیشہ تھا - یعنی سابق کے اکھڑپن کے زمانہ کا ایک ہیرو (نامآور) - اگر ہم نامآوری
کی تعریف کو انھیں اشخاص پر محدود رکھیں جن سے کل عیسائی نیکیاں - نرمیاں - رحم -
اور نفس کشیاں ظاہر ہوئی ہوں تو ہمیں اپنے اکثر پرانے دوستوں کو خارج کر دینا پڑے گا -
اکیلیز نے جس وقت ہکٹر کی لاش کو ٹرائے کی دیواروں کے گرد گھسیٹا تھا تو وہ بھی بہت
نرم دل اور مترحم نہ تھا - مگر اکیلیز تو الیڈ کا ہیرو تھا - قدیم زمانہ کے نامآوروں میں دہل
میں سے تو بہت سے ایسے افعال کے مرتکب ہوے ہیں جن کو ہم اس زمانہ کے لوگ
اپنی حد سے زیادہ لطیف حس کی وجہ سے سنگدلانہ - غیر فیاضانہ اور نیز نامردانہ کہتے ہیں -
پچھلے زمانہ کے اخلاقی معیار سے اگلے زمانہ کے نامآوروں کو جانچنا تواریخ کو تباہ کرنا ہے
آؤ ہم اسکو تسلیم کیے لیتے ہیں کہ وہ سب کے سب بے غل و غش نہیں ہیں اور اسکے بعد
اُنکے بڑے بڑے کارناموں - اُنکی تلواروں کے عظیم الشان جھٹکوں - اُنکے زلزلہ ڈالنے
والے حملوں - اُنکے لانبے ڈنڑ بھجوں اور اپنے دشمنوں سے مقابل ہونے کے وقت

اُنکی شرربار آنکھوں کا تصور کرکے ہمیں مزے لینے دو۔ ہم اُن سے فلسفی خیال یا پولیٹکل ایکانومی کے اصولوں کے سخت پابند ہونے کی توقع نہیں رکھتے ہیں۔ وہ جس وضع کے ہیں ہم اُسی پر پورے قانع ہیں یعنی ہیرو۔ لوگوں کے بہادر و جری پیشوا۔

سِڈ اسپین والوں کے لیے ایک اصلی ہیرو تھا اوّلاً اس وجہ سے کہ وہ ایسی شان و شوکت کے ساتھ لڑا اور ایک زمانہ میں یہی بات تقدس کا مستحق ٹھہرانے کے لیے کافی سمجھی جاتی تھی۔ ثانیاً اس سبب سے کہ مذہبی کہانیوں والے برنارڈو ڈیل کارپیو اور اصلی فرنینڈو گانزلیز کی طرح سے یہ شخص قسطالہ کا پشت و پناہ تھا۔ اور لیون کے بادشاہ کا کھلے بندوں مقابلہ کرکے اُس نے اُس رقابت کو زندہ کیا تھا جو قدیم الایام سے قسطالہ والوں کو اپنے اُن صاحب قوت پڑوسیوں کے ساتھ تھی جنھوں نے اُنکا علاقہ دبا لیا تھا۔ اور ثالثاً اس وجہ سے کہ قومی گیتوں کے مصنف اسکو بھول گئے تھے کہ وہ زمانۂ دراز تک عربوں کا دوست رہا تھا یا اُن لوگوں نے قصداً اس واقعہ کو نظرانداز کردیا تھا اور اُسکو صرف اسی اعتبار سے یاد کیا کہ وہ عیسائیوں کا بہت بڑا پشت و پناہ کافروں کے مقابلہ میں تھا۔ لیکن وہی امر جس نے اُسکو خصوصیت کے ساتھ قسطالہ والوں کا ممدوح بنایا یعنی شاہ الفانسو سے اُسکی نافرمانی اس کا باعث ہوا کہ کرونیکا جنرل (جس کا کرانیکل آف دی سِڈ خلاصہ ہی) کے مصنف کے نزدیک اُسکو ایک ناقص ہیرو ثابت کرے۔ وہ مصنف یا مولف یعنی الفانسو صاحب علم لیون و قسطالہ کا بادشاہ بشدت گستاخانہ خودسری کو جو اُس نے خود اُسی کے سلف چھٹے الفانسو کے مقابلہ میں ظاہر کی تھی پسند نہیں کرسکتا تھا۔ اسی وجہ سے کرانیکل کے اُس ترجمہ میں جو سودے نے کیا ہے (اور جو پوئم آف دی سِڈ وغیرہ کے انتخابوں سے مالامال ہے) اُن آلھوں اور قصے کہانیوں کی حد سے زیادہ قدر و منزلت سے احتراز ہے جو سِڈ سے متعلق ہیں۔ اس کتاب میں جس میں سِڈ کی اچھائی کے سوا اور سب باتیں موجود ہیں

واقعات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں لیکن بایں ہمہ اُسکی سچی ناموری کی صفت اُسکی ساری تفصیلوں و تحدیدوں کے ساتھ بخوبی قائم رکھی گئی ہے اور یہ کتاب اُس اصلی کے زمانے اور بہادرانِ اسپین کے سب سے بڑے شخص کی نہایت ہی حیرت انگیز تصویر ہے۔

صرف سڈ ہی کے قصہ سے ایک جلد پوری ہو سکتی ہے۔ یہاں جو کچھ ہم کوشش کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ کرانیکل کی نہایت ہی واضح مقاموں سے کچھ انتخاب کر کے ناظرین کے سامنے پیشکش کریں۔ اس نامآور کے ایام طفولیت خلافِ قیاس کہانیوں میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ وہ تاریخ کے صفحوں پر پہلے پہل سنہ ۱۰۶۴ء میں دکھلائی دیتا ہے۔ اس وقت یہ شخص اگرچہ بیس برس سے زیادہ کا نہ ہوگا لیکن تاہم نوار کے ایک نائٹ سے کُشتی جیتنے نے اسکو مبارزخواہ کا خطاب دلوا دیا اور اسکے تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ قسطالہ کی فوجوں کا سپہ سالار مقرر ہوگیا۔ قسطالہ کا بادشاہ سینکو اسی کی مدد سے اپنے بھائی الفانسو لیون کے بادشاہ پر غالب آیا۔ یہ غلبہ اگرچہ ناوانستہ و فوری حملہ کے ذریعہ سے حاصل ہوا جس میں بہت زیادہ دغا و فریب کا شائبہ تھا۔ لیکن اُس اکھڑپن اور جنگجوئی کے زمانہ میں لوگ اسی کو فنِ جنگ کا کمال سمجھتے تھے۔ جب سینکو بلیڈو کے ہاتھ سے زیمورا کے اندر قتل ہوا تو سِیڈ اُس کے جانشین کی ملازمت میں داخل ہوگیا۔ اور یہ وہی الفانسو تھا جسکو اُسنے جلاوطن کیا تھا۔ پہلے پہل تو بادشاہ نے اس مغلوب نہ ہونے والے بہادر کا اپنے دربار میں آنا بہت ہی اچھا سمجھا اور خود اپنی رشتہ کی بہن سے اُسکا بیاہ کر دیا لیکن حاسدوں رقیبوں نے آخر کو بادشاہ کا دل جو راڈرگو کے ساتھ اسکے گذشتہ مظالم کو یاد کر کے کسی قدر منحرف تھا ہی بالکل پھیر دیا اور سنہ ۱۰۸۱ء میں سِیڈ اُسکے ممالک محروسہ سے نکال دیا گیا۔ کرانیکل میں اُسکے الوداع کا قصہ اس طرح لکھا ہے:-

"ہنڈ نے اپنے سارے دوستوں، رشتہ داروں اور باج گزاروں کو بلوا بھیجا اور اُنسے بیان کیا کہ بادشاہ ڈان الفانسو نے مجھے اپنے ملک سے خارج کر دیا ہے۔ اور اُنسے پوچھا کہ تم سے کون شخص اس اخراج میں میرا ساتھ دیتا ہے اور کون گھر میں رہنا پسند کرتا ہے؟ الوارفےنیز نے جو اُسکا بھتیجا تھا سامنے آکر کہا کہ اوہنڈ ہم تو تیرے ساتھ جائیں گے چاہے تو ویرانے میں جائے اور چاہے آبادی میں۔ اور کبھی تیرا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ ہم اپنے خچر اور گھوڑے، اپنے مال اور اسباب تیرے کام میں لگائیں گے۔ اور جب تک ہماری جانیں باقی رہیں گی تیرے خیر خواہ، دوست اور تابع فرمان رہیں گے۔ پھر سب لوگوں نے الوارفےنیز کے قول کی تصدیق کی اور ہنڈ نے اُنکی محبت کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ کبھی وہ وقت بھی آئے گا جبکہ میں تم کو اسکا صلہ دوں گا۔"

"اور جب وہ چلنے لگا تو مُڑ کر اپنے گھر پر نگاہ دوڑائی اور جب اُس نے دیکھا کہ اُسکا بڑا کمرہ سنسان اور اثاث البیت کے صندوق خالی اور دروازے کھلے پڑے ہیں، نہ کھونٹیوں پر چغے لٹکتے ہیں نہ سائبان میں بیٹھنے کے سامان ہیں اور نہ اڈوں پر باز۔ اُسکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اُسکی زبان سے یہ جملہ نکلا: "یہ سب میرے دشمنوں نے کیا ..... ہر حال میں خدا کا شکر ہے" اسکے بعد وہ مشرق کی طرف پھرا اور رکوع میں جا کر کہا " اے مادرِ متبرک مریم۔ اور سارے اولیا۔ خدا سے میرے لیے دعا کرو کہ وہ مجھے ایسی طاقت بخشے کہ سارے بت پرستوں کو تباہ کر دوں۔ اور اُن سے اسقدر فتوحات ہاتھ آئیں کہ اُن سے اپنے دوستوں کو معاوضہ اور اپنے سارے پیرووں اور معاونوں کو صلہ دے سکوں۔ اسکے بعد اُس نے الوارفےنیز کو بلایا اور اُس سے کہا کہ بھتیجے! بادشاہ نے جو ہمپر ظلم کیا ہے اُس میں غربا کی مطلق شرکت نہیں ہے۔ اس لیے اب

خیال رکھو کہ ہمارے راستہ میں اُنپر کسی طرح کا ظلم نہ ہونے پائے۔ اسکے بعد
اُس نے اپنا گھوڑا مانگا۔ اس وقت اک بڑھیا نے جو اُسکے دروازے پر کھڑی
تھی کہا کہ "اچھی ساعت میں جاؤ اور جو چاہو لوٹ لو" اس کہاوت کے ساتھ
وہ یہ کہتا ہوا گھوڑے پر سوار ہوا "دوستو! خدا کے فضل سے ہم بہت اعزاز
اور بڑے منافع کے ساتھ قسطالہ کو واپس آئیں گے۔ اور جب یہ لوگ بیوار
سے باہر نکلے تو اُنکے داہنے جانب سے اور جب برگاس پہونچے تو بائیں جانب
سے ایک کوا اُڑا۔"

"میرا سِڈ برگاس داخل ہوا اور اُسکے جلو میں ساٹھ جھنڈے تھے۔
مرد اور عورتیں اُسکے دیکھنے کو باہر نکلیں۔ اور برگاس کے مرد اور برگاس کی
عورتیں اپنے دریچوں میں رو رہی تھیں۔ اسقدر اُنکو غم تھا۔ اور سب نے
ایکدل ہو کر کہا "اللہ! کیسا اچھا ہیرو ہے اگر اسکو صرف ایک اچھا آقا ملتا!"
اور ہر شخص خوشی سے اُسکو اپنے گھر بلا لینا چاہتا تھا مگر کسی کو ایسا کرنے کی جرأت
نہ ہوئی کیونکہ ڈان الفانسو بادشاہ نے غیظ کی حالت میں برگاس میں خطوط بھیجے
تھے کہ کوئی شخص سِڈ کو اپنے مکان میں ٹھہرنے نہ دے اور جو شخص اس حکم کی
خلاف ورزی کرے گا اُسکی ساری املاک ضبط کیجائے گی اور علاوہ بریں
آنکھیں نکال لیجائیں گی۔ ان عیسائیوں کو اس سے بہت غم تھا اور جب وہ
اُنکے قریب پہونچا تو لوگ چھپ گئے۔ اس لیے کہ وہ اُس سے باتیں کرنے
کی مجال نہیں رکھتے تھے اور میرا سِڈ اپنے پوسٹڈا کی طرف سدھارا اور
جب دروازے پر پہونچا تو بادشاہ کے خوف سے کواڑ بند پائے۔ اسکے آدمیوں
نے چلا کر آواز دی لیکن اندر والوں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ سِڈ اپنے گھوڑے
کو کواڑوں کے نزدیک لے گیا۔ اور رکاب سے پاؤں نکال کر دروازے میں

لات ماری مگر کواڑ کب کھلتے ہیں وہ تو اچھی طرح سے بند تھے - اُس وقت کسی گھر سے نو برس کی ایک لڑکی نکل کر آئی اور اُس سے کہنے لگی " او سیڈ بادشاہ نے ہمکو منع کر دیا ہے کہ تم سے ملیں نہیں - ہماری مجال نہیں ہے کہ تمھارے لیئے اپنے کواڑ کھولدیں - اس لیئے کہ ہمارے مکان چھن جائینگے اور جتنی اور چیزیں ہیں وہ بھی جائیں گی اور ہماری آنکھیں بھی - سیڈ، ہماری برائیاں تمکو مدد نہیں پہونچانے کی لیکن خدا اور آسکے سب اولیا تیرے ساتھ رہیں وہ لڑکی یہ کہکر اپنے گھر واپس چلی گئی - اور جب سیڈ کو بادشاہ کی کارروائی کا حال معلوم ہوا تو اُس دروازے سے اُس نے مُنہ موڑا اور سینٹ میری کی طرف روانہ ہوا وہاں پہونچکر گھوڑے سے اُتر پڑا اور جھک کر تہِ دل سے دعا کی - اسکے بعد پھر سوار ہوا اور شہر سے باہر نکلا اور اپنا خیمہ آرلین زان کے قریب ریتے میں نصب کرایا - میرے سیڈ نے یعنی اُس شخص نے جس نے پہلے پہل اچھی گھڑی میں تلوار باندھی تھی ریت پر ٹھہرنے کا بندوبست کیا - کیونکہ وہاں کوئی ایسا نہ تھا جو اُسے اپنے گھر کے اندر جگہ دے لیکن ایک عمدہ جماعت اُسکے ساتھ تھی - وہاں وہ ایسا ٹھہرا ہوا تھا کہ گویا کوہستان کے بیچ میں ہے ......

جس وقت مرغ زور زور سے بانگ دے رہے تھے اور پو پھٹنا شروع ہوئی تھی یہ نیکوکار بہادر سینٹ پیڈرو کے گرجا میں پہونچا وہاں کا پادری جس کا نام ڈان سائس ہیوتُو تھا فجر کی نماز پڑھا رہا تھا اور ڈونا زمینا (سیڈ کی بیوی) اور اُسکی پانچ اچھی خاندانی سہیلیاں پادری کے ساتھ خدا اور سینٹ پیٹر (پطرس حواری) سے میرے سیڈ کی مدد کی دعا مانگ رہی تھیں - جب اُس نے پھاٹک پر سے آواز دی اور وہ سب اُسکی آواز کو پہچانتے ہی تھے تو وہ پادری کیبارگی خوشی سے اُچھل پڑا - وہ سب مشعلیں اور بتیاں لیے ہوئے باہر نکل آئے - پادری نے

خدا کا شکر کیا کہ اس وقت میں نے اپنے ہیڈ کا چہرہ دیکھا۔ سیڈ نے جو کچھ اُس پر
گزری تھی سب بیان کر دی اور کہا کہ اب میں خارج البلد ہوں۔ پھر اُس نے
پچاس مارک اپنی طرف سے اور سَوڈونا زمینا اور بچوں کی طرف سے اُسکے
نذر گیے اور کہا کہ پیر و مرشد میں دو لڑکیوں کو آپ کی حفاظت میں چھوڑے
جاتا ہوں آپ ان بچوں اور میری بیوی اور اُسکی سہیلیوں کی خبر لیتے رہیے گا۔
جب یہ روپے خرچ ہو جائیں اور بس نہ ہوں تو آپ کشادہ دلی سے انھیں
خرچ دیں۔ آپ انکے لیے جو کچھ خرچ کریں گے اُسکے بدلے خانقاہ کو میں
ایک ایک کے چار چار روپے دونگا۔ پادری نے نہایت خوشی کے ساتھ اسکا وعدہ کیا۔
یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ڈونا زمینا اپنے ساتھ دونوں بچیوں کو لیے ہوے
آپہونچی اور زار و قطار روتی ہوئی گھٹنوں کے بل اپنے شوہر کے سامنے جھکی
اور اُسکے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہا۔ پھر کہنے لگی اے لو اب تمکو دشمنوں نے اس
ملک سے نکلوا دیا۔ یہاں میں اکیلی ننھی ننھی بچیوں کو لیکر رہوں اور تمھاری زندگی
ہی میں مجھ میں اور تم میں جدائی ہو۔ پاکدامن مریم کا واسطہ۔ مجھے اب یہ تو
بتاؤ کہ میں کیا کرونگی۔ سیڈ نے بچوں کو گود میں لے لیا اور انھیں سینے سے
لگا کر رونے لگا۔ کیونکہ جان سے عزیز رکھتا تھا۔ جب آنسو تھمے تو اُس نے
کہا کہ خدا اور پاکدامن مریم کی عنایت سے میں اپنے ہاتھ سے ان بچیوں کا
بیاہ کرنے کو اور اے میری معزز بیوی تیری خدمت کرنے کو ابھی زندہ رہوں گا
کیونکہ ہمیشہ سے میں تم کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔"

"اُس دن خانقاہ میں نکو کار رہبانِ خواہ کے لیے بہت بڑی ضیافت
کا سامان کیا گیا اور سینٹ پڑرو کا گھنٹہ خوشی کے نعرے بلند کرتا رہا۔ اس اثنا
میں سارے قسطالہ میں یہ خبر مشہور ہو گئی تھی کہ سیڈ اُس ملک سے اس طرح

جلاوطن کیا گیا۔ اس خبر سے لوگوں کو بہت غم ہوا۔ کچھ لوگ اپنے گھر بار
چھوڑ کر اُسکے ساتھ جانے کو اُٹھ کھڑے ہوئے اور کچھ اپنے عہدوں
سے دست بردار ہو بیٹھے اُسی دن ڈیگو سوناٹ سِڈ کے کھونٹی میں
آرلینزون کے پل پہ آکر جمع ہوئے جہاں مارٹین انٹولینز آکر اس جماعت
میں شریک ہوا اور سب گھوڑوں پہ سوار ہو کر سینٹ پیڈرو کی طرف
روانہ ہوئے۔ سِڈ نے جب پیادہ سے سنا کہ بڑی بھاری جماعت مجھ سے
ملنے کو چلی آئی ہے تو وہ اپنی قوت کا خیال کر کے بہت خوش ہوا اور سوار
ہو کر اُنکے استقبال کو باہر نکلا اور بڑی خوشی سے اُنکو خیر مقدم کہا۔ اُن
لوگوں نے اُسکے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ پھر سِڈ نے اُن سے کہا کہ میں خدا سے
دعا کرتا ہوں کہ ایک دن میں تمھیں اسکا صلہ دوں۔ کیونکہ تم نے اپنے گھر
اور موروثی جائدادوں کو میرے لئے خیرباد کہا ہے۔ اور مجھے خدا پر بھروسا ہے
کہ میں تمھیں المضاعف دوں گا۔ اُسے صرف نو دن کی مہلت ملی تھی
جنمیں سے چھ تو گذر گئے اب تین ہی دن رہ گئے تھے۔ اور اسکے بعد اگر
اُس سلطنت کے حدود کے اندر وہ پایا جاتا تو مال و زر کچھ بھی اُسے نہیں بچا
سکتا تھا۔ اُس دن سب نے ملکر جشن کیا اور جب شام ہوئی تو سِڈ کے پاس
جو کچھ تھا سب کو اُس نے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کیا اور ہر شخص کو اُس کے
رتبہ کے لحاظ سے حصہ دیا۔ اور اُن سے کہا کہ تم سب کل علی الصباح صبح
کی عبادت کے وقت مجھ سے آکر ملو اُسی وقت ہم سب کوچ کریں گے۔
مرغ نے بانگ بھی نہیں دی تھی کہ سب تیار ہوگئے۔ اور پادری نے مقدس
تثلیث کی نماز ادا کی۔ جب اس سے فرصت ہوئی سب گرجا سے نکل کر
گھوڑوں کے پاس آئے۔ سِڈ نے ڈونا ریمنا اور اپنی دونوں بیٹیوں کو گلے لگایا

اور اُنھیں دعا دی - ان کا ایک دوسرے سے جدا ہونا ویسا ہی تھا جیسے زندہ گوشت سے ناخن - وہ رویا اور پھر پھر کر اُنھیں دیکھتا ہوا سدھارا - ایپر الوارفے نیزنے اُسکے پاس آکر کہا کہ میرے سِڈ تمھاری جرأت کہاں چلی گئی - تم اچھا نصیب لیکر اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو - اب صرف راستہ کا خیال کرو - یہ غم مبدل بخوشی ہو جائیں گے "۔

شمال کے مسلمان بادشاہوں میں سے سب سے قوی سرقسطہ کا بادشاہ تھا - سِڈ نے اُسکے یہاں ملازمت کی درخواست کی جو بڑی مسرت کے ساتھ منظور کی گئی - سِڈ نے اپنے ساتھیوں ہی کو ساتھ لیکر اراگان میں سخت لوٹ مچائی اور اس قدر تیزی سے گھوڑے پر گیا کہ اُس ملک کے اک بڑے وسیع قطعہ کو پانچ دنوں میں طے کیا اور قبل اسکے کہ عیسائی آدمی جمع کریں وہاں سے دور نکل گیا - مسلمانوں کا سپہ سالار بنکر برشلونا کے کونٹ پر چڑھائی کی اور اُسپر بڑی بھاری فتح پائی - اور کونٹ کو اپنی طرف کر لیا - اسکی کیفیت کہ سِڈ اور اُسکے خوشیاں منانے والے ساتھی کس طرح میدان جنگ میں کامیاب ہوئے "کرانکل" کی عبارت میں ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں :

" پیرو برمیڈز سے ضبط نہ ہو سکا - اُس نے علم ہاتھ میں لیکر نعرہ مارا کہ خدا تمھاری مدد کرے او سِڈ مبارز خواہ - میں تمھارے علم کو اُس قلب لشکر میں گھونگا اور تم کو جسپر اُسکی محافظت فرض ہے میں دیکھوں گا کہ کیونکر اسکی حفاظت کرتے ہو - یہ کہکر اُس نے گھوڑے کو آگے کی طرف بڑھانا شروع کیا - سِڈ نے اُسے پکارا کہ ٹھہر جاؤ - کیونکہ اُسکو دوست رکھتا تھا - لیکن پیرو برمیڈ نے جواب دیا کہ اب مجھے کوئی شئے ٹھہرا نہیں سکتی ہے - یہ کہتا ہوا وہ آگے کی طرف بڑھتا چلا گیا اور اپنے علم کو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے بیچ میں لے گیا - مسلمان اُس علم کو لینے کے لیے اُسپر ٹوٹ پڑے اور چاروں طرف سے اُسے گھیر کر بہت سے وار اُسپر کیے

جسمیں وہ گر جائے۔ مگر اسپر بھی اُسکے دست و بازو پر کچھ اثر نہ ہوا نہ کہیں نیزہ نے اُسکو
زخم پہونچایا اور نہ وہ لوگ اُسکو گرا سکے اور نہ اُسکے ہاتھ سے علم چھین سکے۔ کیونکہ وہ سچا
بہادر اور قوی و عمدہ سوار اور بڑے دل کا آدمی تھا۔ اور ہیڈ نے جب اُسکو اس طرح سے
دشمنوں میں محصور دیکھا تو اُس نے اپنے لوگوں کو آواز دی کہ اُسکی مدد کے لیے آگے بڑھو۔
اسپر وہ لوگ اپنی ڈھالوں کو سینے کے آگے رکھے اور نیزوں کو جن میں پھنّے لگے ہوئے تھے
جھکائے آگے کی طرف جھکے ہوئے آگے بڑھے۔ یہ سب تین سو نیزہ بردار تھے اور ہر
شخص نے پہلے ہی حملہ میں اپنے مقابلہ کے مسلمانوں کو موت کا مزہ چکھایا۔ بیارزخواہ نے
آواز دی کہ بہادرو اگر نیکوکاری کو دوست رکھتے ہو تو ان لوگوں کو صاف کردو۔ میں
روئی ڈوانز بیوار کا ہیڈ ہوں۔ اُسدن بہت سی ڈھالوں میں سوراخ ہوئے۔ بہت سے
چار آئینے ٹوٹے بہت سے سفید پھنّے خون سے سرخ ہوئے اور بہت سے گھوڑے بے سوار
رہ گئے۔ بد اعتقادوں نے محمدؐ کو پکارا اور عیسائیوں نے سینٹیاگو کو۔ اور طنبور و شہنائی
صداؤں سے پاس کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ اور میرے ہیڈ اور اُسکی جماعت نے
پیرو برموڈز کی مدد کی پر کی۔ یہ لوگ مسلمانوں کی جماعتوں میں گھس کر لوگوں کو راستہ میں قتل کرتے
ہوئے گئے اور پھر اسی طرح سے گھوڑوں پر چڑھے ہوئے واپس آگئے۔ ان لوگوں نے
اس حالت میں تیرہ سو آدمی قتل کیے۔ اگر تم جاننا چاہو کہ اُس دن کے نیکوکار لوگ
کون تھے تو مجھے مناسب ہے کہ تمھیں بتا دوں۔ کیونکہ اگرچہ وہ سب دنیا سے چل بسے
لیکن یہ نہیں کہنا چاہیے کہ جن لوگوں نے اچھے کام کیے ہیں اُنکے نام بُھلا دیے جائیں
اور جو لوگ کہ خود نیک کام کر چکے ہیں یا جنھیں کرنے کی امید ہے وہ بھی اسکو اچھا نہ سمجھیں گے
اسلیے کہ اگر اچھوں کے کارنامے طاق نسیاں پر رکھدیے جائیں تو وہ اس طرح بھلائی کرنے
کے پابند نہ ہوں۔ اس میں ایک تو میرا ہیڈ تھا جنگ کے وقت کا عمدہ آدمی جو اپنی
ملمع کار زین میں بیٹھا ہوا خوب لڑا۔ اور الوار فی نیز تھا۔ اور مارٹن انٹولی نیز

اور الوار الویریز۔ اور الوار سالویڈورس ۔ اور گیلین گارشیا اراگان کا رہنے والا ۔ او
تیلز مونا ز مبارزخواہ کا بھتیجا تھا ۔ سیراہنڈ جدھر رخ کرتا تھا اُدھر مسلمان راستہ چھوڑ
دیتے تھے کیونکہ وہ انھیں بیرحمی سے صاف کرتا جاتا تھا ۔ اور لڑائی ہو رہی تھی کہ
مسلمانوں نے الوار فنینز کے گھوڑے کو مار ڈالا اور اُسکا نیزہ ٹوٹ گیا تھا اور وہ پیادہ پا
تلوار سے لڑ رہا تھا ۔ سیراہنڈ یہ حال دیکھکر ایک غازی کے نزدیک جو عمدہ گھوڑے پر
سوار تھا جا پہونچا اور اپنی تلوار سے اُسکے داہنے ہاتھ پر ایسی ضرب رسید کی کہ اُسکے
پرزے اُڑ گئے اور اُسکا گھوڑا الوار فنینز کو یہ کہکر دیا کہ لو مینایا اسپر سوار ہو کیونکہ تم
میرے داہنے بازو ہو"

ہنڈ کی زندگی کا بڑا کارنامہ بلنسیہ کی فتح تھی ۔ ملکی وقتوں کے زور سے وہ بلنسیہ کے
مسلمان بادشاہ کا سرقسطہ کے بادشاہ کی طرف سے حامی و نگہبان مقرر ہوا ۔ یہ پہلی مرتبہ
بلا مخالفت اور امن کے ساتھ داخل ہوا ۔

اسکے بعد ہنڈ بلنسیہ پہونچا اور بادشاہ یحییٰ بڑے اعزاز کے ساتھ اُس سے ملا اور
اُس سے معاہدہ کیا کہ فی ہفتہ چار ہزار دینار نقرئی ادا کریگا اور ہنڈ اسکے معاوضہ میں قلعجات
کو اُسکی اطاعت میں لے آئے تاکہ قلعہ دار وہی محصول اسے دیا کریں جو بلنسیہ کے
پہلے بادشاہوں کو دیتے تھے اور ہنڈ سب لوگوں کے مقابلہ میں چاہے وہ مسلمان ہوں او
چاہے عیسائی اُسکی حفاظت کرے اور بلنسیہ کو اپنا وطن قرار دے اور اپنا مال غنیمت
فروخت کے لیے وہیں لایا کرے اور اپنے انبار خانے وہیں قائم کرے ۔ یہ معاہدہ ضبط
تحریر میں لایا گیا اور دونوں جانب سے وہ مکمل ہو گیا ۔ میرے ہنڈ نے اُن سب لوگوں کو
جو قلعجات پر قابض تھے کہلا بھیجا کہ بلنسیہ کے بادشاہ کو اُسی طرح سے محصول ادا کریں
جس طرح سے وہ اس سے پیشتر ادا کیا کرتے تھے ۔ سب نے اُسکا حکم مان لیا ۔ اور
ہر ایک نے اُسکی دوستی حاصل کرنے میں دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش کی"

بلنسیہ کے مضبوط مقام سے سڈ نے آس پاس کی سلطنتوں کو زیر کرنا شروع کیا وہ دینیا کے مقابلہ میں لڑا اور زیوٹیا سے صف آرا ہوا اور جاڑے بھر وہیں قیام کیا اور اُسکو سخت نقصان پہونچایا یہاں تک کہ اوہی ہیولا سے زیوٹیا تک کوئی دیوار کھڑی باقی نہ رہی کیونکہ اُسنے سب کو ڈھا دیا اور اُس نے کل مال غنیمت اور قیدیوں کو بلنسیہ میں لاکر فروخت کیا۔" لیکن ان مہموں میں سے ایک میں تھوڑے عرصہ کے لیے اُسکا دارالسلطنت اُسکے ہاتھ سے نکل گیا سنہ ۱۰۸۹ء میں الفانسو نے پھر اسپر نظر عنایت کی اسکو چند قلعے عطا کیے اور فرمان صادر کیا کہ جو کچھ سڈ فتح کرے وہ اُسی کی جائداد سمجھی جائے گویا یہ سمجھنا چاہیے کہ اُسنے سڈ کو قریب قریب خود مختار رئیس تسلیم کرلیا۔ مگر تھوڑے ہی دن بعد وہ بادشاہ پھر اپنے قوی تحت سے بدگمان ہوگیا۔ سڈ شمال کی جانب گیا ہوا تھا اسلیے بادشاہ نے عمدہ موقع دیکھکر اُسکے خاص مقبوضہ شہر بلنسیہ کا محاصرہ کیا۔ مبارز خواہ یہ حال سنکر طیش میں آگیا اور انتقام لینے کے طور پر الفانسو کے اضلاع نجیرا اور کیلے ہارا کو تلوار کی آنچ اور آگ سے تباہ اور لوگرونو کو ویران کرکے زمین کے برابر کردیا۔ جسکو لاطینی کی پرانی کتاب گسٹا میں اس طرح لکھا ہے: "ہیبت ناک و بیرحمانہ غارتگری سے اُسنے اُس سرزمین کو تباہ و خراب کردیا اور اُسکی ساری دولت چھین کر اپنے قبضہ میں کرلی"۔ الفانسو جلدی سے بلنسیہ کا محاصرہ ترک کرکے خود اپنے ملک کو بچانے کے لیے واپس آیا۔ لیکن سڈ چونکہ اپنا مطلب پورا کرچکا تھا اسلیے دوسری راہ سے واپس آیا اور بلنسیہ کے پھاٹکوں کو اپنے لیے بند پایا۔

اسکے بعد نو مہینہ کا یادگار محاصرہ شروع ہوا۔ جسکے اثنا میں بلنسیہ کے لوگوں نے بھوک اور پیاس کی سختیاں جھیلیں مگر سڈ نے اپنا بیرحمانہ محاصرہ جو شہر پناہ کے ہر جانب تھا باقی رکھا۔ محصورین فاقوں سے مرنے لگے اور جو لوگ تیار باہر نکل آتے تھے یا جنکو شہر کے لوگ فضول بوجھ سمجھکر باہر نکالدیتے تھے وہ یا تو قتل ہوتے تھے یا

سیڈ کے سپاہی اُنھیں لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالتے تھے۔ مسلمان مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں سے اکثر کو سیڈ نے زندہ جلا دیا تھا۔ کرانکل رقت آمیز لہجہ میں یہ خبر دیتا ہے " اب شہر میں کوئی چیز کھانے کی نہیں رہی تھی جو خریدی جاتی۔ لوگوں میں صرف موت کا بازار گرم تھا۔ لوگ گلیوں میں آ کر گرتے اور مرتے جاتے تھے"

آخر کار جون ۱۰۹۴ء میں بلنسیہ نے اطاعت قبول کر لی اور سیڈ پھریرا لیا ہوا شہر کے برجوں اور فصیلوں پر جا کھڑا ہوا۔ اسنے اہل شہر سے سخت شرطیں منظور کیں اور بہتوں کو حوالی شہر میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا "تاکہ قحط زدہ والوں کے لیے جگہ خالی ہو۔ لیکن اگرچہ وہ سخت اور مفتوحین کے ساتھ معاملہ کرنے میں پورا پابند اقرار نہ تھا تاہم اُسکی فتح پر قتل عام کرنے کا دھبہ نہ تھا۔ بعض اوقات لوگ [illegible] اُنکی جانیں باستثناء سرداروں کے محفوظ رہیں۔ اسوقت سیڈ اپنے اقتدار کے اعلیٰ زینہ پر پہونچ گیا تھا۔ اُس نے اپنی بیوی اور بیٹیوں کو خانقاہ سے منگوایا اور بلنسیہ کے بادشاہ اور اطراف و جوانب کے ملکوں کا سرتاج حامی و سرپرست شہنشاہ بنکر مستقل طور پر وہاں سکونت گزیں ہوا۔ ارگان کا بادشاہ بھی اُسکے اتحاد کا خواستگار ہوا۔ اُس نے اپنے ہمسایہ والوں سے سخت خراج وصول کرنا شروع کیا۔ اُسکی آمدنی سالانہ ایک لاکھ بیس ہزار طلائی سکہ بلنسیہ سے تھی۔ دس ہزار البرسین کے رئیس کے پاس سے دس ہزار البوانٹی کے وارث کے یہاں سے۔ چھ ہزار مرویڈو کے مالک کے پاس سے آتے تھے۔ اسد علیٰ ہذا۔ وہ خیال کرتا تھا کہ سارے اندلس کو دوبارہ فتح کر لینا چاہیے وہ کہا کرتا تھا کہ " ایک رذریق نے اسپین کو ہاتھ سے دیا تھا، دوسرا اسکو واپس لیگا"۔ جب مرد انیین اُسکے مقابلہ پر آئے تو اس نے اُنھیں شکست دی۔ کرانکل میں یہ قصہ اس طرح مذکور ہے:

"دن گذر گیا اور رات آگئی۔ جسوقت مرغ بانگ دیتا ہے سب کے سب سینٹ پیڈرو

کے گرجا میں جمع ہوے اور پیر پادری ڈان ہیرونی مو نے صبح کی مناجات گائی سب نے گناہوں کے اقرار اور توبہ و نجات حاصل کرنے کی رسمیں ادا کیں۔ پیر پادری نے بہت بڑا پروانہ بخشایش کا ان لوگوں کو دیا۔ اُس نے کہا کہ جو شخص رُخ سامنے کیے ہوے لڑتا ہوا مریگا میں اُسکے گناہوں کو اپنے سر لیونگا اور خدا اُسکی روح کو اپنے پاس رکھے گا۔ پھر اُسنے کہا کہ او ہیڈ ڈان راڈریگو! میں تم سے ایک عنایت کا خواستگار ہوں۔ آج صبح کو میں نے تمھارے لیے مناجات گائی ہے۔ تم مجھے اسکی اجازت دو کہ اس جنگ میں پہلے زخم میرے ہاتھ کے لگیں۔ ہیڈ نے خدا کے نام پر اس درخواست کو منظور کیا۔ بالجملہ جب سب تیار ہو گیا وہ سب اُس پھاٹک سے باہر نکلے جو (باب الافعی) سانپ کا دروازہ کہلاتا ہے کیونکہ مسلمانوں کی بہت بڑی طاقت اُسی جانب تھی۔ اور تھوڑے سے آدمیوں کو اُس پھاٹک کی حفاظت پر متعین کر دیا۔ الوار فینیز اور اُسکی جماعت پہلے سے باہر نکل کر کمینگاہ میں بیٹھی تھی۔ جو لوگ میرے ہیڈ کے ساتھ باہر نکلے تھے اُنکی تعداد تیس کم چار ہزار تھی۔ یہ لوگ طیب خاطر سے پچاس ہزار پر حملہ کرنے کو باہر نکلے تھے۔ یہ سب تنگ جگہوں اور دشوار گذار دروں میں ہوکر گذرے اور کمینگاہ کو بائیں جانب چھوڑ کر داہنے ہاتھ کی طرف حملہ کیا تاکہ مسلمان اُنکے اور شہر کے بیچ میں ہو جائیں۔ ہیڈ نے عمدہ ترتیب سے سپاہیوں کو کھڑا کیا اور پیرو برمودز کو نشان لینے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے جب یہ دیکھا تو سخت متحیر ہوے۔ ان لوگوں نے جلدی جلدی گھوڑوں پر زینیں کسیں اور اپنے خیموں سے باہر نکل آئے۔ تب ہیڈ نے اپنے نشان کو آگے بڑھانے کا حکم دیا اور پیر پادری ہیرونی مو نے اپنی جماعت کے ساتھ گھوڑے کو آگے بڑھایا اور اس ہوشیاری سے حملہ کیا کہ بہت جلد دونوں فوجیں مل گئیں۔ اُسوقت تم دیکھتے کہ بہت سے گھوڑے میدان جنگ میں دوڑتے پھرتے تھے جن کی زینیں پیٹھوں سے کھسک کر پیٹوں سے چپکی ہوئی تھیں اور

بہت سے سوار زمین پر پڑے سسکیاں لے رہے رہے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں بہت قتل و خونریزی ہوئی لیکن اس وجہ سے کہ مسلمان تعداد میں زیادہ تھے عیسائیوں کو سخت مصیبت کا سامنا پڑا اور قریب تھا کہ غالب آجائیں۔ مگر ہیڈ نے بہت بلند آواز سے خدا اور سینٹیاگو کا نعرہ مار کر لوگوں کے دل بڑھائے۔ اتنے میں الوار فینیز کینگاہ سے باہر نکلا اور جو دستہ سب سے زیادہ سمندر کے قریب تھا اُسی پر ٹوٹ پڑا اور مسلمانوں نے خیال کیا کہ بہت بڑی قوت ہیڈ کی کمک کو پہونچی۔ پھر کیا تھا اُن کے اوسان خطا ہوگئے اور لوگوں نے بھاگنا شروع کیا۔ ادھر سے ہیڈ اور اُسکے ہمراہیوں نے تعاقب کیا اور بُری طرح اُنکی خبر لینی شروع کی۔ اگر ہم چاہیں کہ تم کو یہ بتائیں کہ اس جنگ میں ہر ایک شخص نے کیا کیا جوہر دکھائے تو امر محال ہے کیونکہ ہر شخص نے اسقدر عمدگی سے کام کیا کہ کوئی شخص اُسکے کارنامے بیان نہیں کرسکتا ہے اور ہیڈ نے اس خوبی کے ساتھ کارروائی کی اور مسلمانوں میں اس طرح کی خونریزی کی کہ اُسکی کلائی سے خون بہ کر کہنی تک پہونچا۔ اُس دن اُسکو اپنے گھوڑے بویسیا پر بڑا ناز تھا کہ اُس نے بڑی اصالت دکھلائی۔ تعاقب کرنے میں وہ بادشاہ یوسف کے پاس پہونچ گیا۔ اور تین وار اُسپر کیے مگر وہ بادشاہ تلوار کے نیچے سے نکل بھاگا کیونکہ ہیڈ کا گھوڑا اپنی رَو میں آگے جا پڑا اور جب اُدھر سے پلٹا تو چونکہ بہت ہی تیز گھوڑا اُسکی رانوں کے نیچے تھا اسلیے وہ اسقدر دور نکلگیا تھا کہ ہاتھ نہیں آسکتا تھا۔ اور وہ ایک قلعہ میں پہونچ گیا جو غیارہ کہلاتا تھا۔ اسلیے کہ عیسائی مارتے اور قتل کرتے ہوے بہت دُور نکل گئے تھے۔ عیسائیوں نے اُنھیں دم لینے نہیں دیا یہانتک کہ پچاس ہزار میں سے شاید پندرہ ہزار بھی بچکر نہیں گئے ہونگے۔

لیکن جنگ کی قسمت متلون ہوا کرتی ہے۔ آخر کار حملہ آوروں نے ہیڈ کے سپاہیوں کو شکست دی اور وہ جولائی ۱۰۹۹ء میں غم سے مرگیا۔ لوگ اُسکی لاش کو اُٹھا لیگئے اور مٹرنے سے محفوظ رکھنے کے لیے وہ مصالحوں سے بھری گئی اور برابر اُسکی حفاظت کی گئی

جیسا کہ شاعروں کے افسانوں میں ہے لوگوں نے ہسڈ کے حکم کی تعمیل کی۔ لوگوں
نے لاش اُسکے گھوڑے بوبیا پر سوار کیا اور زین میں ایسا مضبوط باندھ دیا کہ وہ سیدھا
بیٹھا ہوا تھا اُسکے چہرہ میں کچھ تغیر نہیں آیا تھا اُسکی آنکھیں کھلی چمکیلی اور خوبصورت تھیں
اُسکی داڑھی سینہ تک لٹک رہی تھی اور اُسکی وفادار تلوار ٹیزونا اُسکے ہاتھ میں تھی
کوئی شخص پہچان نہیں سکتا تھا کہ وہ مردہ ہے۔ لوگ راہوار بوبیا کو اس ٹھاٹ سے
شہر سے باہر لیکر چلے کہ پیرو برموڈز تو آگے آگے ہسڈ کا نشان لیے ہوے تھا اور پانچ سو
نائٹ حفاظت کے لیے جلوس میں تھے اور ڈونا زمینیا معہ اپنی خواصوں اور جلوداروں
کے پیچھے پیچھے تھی۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ محاصرین کے بیچ میں سے باہر نکلے اور قسطالہ کی
سڑک پر روانہ ہوے۔ مسلمانوں کو اس عجیب روانگی سے سخت حیرت ہوئی کیونکہ
انھیں خبر نہ تھی کہ ہسڈ مرگیا ہے۔ بالجملہ اس نامآور کی لاش فیل دنداں کی کرسی پر
بیٹھے ہوے سینٹ پیڈرو ڈی کارڈینا کی بڑی قربان گاہ کے پہلو میں رکھی گئی۔ اور اوپر سے ایک
شامیانہ کھینچا گیا۔ اور وہاں قسطالہ۔ لیون۔ نوار۔ اراگان اور ہسڈ مبارزخواہ کی اسلحہ
کی صورتیں عمدہ رنگ آمیزی سے بنا دی گئیں۔ دس برس تک ہسڈ قربان گاہ کی بغل
میں سیدھا بیٹھا رہا اور اُسکے چہرہ سے اُسوقت تک امارت و رعب ظاہر ہوتا تھا
مگر پژمردگی کے آثار نمایاں ہونے لگے اسلیے لوگوں نے اُسی قربان گاہ کے سامنے
جہاں ڈونا زمینیا پہلے سے مدفون ہوچکی تھی دفن کردیا۔ یعنی گنبد میں بھی سیدھا فیل
دنداں کی کرسی پر بیٹھا ہوا اسی شان سے رکھدیا گیا کہ شاہانہ لباس زیب بدن تھا اور ٹیزونا
تلوار ہاتھ میں۔ وہ اسوقت میں بھی وہی مبارزخواہِ اعظم معلوم ہوتا تھا جسکی ضربتیں کھائی
ہوئی سپر اور فتحمندی کا نشان اُسکی قبر کے اوپر بیکسی و ناپرسانی کی حالت میں پڑا ہوا تھا

بارہویں فصل

سلطنت غرناطہ

سد جیسے سپاہیوں اور فرننڈو اور الفانسو جیسے بادشاہوں کے ہوتے ہوئے عیسائیوں کا سارے اسپین کو پھر قبضہ میں لے آنا صرف مناسب وقت پر موقوف تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر قوم کے لیے ایک تو نشو ونما کا زمانہ ہوا کرتا ہے اور ایک اُسکے شباب بہار کا۔ جسکے بعد خزان و انحطاط کا موسم شروع ہو جاتا ہے جس طرح یونان پر ادبار آیا۔ جس طرح روما تباہ ہوا۔ جس طرح دنیا کی ہر قدیم سلطنت نے نشو ونما پائی پھلی پھولی۔ اور پھر نیست و نابود ہو گئی اُسی طرح اُندلس میں مسلمانوں پر ادبار آ گیا اُن کا وقت قریب آ گیا تھا۔ مروانیوں کے الحاق کر لینے سے پیشتر بھی اُنکے آپس میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی اور جب اُنکے بربری آقا نکالدیے گئے تب بھی اُنکی یہی حالت تھی۔ لیکن مروانین پورے طور سے جانے بھی نہیں پائے تھے کہ نئے دشمن آ موجود ہوے۔ موحدین نے جنھوں نے افریقہ سے مروانیوں کو اُکھاڑ پھینکا تھا چاہا کہ اپنے مفتوح سلف کی پیروی کریں اور اُندلس کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیں۔ مسلمانوں کی سلطنت جو زمانۂ دراز سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی اُسکے فرمانرواؤں کی باہمی نا اتفاقی نے اُسکے لے لینے کو ایک آسان کام بنا دیا تھا۔ ۱۱۴۵ء میں موحدین نے الجسرہ کو لے لیا اور ۱۱۴۶ء میں ان لوگوں نے اشبیلیہ و مراغہ پر قبضہ کیا اور بعد کے چار برسوں میں قرطبہ اور بقیہ جنوبی اسپین اُنکی حکومت کے تحت میں آ گیا۔ بعض فرمانرواؤں نے فی الحقیقت کچھ عرصہ تک اپنے آپ کو سنبھالا لیکن افریقہ کے موحدین

کی جماعتیں اس قدر زیادہ نہیں کہ کوئی تنہا رئیس زیادہ مدت تک ان کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتا تھا۔

باایں ہمہ موحدین کا ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ اندلس کو اپنی حکومت کا مرکز بنائیں۔ وہ اُس پار افریقہ سے بیٹھے ہوئے حکمرانی کرتے تھے جسکا نتیجہ یہ تھا کہ اسپین پر اُن کا تسلط کمزور تھا۔ اندلس کے پرآشوب اضلاع کو وہ فرمانروا آسانی سے قبضہ میں نہیں رکھ سکتے تھے جو مراکو سے نائب بھیجنے پر اکتفا اور وقتاً فوقتاً عیسائیوں کے حملے روکنے کے لیے مہیں روانہ کردینے پر قناعت کیا کرتے تھے۔ جب یہ لوگ فوجیں لیکر آتے تھے تو اُنکی کوششیں عموماً کامیابی کے تاج سے مزین ہوتی تھیں۔ ان لوگوں نے ۱۱۹۵ء میں بیڈیجاز کے قریب الارقاص کے مقام پر بڑی پرشوکت فتح حاصل کی جس میں دشمن کے ہزاروں آدمی تہ تیغ ہوئے اور بیشمار مال غنیمت پرجوش مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ لیکن جب لاس نیواس کے مصیبت خیز میدان جنگ نے ۱۲۱۲ء میں موحدین کی قسمت کا فیصلہ کیا تو جنگ کی قسمت پلٹ گئی۔ چھ لاکھ آدمیوں میں سے معدودے چند ہی آدمی بچکر اس خونریزی کی داستان سنانے کو بھاگ نکلے۔ ایک شہر کے بعد دوسرا عیسائیوں کے قبضہ میں آتا گیا۔ اور اندلس میں جو افریقی تھے اُنکے آپس کی نا چاقیوں اور افریقیہ میں جو متقابل خاندان تھے اُنکے حملوں نے اندلس کے سرداروں کو جو اپنے بیرونی حاکموں کی متزلزل حکومت سے بیزار ہو گئے تھے ۱۲۳۵ء میں اسکا موقعہ دیا کہ موحدین کو اس جزیرہ نما سے نکال دیں۔ ایک عرب سردار نے جسکا نام ابن ہود تھا اپنے آپ کو جنوبی اسپین کے اکثر حصوں اور سبتہ واقع افریقیہ کا مالک بنا لیا۔ لیکن ۱۲۳۸ء ہی میں اُس نے قضا کی اس سبب سے اندلس کی حکومت غرناطہ کے سردار بنی نصر کے قبضہ میں آگئی۔

غرناطہ کی سلطنت مسلمانان اسپین کے لیے ایک آخری حصار تھی۔ اسوقت جو کچھ اُنکے قبضہ میں باقی رہ گیا تھا وہ کچھ زیادہ نہ تھا۔ ۱۲۳۸ء اور ۱۲۶۰ء کے درمیان قسطالیہ

کے بادشاہ فرڈیننڈ ثالث اور ارگان کے بادشاہ جیمس اول نے بلنسیہ - قرطبہ - اشبیلیہ
اور مرسیلیہ کو فتح کر لیا - اور اس زمانہ میں مسلمانوں کی حکومت صوبہ غرناطہ کے موجودہ
حدود پر محدود تھی - یعنی جو علاقہ کہ سیرا نویدا اور ساحل کے قریب المیریا سے لیکر جبل الطارق
تک ہے - لیکن اس حد کے اندر بھی اُنکی سلطنت ڈھائی صدیوں تک اور باقی رہنے
والی تھی - اگرچہ مسلمان ہر جانب سے گھرے ہوئے تھے مگر اُنھیں سپاہیوں کی کسی طرح
کی نہ تھی - مفتوحہ شہروں کے باشندے یعنی اسلامی ریاستیں جو مغلوب ہو گئی تھیں اُنکے
نہایت ہی جری لڑنے والے آتے تھے اور ایک مسلمان بادشاہ جو باقی رہ گیا تھا اُس کے
قبضہ میں اپنی تلواریں ملازمت کے ذریعے سے دینے کی درخواست کرتے تھے - تاریخ
میں درج ہے کہ پچاس ہزار عرب بلنسیہ سے بھاگ کر اور تین لاکھ اشبیلیہ - زیرس اور
قادس سے بھاگ کر اُسکے ظل حمایت میں چلے آئے - باایں ہمہ غرناطہ قسطالہ کے تاج کا
باجگذار بنایا گیا - بنی نصر کے خاندان کا بانی ایک عرب ابن الاحمر بڑا ہی جفاکش بادشاہ تھا
لیکن وہ عیسائیوں کی قوت کا جنکے قبضہ میں قریب قریب سارا اسپین تھا مقابلہ نہیں کر سکتا
تھا - گو اس نے فرڈیننڈ اور اُسکے بیٹے الفانسو صاحبِ علم کی اطاعت قبول کی اور انکو
خراج دینا منظور کیا مگر پہلے کئی بار اُنکے اتقۂ اطاعت سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے
لیے لڑائیاں لڑ چکا تھا - اسی زمانہ سے عیسائی بادشاہوں نے غرناطہ کو معہ اُسکے آس پاس
کے علاقوں کے عموماً بے خرخشہ چھوڑ دیا - کیونکہ جو بہت وسیع علاقہ وہ فتح کر چکے تھے
اُنکے انتظام و انصرام اور اپنے یہاں کے مدعیان سلطنت کی سرکوبی کے کام اُنکی مشغولی
کے لیے کافی تھے - مسلمان وقتاً فوقتاً اپنے عیسائی پڑوسیوں سے لڑائیاں لڑتے رہے
لیکن آخرکار آشتی کے رشتہ پر راضی ہو بیٹھے - محمد عاشر نے سنہ ۱۲۶۶ء میں جو خراج بطور
شرطِ امن کے ادا کیا تھا اُسکی تعداد بارہ ہزار طلائی دینار تھی - ان دونوں صدیوں کے
اندر اسلامی حدود میں بہت ہی تھوڑی کمی واقع ہوئی - جبل الطارق ایک مرتبہ ہاتھ سے

نکل گیا اور پھر قبضہ میں آیا اور دوبارہ ہاتھ سے جاتا رہا۔ اور دوسرے مقامات جن میں سے مشہور مقام الجبرہ ہے عیسائی مملکت کا جزو ہو گئے تھے۔ لیکن اسلامی سلطنت کی وسعت پندرہویں صدی عیسوی کے تیسرے ربع میں بہت کچھ وہی تھی جو تیرہویں صدی کے نصف اول میں تھی۔

اس دور میں جو بہ اعتبار پہلے کے امن و امان کا زمانہ تھا۔ غرناطہ علوم وفنون کا مرکز ہونے میں قرطبہ کا قائم مقام تھا۔ اُسکے معمار سارے یورپ میں نامی وگرامی تھے ان لوگوں نے اُس حیرت انگیز محلسرا کو تعمیر کیا تھا جو الحمراء[ع۵] یعنی سرخ محلسرا اسوجہ سے کہلاتا ہے کہ جس مقام پر وہ بنا تھا اُسکی زمین آہن آمیز سرخ رنگ تھی۔ اس محلسرا کو اُن لوگوں نے مجلاً سنہری پھول پتیوں اور عربی جالدار محرابوں سے جو اس وقت تک سب ملکوں کے صناعوں کو متحیر کرنے والی ہیں آراستہ کیا تھا۔ خود غرناطہ بھی معہ اپنے دونوں قلعوں کے بیش بہا موتی تھا۔ وہ ایک زرخیز سطح زمین کے کنارہ پر واقع تھا جو "ونا" کے نام سے شہرۂ آفاق اور برفیلے "جبل القمر" کے دامن میں ہے جو سیرا نویدا کے نام سے مشہور ہے۔ اس شہر کی بلندیوں پر سے اور اس سے بھی زیادہ الحمراء کے اوپر سے جو اُس سطح زمین پر پاسبان کی صورت ایتھنز کے اکروپلس کی طرح کھڑا ہوا ہے آنکھوں کے سامنے اس خوبصورت ونا (میدان) جس میں کہیں چشمے جاری ہیں۔ کہیں انگور کی بیلیں ہیں۔ کہیں میووں کے باغ اور کہیں نارنگیوں کے درختوں کے جھنڈ عجیب دلکش و دلفریب منظر جلوہ گر ہوتا ہے۔ اندلس میں کوئی شہر بہ اعتبار مقام یا آب و ہوا کے اس سے بہتر نہیں ہے۔ کیونکہ برفیلے پہاڑوں کی طرف سے جو خنک ہوائیں آتی ہیں

ع۵ الحمرا تیرھویں[۱۳] صدی میں بننا شروع ہوا تھا اور چودھویں[۱۴] صدی میں اتمام کو پہونچا۔ واشنگٹن ارونگ نے جو شاہزادہ ڈالگروکی کے ساتھ ۱۸۲۹ء میں اس عمارت کو دیکھنے گیا تھا بہت ہی دلچسپ حال اس مقام کا لکھا ہے جسکو اس مقام کی تواریخ بھی کہنا چاہیے اور خیالی قصہ بھی۔

اُنسے نہایت گرم موسم بھی معتدل ہوجاتا تھا اور وہ سرزمین سرسبزی وشادابی میں منظیر تھی۔

مسلمانوں نے اپنی مشہور عمارت الحمراء کے لیے جو مقام پسند کیا تھا وہ ایک اونچی سطح زمین نشیب وفراز کہساروں سے گھری ہوئی ہے جسکے نیچے شمال کی جانب دریلے ڈارہ کا پانی لہریں لیتا ہے۔ پتھر کی ٹھوس دیواریں استرکاری کی ہوئی اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے بُرجوں سے مضبوط کی ہوئی اُس سطح زمین کو گھیرے ہوے تھی۔ یہ گھری ہوئی جگہ تقریبًا صنوبری شکل کی ہے جو سب سے زیادہ شرقًا وغربًا طویل ہے (یعنی نصف میل کے قریب)

جو لوگ اُس احاطہ کے اندر جانا چاہتے ہیں اُنھیں پہلے ایک بھاری برج ملتا ہے جسپر نارنجی وسرخ رنگ کے بیل بوٹے بنے ہوے ہیں اور اُس میں ایک پھاٹک لگا ہوا ہے جسکا نام باب العدالۃ (انصاف کا دروازہ) ہے اسی کے اندر خلفا عبرانیوں کے حاکموں کی طرح انصاف کرنے کے لیے بیٹھا کرتے تھے۔ گچ کے فرش سے اٹھائیس فیٹ بلند نعل کی شکل کا ایک محراب ہے اُسکے اوپر دو پتھروں میں معنی خیز طرز پر ایک کنجی اور ایک بہت بڑے ہاتھ کی صورتیں بنی ہوئی ہیں۔ دیواروں کے اندر جب پہونچ گئے تو ایک مربع وسیع صحن میں داخل ہوے جسکے ایک جانب وہ ناتمام محل ہے جو چارلس پنجم نے تعمیر کرانا چاہا تھا۔ وہ پٹا ہوا برآمدہ جس میں ہوکر اب الحمراء کے اندر داخل ہوں گے اُس ویران عمارت کے ایک زاویہ متقاطع ہے اور اُس میں سے آدمی صحن الآس[ع] میں (جو آس کی بیلوں کی کثرت کی وجہ سے جن سے اُسکے بازووں کی تزئین ہے اس صحن کا یہ نام رکھا گیا ہے) پہونچتے ہیں۔ پھر ایک تنگ راستہ سے دوسرے صحن میں ملتے

[ع] اسکو فارسی میں "مورد" بضم اول وسکون ثانی مجہول وثالث ودال ابجد ایک قسم کی بیل ہے جسکے پتے نہایت سبز وشاداب اور صنوبری شکل کے ہوتے ہیں۔ اسکے پھول سفید یا گلابی اور ایک پھل میں کئی سیاہ رنگ کے بیج ہوتے ہیں۔ اسکی پتیاں۔ پھول اور بیج خوشبو اور دوا میں استعمال ہوتے ہیں۔ مترجم۔

ہیں جو ایک سو چالیس فیٹ لانبا اور اسکا نصف چوڑا ہے۔ اسکے بیت زیادہ حصہ میں ایک لانبا تالاب ہے یہ مقام آفتاب کی روشنی اور سنہری مچھلیوں کی اُچھل کود سے بشاشت انگیز ہے۔ اس صحن کے بازووں اور کناروں کو فیل پائے اور اوپر کے سائبانوں سے زینت ہے اور شمال کی طرف مربع بُرج (Comares) اُفقِ آسمان کے مقابل کھڑا ہوا آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ یہ صحن امن و سکوت کا مقام ہے۔ پانی کے گرنے کی مطلق آواز نہیں ہوتی کیونکہ وہ آہستہ آہستہ اُس بڑے حوض میں گرتا ہے جس سے بُلبُلے تک نہیں اُٹھتے۔ لاکھوں سنہری مچھلیاں آفتاب کی بیشمار کرنوں میں چلتی دلتی پھرتی ہیں۔ اور باہر کی کسی قسم کی شور و فریاد اسکی خاموشی میں خلل انداز نہیں ہوتی ہے۔

یہاں بالکل سناٹا ہے مگر اداسی اور موت کی سی ویرانی و خاموشی نہیں برستی ہے جو کچھ اثر دل پر پڑتا ہے وہ یہی ہے کہ گویا ہم اس محلسرا اور اس زمین کے اگلے مالکوں کی صحبت سے متمتع ہو رہے ہیں۔ جب آدمی بر قینین (؟) کستی نما سامنے کے کمرے میں ہوکر سفیروں اور ایلچیوں کے بیٹھنے کے کمرے میں داخل ہوتا ہے تو تصور نبی امیہ کے خلیفہ کی تصویر کھینچ دیتا ہے کہ گویا وہ کنارہ پر تخت شاہی پر جلوہ گستر ہے۔ جب سیاح اوپر نظر اٹھا کر اُس بلند گنبد کو دیکھتا ہے اور اُسکی نگاہیں اُس بڑے دیوان خانہ میں ادھر اُدھر جاتی ہے تو کبھی اُٹھی ہوئی پٹریوں پر جی لوٹ پوٹ ہو جاتا ہے کبھی خوش وضع عربی کتابوں پر بے اختیار زبان سے سبحان اللہ نکلتا ہے اور کبھی کچ کا وہ نازک کام جس سے دیواریں مزین ہیں نگاہوں کو اپنے سے جدا ہونے نہیں دیتا۔ اور کبھی شہ نشینوں، سفید و نیلی و سنہری کارنسوں اور چھت گیریوں کو دیکھ کر بے اختیار زبان سے واہ واہ نکلتا ہے اور کبھی دائروں، تاجوں اور ستاروں کو جو گنبد آسمان کا دھوکا دلانے کے لیے بنائے گئے ہیں دیکھنے سے حیرت ہوتی ہے جب ہم ان دیکھ

کے سامنے جاکر کھڑے ہوتے ہیں جن سے دریائے ڈارو نظر آتا ہے تو یہ خیال آتا ہے کہ یہیں سے عائشہ نے پانچ صدی پیشتر ابو عبداللہ کو ٹوکری میں رکھکر نیچے لٹکایا تھا اور یہیں بیٹھکر چارلس پیچم نے اُس بدنصیب مسلمان کے تذکرہ میں کہا تھا کہ "وہ شخص بڑا بدنصیب تھا جس نے یہ سب چیزیں کھوئیں!"۔ پھر مصورِ خیال ہمارے سامنے امریکہ کے دریافت کرنے والے کی تصویر اُسی رنگ روغن کے ساتھ جو روایتوں میں مذکور ہے لاکر کھڑا کرتا ہے کہ وہ اسی مقام پر ایزابلا سے منت وسماجت کر رہا تھا کہ براہِ مراحم خسروانہ آپ اجازت دیں کہ آپ کے تاج میں ایک اور پتھر اضافہ کیا جائے (یعنی نئی دنیا جو ایک قیمتی جوہر ہے)۔ اور جب آدمی پیچ درپیچ و تنگ زینوں پر چڑھتا ہوا برج کی چھت پر جانے لگتا ہے تو یہ خیال گذرتا ہے کہ کسی زمانہ میں جب کسی فوج کی آمد آمد یا "وغا" میں کوئی جنگ ہوتی ہوگی تو خوبصورت خاتون اور بہادر شہزادے اس بلند برج پر سے کس ذوق و شوق یا تردد و انتشار کے ساتھ نظارہ کرتے ہوں گے۔
یہاں سے ہماری آنکھیں پیناس کے پل کی اُس چوڑی محراب کو ڈھونڈھتی ہیں جہاں کئی مرتبہ عربوں و عیسائیوں سے حکومت حاصل کرنے کے لیے لڑائیاں ہوئی تھیں۔ اُسوقت یہ بھی یاد آجاتا ہے کہ جسوقت مایوس کولمبس دوسری سلطنتوں کے قصد سے پاؤں گھسیٹتا ہوا یہ منصوبہ باندھتا چلا جاتا تھا کہ اس سے زیادہ مہربان بادشاہ مجھے ملینگے جو میری دلیرانہ تجویز کا سرانجام کر دینگے - ایزابلا کا پیغامبر اسی مقام پر اُسے ملا تھا۔ ان تخیلات کے دریا میں ڈوبتے وقت اسکی پروا نہیں ہوتی ہے کہ فقط اگلی روایتیں اور دلفریب کہانیاں ہی الحمراء کی دلچسپی کا جزو ہیں۔
جب اُن پیچیدہ نقشے کے کمروں کی بھول بھلیاں میں تجسس کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے تو بادشاہ بیگم کا خلوت خانہ ملے گا جسکے جھروکوں کے سامنے بھی وہی منظر وغا کا منظر ہے جو زیادہ تر فاصلہ کے باعث نہایت ہی دلفریب دلکش معلوم ہوتا ہے۔ جسوقت اُس

(Boudoir) +

سوراخدار جالی پر نظر پڑتی ہے جو اس جلوخانہ کے دروازہ کے پاس سفید سنگِ مرمر کے فرش میں اسلیے بنی ہوئی ہے کہ اُسکے نیچے جو بخور جلائے جاتے تھے اُنکی خوشبو اُن سوراخوں میں سے آکر اُس زنانہ کمرہ کی ہوا کو معطر کر دیتی تھی تو ہر در و دیوار قدیم زمانہ کے اُن تکلفات کی یاد دلاتی ہے۔ وہاں سے نیچے نظر دوڑاؤ تو باغ دکھائی دیتا ہے جسپر ارونگ نے بھی وہیں سے نظر دوڑائی تھی جس زمانہ میں کہ وہ ان کمروں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اور اب اُسکی وجہ سے بھی یہ کمرے تاریخی یادگار ہوگئے ہیں۔ خود یہ باغ تو قابلِ توجہ ہے کیونکہ وہ بے مرمت صحن سا ہو رہا ہے۔ لیکن اُسکے قرب میں بادشاہ کے حمام ہیں جنکے محرابوں میں نازک پھول پتیاں، پیچ در پیچ جالیاں اور چمکیلے پتھروں سے پچے کاری کے کام بنے ہوئے ہیں۔ وہاں ایک فوارہ ہے جسکا پانی دھیمی سُریلی آواز سے گرتا ہے گویا یہ اُس نغمہ و سرود کا ساتھ دیتا تھا جو خاتونانِ خلافت کے حمام کرنے یا طلائی بستروں پر آرام لینے کے وقت بالاخانہ سے شاہی اربابِ نشاط چھیڑتے تھے۔ ہر نہانے کا حوض ایک ہی سفید سنگِ مرمر کا ترشا ہوا اپنے اپنے گنبد دار کمرہ میں رکھا ہوا ہے اور اُن میں ستاروں اور گلابوں کی شکل کے کھلے ہوئے پھول بوٹوں میں سے روشنی آتی ہے۔

شاید اس ساری عمارت کا سب سے زیادہ مشہور حصہ صَحنُ الاُسُود (شیروں والا صحن) ہے۔ جسکی وسعت صحن الآس سے کسی قدر کم ہے۔ ایکسو اٹھائیس پائے براق سنگِ مرمر کے ترشے ہوئے جو ایک ایک جگہ تین تین اور چار چار بہت ہی موزوں ترتیب سے نصب کیے گئے ہیں اُن پر آمدوں کا بوجھ سر پر لیے ہوئے ہیں تو بہت زیادہ بلند نہیں ہیں لیکن نظم و نثر میں جن چیزوں کی تعریف و توصیف حد سے زیادہ کی گئی ہے وہ اِن پایوں کے سروں کی جو مختلف وضع کے ہیں انتہا درجہ کی زیبائی و نازکی ہے۔ اُنکے پھول بوٹوں کی نزاکت و لطافت، اُنکا سنہری کام و رنگ آمیزی، اُنکی نارنگی شکل اُٹھی

شکست و ریخت کی حالت میں ہیں۔ اس میں عربی وضع کی جو نازک پھول پتیاں بنی ہوئی ہیں اُنکے اوپر اک موٹی تہ قلعی کی جمی ہوئی ہے۔ باریک منبت کاری معدوم ہوگئی ہے اور اس عمارت کی اندرونی خوبصورتی و زیبائش کب کی رخصت ہوچکی لیکن باغ اور چشموں کی دلفریبیاں اب تک باقی ہیں۔ اس احاطہ کے پورے طول میں اک تیز جھرنا سنگِ مرمر کی مصنوعی نہر میں ہوکر محرابوں کی قطاروں اور پتوں کے پردوں کے اندر بہتا ہے اور اوپر سے سرو اور نارنگی کے درخت اپنا خنک سایہ پانی پر ڈالتے ہیں۔ وہ پانی کی نلیاں اور فوارے۔ وہ تیزی سے بہنے والے چشمے اور بالکل بے حرکت تالاب۔ وہ چھوٹے چھوٹے حوض جو پانی کے پُرانے خزانوں سے ملے ہوے ہیں۔ اور وہ شور مچانے والی نہریں اور اُنکی خم و رخم راہیں جن میں آسمان کا نیلا عکس پڑتا ہے۔ یہ سب چیزیں اعلیٰ ترین فطانت کے ساتھ باہم ملائی گئی ہیں اور ان چیزوں کی ہیئتِ اجتماعیہ سے ایسا گہرا دلفریب اثر پڑتا ہے کہ اُس سے زیادہ تصور میں نہیں آسکتا۔

اِروِن کہتا ہے کہ "اس مقام پر جنوبی یورپ کے عیش پسند لوگوں کی مسرت کا پورا سامان موجود ہے۔ پھل، پھول، خوشبو، سبز بیلیں، آس کی بیلیں، لطیف ہوا اور بہتا پانی۔ یہاں ہمکو ایسے منظروں کے دیکھنے کا موقع ملا جنکو مصور جنوبی محلسراؤں اور چمنوں کے آس پاس دکھلانے کے دلدادہ رہتے ہیں۔ اُسدن کونٹ کی بیٹی کی تعطیل کا دن تھا۔ وہ اپنی بہت سی نوجوان سہیلیوں کو غرناطہ سے یہاں لائی تھی کہ موسمِ گرما کا ایک طویل دن اسلامی محلسرا کی خنک و ہوادار کمروں اور وہاں کے درختوں اور بیلوں کے جھنڈوں میں بسر کریں۔ صبح کا وقت اس "بستانِ لمسلح" میں دل بہلانے کا قرار پایا تھا۔ یہاں پہونچکر اُن ہشاش بشاش اہل جلسہ کے تھوڑے سے لوگ ٹولیاں باندھکر سبز روشوں۔ چمکیلے فواروں۔ اطالیہ کی وضع کی سیڑھیوں۔ شاندار

زیتون اور سنگ مرمر کے کٹہروں کے آس پاس پھرنے لگے اور بقیہ لوگ جن میں سے ایک میں بھی تھا بالاخانہ کے ایک کھلے ہوئے برآمدہ میں جاکر بیٹھے جہاں سے دُور دور تک نگاہ جاتی تھی اور جہاں سے الحمراء۔ شہرِ غرناطہ۔ اور وغا (میدان) بہت ہی پستی میں تھے اور افق پر دُور کے پہاڑ دکھائی دیتے تھے اور ایک خیالی دنیا جو موسمِ گرما کی دھوپ میں چھم چھم کر رہی تھی آنکھوں کے سامنے تھی۔ جس وقت ہم اس طرح بیٹھے ہوئے تھے ہر طرف پھیلی ہوئی ستار کی ٹُن ٹُن و چٹکی کے کھٹ کھٹ کی آواز دریائے ڈاروکے کناروں سے گذر کر آنا شروع ہوئی۔ غور سے جو دیکھا تو نیچے پہاڑ سے آدھی دور پر کچھ لوگ درختوں کے نیچے ٹھہرے اندلس والوں کے طرز پر اپنے دل بہلا رہے ہیں۔ بعض گھاس پر پڑے اور بعض باجوں کے ساتھ ناچ رہے ہیں"۔

اس ویران عمارت پر سے آدمی الحمراء کو ایسے کامل طور پر دیکھ سکتا ہے کہ شاید اور جگہ سے ممکن نہ ہو۔ کیونکہ آدھی ڈھئی ہوئی دیواروں کا سُرخی نما خط اُس پہاڑ کی ڈانوا ڈول تصویر پر کھنچا ہوا نظر آتا ہے جس پر وہ عمارت قائم ہے اور سیرا نویدا کے سفید نکلے ہوئے حصے اُس تصویر کے پشت کا کام دیتے ہیں۔ اور چارلس پنجم کے ناتمام محل کا کھنڈر تقابل سے اُسکے حُسن کو اور بھی دوبالا کر دیتا ہے۔

یہ دو صدیاں جن میں ایک قوی عیسائی سلطنت صرف ایک نہر کے بیٹے پر موجود تھی مسلمانوں کے لیے ایسی خوشحالی و خوش اقبالی کا زمانہ تھیں کہ اس سے زیادہ متوقع نہیں ہوسکتا تھا۔ اور پندرہویں صدی کے تیسرے ربع کے قریب اس بات کی علامتیں پائی جاتی تھیں کہ عنقریب اُنکے کوچ کا نقارہ بجنے والا ہے۔ فرڈننڈ اور ایزابلا کی شادی کے ذریعہ سے اراگان کی سلطنت کا قسطالہ کے ساتھ ملجانا مسلمانوں کی حکومت کے لیے پیغامِ موت تھا۔ ممکن نہ تھا کہ ایسے دو بادشاہ مسلمانوں کو اُس جزیرہ کے ایک گوشہ میں آرام سے پڑا رہنے دیں۔ مولا علیؓ نے جو عام طور پر اپنی کنیت یعنی ابوالحسنؓ

کے لفظ سے ... اور آتش مزاج و تنک چڑھا تھا ارادہ کیا کہ ان دونوں کیتھولک بادشاہوں
سے لڑائی لڑنے کی ہدایت میں پہلے ہی سبقت کروں۔ اسنے معمولی خراج ادا کرنے
سے انکار کر دیا اور جب فرڈیننڈ کا ایلچی تقاضہ کرنے کو پہونچا تو اُس نے جواب دیا کہ
تم اپنے بادشاہوں سے جا کر کہدو کہ غرناطہ کے جو بادشاہ خراج دیا کرتے تھے وہ
چل بسے ... اور ... ٹکسال میں اب تلواروں کی دھاروں کے سوا اور کچھ نہیں بنتا
ہے ... یہ اس نیت سے کہ میرے مطلب کے سمجھنے میں غلطی نہ ہو اُسنے
عیسائیوں کے علاقوں میں لوٹ کھسوٹ شروع کرنے کا منصوبہ باندھا۔ جس جگہ کو اُسنے
حملے کے لیے منتخب کیا وہ زہارہ تھی۔ امریکا کے ایک خداداد استعداد والے مصنف
نے مسلمانوں کی آخری لڑائیوں کا قصہ خود اپنے پُر از بلاغت طرز میں بیان کیا ہے۔ ہم
بھی زہارہ کے حملے کا حال اُسی مصنف یعنی واشنگٹن ارونگ کی زبان سے سناتے ہیں:۔

سنہ ۱۴۸۱ چودہ سو اکاسی عیسوی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی
نہایت ہی متبرک عید سے صرف ایک یا دو رات بعد زہارہ کے باشندے نہایت ہی
گہری نیند سو رہے تھے۔ پہرے والے بھی اپنی اپنی جگہیں چھوڑ کر اُن سخت آندھیوں
سے جو لگاتار تین راتوں سے چل رہی تھیں پناہ لینے کے لیے سایہ میں جا چھپے تھے
کیونکہ بہت ہی کم قرینہ تھا کہ باد و باراں کے ایسے طوفان و ہلچل میں کوئی دشمن باہر نکلا
ہوگا۔ لیکن بری روحیں طوفان ہی کے اندر زیادہ تر کام کرتی ہیں۔ بیچ رات میں زہارہ
کی دیواروں کے اندر سے ایک ایسا شور و غل برپا ہوا جو آندھیوں کے سخت جھکولوں
سے بھی زیادہ ہیبت ناک تھا۔ "مسلمان! مسلمان!" کی مخوف صدا ہوشیار کرنے کے لیے
گلیوں میں سے گونجی۔ مگر اُسکے ساتھ ہتھیاروں کی کھٹاکھٹ اور صدمے کی چلاہٹ اور
فتح کے نعرے بھی ملے ہوئے تھے۔ واقعہ یہ تھا کہ مولی ابو الحسن اک بھاری فوج ساتھ
لیکر غرناطہ سے باہر نکلا اور ابر و باد کی تاریکی میں پہاڑوں میں ہو کر اس طرح آ پہونچا کہ کسی نے

بھی نہیں دیکھا۔ جس وقت طوفان زبردستی پہرہ والوں کو انکی جگہوں سے ہٹا رہا اور
برجوں و فصیلوں سے گرد و شور برپا کیے ہوئے تھا مسلمان اوپر چڑھنے کے لیے سیڑھیاں
لگا چکے تھے اور بے کھٹکے شہر اور قلعہ دونوں پر چڑھ رہے تھے۔ جس وقت عین قلعہ کی
دیواروں کے اندر جنگ و خونریزی شروع ہوئی اس وقت تک بھی قلعہ داروں کو کسی قسم
کے خطرہ کا گمان نہ تھا۔ خوف زدہ باشندوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہوا پر کے شیاطین
آندھیوں کے بازو لگا کر اتر آئے اور برجوں و فصیلوں پر قابض ہو گئے ہیں۔ نعرۂ
جنگ ہر طرف گونج رہا تھا۔ اوپر نیچے۔ قلعہ کے برجوں اور شہر کی گلیوں میں قتل کا
جواب قتل تھا۔ دشمن تاریکی کے پردہ میں چھپے ہر حصہ میں پھیلے ہوئے تھے لیکن پہلے
سے جو ہدایت مقرر کر رکھی تھی اسکے موافق سب ملکر کارروائی کر رہے تھے۔ وہاں
کے سپاہی دفعتہً نیند سے چونک کر جو باہر نکلے تو فوراً تلواروں نے انھیں دائمی نیند
سلا دیا۔ اور اگر کوئی زد سے بچ نکلا تو اسے یہ نہیں معلوم کہ کہاں جا کر ٹھہرے اور کس
مقام سے وار کرے۔ جہاں کہیں روشنی نظر آئی وہاں چمکتے ہوئے خنجر جانستاں
کارگذاری میں مصروف دکھائی دیے اور جسنے مقابلہ کرنے کی ہمت کی وہ طعمۂ
اجل بنا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ جو تلواروں کی آنچ سے بچ رہے
انھوں نے اپنے گھروں کی پوشیدہ جگہوں میں پناہ لی یا خود دشمنوں کے قیدی بن گئے۔
ہتھیاروں کی کھٹا کھٹ موقوف ہوئی اور آندھی بدستور نالے کرتی رہی جسکے ساتھ
مسلمان سپاہیوں کی چلاہٹ بھی مل جاتی تھی جو مال غنیمت کی تلاش میں گھوم رہے تھے۔
شہر کے باشندے اس خیال سے کانپ رہے تھے کہ دیکھیے تقدیر کیا دکھاتی ہے
کہ گلیوں میں بگل کی آواز گونجی۔ جسکا مطلب یہ تھا کہ سب کے سب ہتھیار اتار کر
عام چوک میں آ کر جمع ہوں۔ یہاں صبح تک وہ سب سخت پہرے میں گھرے رہے
ہر طرف سے سپاہی گھیرے ہوئے تھے۔ پو پھٹنے کے وقت ان لوگوں کو دیکھکر

رحم ہوتا تھا کہ وہ جماعت جو کل شام کو خوش و خرم تھی اور امن و امان کی حالت میں بستر خواب پر آرام کرنے کو لیٹی تھی اسوقت صبح کو بلا تمیز و فرق ایک جگہ جمع ہے نہ عمروں کا لحاظ ہے نہ رتبوں کا فرق۔ نہ عورت و مرد کا امتیاز اور نہ اس جاڑے کے طوفان میں بدن پر پوری پوشاک۔ تند مزاج مولی ابو الحسن نے سب لوگوں کے الحاح و زاری کی طرف سے اپنے کان بہرے کر لیے تھے۔ اُسنے حکم دیا کہ سب قیدیوں کو غرناطے لے چلو۔ وہ شہر و قلعہ دونوں جگہ اک قوی پہرہ اس حکم کے ساتھ چھوڑ کر کہ کامل حفاظت کیجائے فتح کی خوشی سے پھولا ہوا دارالسلطنۃ کو واپس آیا اور سپاہیوں کے جلوس کے ساتھ مال غنیمت سے لدا ہوا اور تفاخراً اُن علموں اور جھنڈوں کو لیے ہوے جو زہارہ میں اُسے ہاتھ لگے تھے وہاں داخل ہوا۔ یہاں اس فتح کی خوشی میں جو عیسائیوں پر حاصل ہوئی تھی تماشے لڑائی وغیرہ کے جلسوں کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ زہارہ کے قیدی اس حال سے پہونچے مردوں، عورتوں اور بچوں کا ایک بدحال گروہ تھا جو چلنے کی ماندگی سے خستہ اور ہجوم یاس سے کوفتہ تھا اور جسکو اسلامی سپاہی مویشیوں کی طرح شہر کے پھاٹکوں سے ہنکاتے لیے آتے تھے"

غرناطہ کے مہذب، ابو الحسن کی بیرحمی دیکھکر کانپ اُٹھے اور سمجھے کہ انتہا کی یہ ابتدا ہے۔ وہ چلا اُٹھے کہ "افسوس ہے غرناطہ پر! اُسکی تباہی کا زمانہ قریب ہے زہارہ کی تباہی کا وبال خود ہمارے ہی سروں پر آئے گا"

انتقام بھی دور نہ تھا۔ قادس کے دیوک مارکوئس نے بے سان بے گمان الحمی کے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور اس تدبیر سے اُسنے اسلامی حدود کے قلب میں خود غرناطہ سے تھوڑے فاصلہ پر عیسائی جھنڈا گاڑ دیا۔ مولی ابو الحسن نے اُس قلعہ کا محاصرہ بھی کیا مگر کچھ نہ ہوا۔ جو عیسائی اُسکے اندر تھے اُنھوں نے اُسکی حفاظت میں بہادری کی کرامتیں ظاہر کیں اور جب تک اُنکے دوست مدد کو نہ پہونچ لیے اُسپر قبضہ کیے رہے" ہاں

میرا انجمی" کی صدا غرناطہ میں بلند ہوئی۔ اور سب کہنے لگے کہ" انجمی ہاتھ سے نکل گیا غرناطہ کی کنجی کافروں کے ہاتھ میں چلی گئی"۔

اسی زمانہ سے یہ قلعہ مسلمان بادشاہوں کے لیے مایۂ آتشیں ہو گیا کیونکہ یہیں سے ٹنڈیلو کے جری کونٹ نے وغا پر حملہ کرکے بے انتہا نقصان پہونچایا تھا۔ وہ عیسائی وقائع نگار جو واشنگٹن ارونگ کے دماغ کا گڑھا ہوا ہے یہ کہتا ہے "اس پرہیزگار نائٹ کو اپنے پیرووں کے ساتھ ان صلیبی لڑائیوں میں سے ایک سے (جس میں ان لوگوں نے کافروں کی زرخیز زمین کو تباہ و برباد کر دیا تھا اور اس سے دھواں اٹھتا ہوا چھوڑ آئے تھے) لوٹتے ہوئے دیکھکر جان کو خوشی اور ایمان کو تازگی پہونچتی تھی۔ خچروں اور گدھوں کی ایک لانبی قطار کافروں کے مال سے لدی ہوئی۔ اور مسلمان قیدیوں۔ مردوں۔ اور عورتوں اور بچوں کے گروہ درگروہ۔ بھینسوں، چلانے والی گایوں اور ممیانے والی بھیڑوں کے ریوڑ کے ریوڑ سب کے سب دشوار گذار چڑھاؤ پر سے انجمی کے پھاٹکوں میں جا رہے تھے اور کیتھلک سپاہی خاردار چھڑیوں سے انھیں ہنکاتے جاتے تھے۔ رات کے وقت جلتے ہوئے حوالیِ شہر سے دَل کا دَل سیاہ دھواں دھیمے رنگ کے شعلوں کے ساتھ ملا ہوا اٹھتے اور شہر کی دیواروں پر عورتوں کو اپنے مسکنوں کی ویرانی پر ہاتھ ملتے اور ڈھاریں مار مار کر روتے دیکھنے سے عجیب افسوس و حسرت طاری ہوتی تھی"۔

دونوں فریق اپنی اپنی فتوحات سے گرما کر اسی قسم کے قتل و غارت میں مصروف ہوئے جسکا نتیجہ عام تباہی اور سخت غصہ دلانے کے سوا بہت ہی تھوڑا تھا۔ آخرکار عیسائیوں نے ایک بڑی جنگ کرنے کی ٹھانی اور ملاقہ کے صوبہ کو حملہ کے لیے تاکا۔ چنانچہ جنوب کی فوجوں کو قادس کے مارکوئس اور دوسرے مشہور جنگ آزماؤں کی ماتحتی میں جمع کرکے سب روانہ ہوئے۔

"چارشنبہ کا دن تھا کہ زرہ و بکتر میں لدے ہوئے سپاہیوں کی خوشنما فوج اپنی کوہستان کے قدیمی پھاٹکوں سے نکلی - یہ تمام سپاہی تمام دن اور رات پہاڑوں کے درّوں میں ہوکر اپنے خیال کے موافق چپ چاپ چھپے ہوئے کوچ کرتے چلے گئے لیکن چونکہ وہ قطعۂ ملک کا جسکا تاراج کرنا مدنظر تھا بہت دور اسلامی حدود کے اندر بحرالروم کے ساحل کے قریب تھا یہ لوگ دوسرے دن کے اخیر وقت تک بھی وہاں نہیں نہیں پہونچے - ان دشوار گذار اور اونچے پہاڑوں سے گذرنے میں ان لوگوں کو اکثر گہری سنگلاخ گھاٹیوں کو طے کرنا پڑا جن میں نیلے دھارے اُن اُکھڑے ہوئے چٹانوں اور پتھروں کے بیچ سے بہتے تھے جو خزانی طوفان کے زمانہ میں پانی کے زور سے ٹوٹے اور نیچے لڑھک آئے تھے - اور بعض اوقات اُنکی راہ صرف ریلے سیلاب کی وہ خشک راہ تھی جو پانی کے زور سے پہاڑوں پر بن گئی اور پتھر کے ٹکڑوں سے بھری ہوئی تھی - پھر ان سنگلاخ گھاٹیوں اور سیلاب کی گذرگاہوں کے اوپر بے شمار چٹانیں اور ٹیلے تھے جو عربوں اور عیسائیوں کی لڑائیوں کے زمانہ میں کمینگاہوں کا کام دیتے تھے اور پچھلے زمانہ میں بدبخت مسافروں کی راہ مارنے کے لیے رہزنوں اور چوروں کے چھپنے کو نہاطرخواہ موقع بن گئے -

"جب آفتاب غروب ہوگیا یہ سواران جنگی پہاڑ کے ایک بلند حصہ پر پہونچے جہاں سے داہنے جانب مالقہ کے خوبصورت وغا کا ایک حصہ دکھائی دیتا تھا اور اور اُسکے پرے نیلا بحرالروم موجیں مار رہا تھا - زمین موعود کی صورت نظر آتے ہی سب کی باچھیں کھل گئیں - رات کے وقت یہ لوگ اُن چھوٹی گھاٹیوں اور چھوٹے گانوؤں کے سلسلے کے پاس پہونچے جو پہاڑ کی بلندیوں کے اندر گویا مقفل اور عربوں میں ارزقیہ کے نام سے مشہور تھا - یہاں اُنکی بڑھی ہوئی امیدوں کو سب سے پہلے یاس سے سابقہ پڑا - یہاں کے باشندوں کو انکے قریب پہونچنے کا حال پہلے سے

سے معلوم تھا۔ ان لوگوں نے اپنے مویشیوں اور مال و متاع کو دور بھیج دیا اور اپنی
عورتوں اور بچوں کو ساتھ لیکر برجوں اور گڈھیوں میں پناہ پکڑی تھی۔

"سپاہیوں نے نا امیدی سے طیش میں آکر خالی مکانوں میں آگ لگادی اور اس
امید سے آگے بڑھتے چلے کہ اس سے بہتر صورت نظر آئے گی۔ ڈان الانزو اور دوسرے
سرداروں نے جو طلایہ میں تھے اپنے سپاہیوں کو ملک کو لوٹنے کے لیے ہر طرف پھیلا دیا۔
مگر صرف چند ریوڑ مویشیوں کے عربی کسانوں کے ساتھ ہاتھ آئے جو اُنھیں کسی محفوظ جگہ میں
رکھنے کو لیے جاتے تھے۔

جس اثنا میں کہ یہ قتل و غارت کرنے والی جماعت آگے کی طرف تلوار اور آگ
سے تباہی و بربادی پھیلاتی اور پہاڑ کے دامنوں کو گانووں کے شعلوں سے روشن کرتی
جاتی تھی۔ سنٹیاگو کے سردار نے جو سب سے پچھلے دستہ پر متعین تھا اپنے سواروں کو
سخت فوجی ترتیب پر ایسا قائم رکھا کہ اگر دشمن سامنے آجائے تو یہ حملہ کرنے یا وار روکنے
کو پورے آمادہ رہیں۔ دینی اخوت کے ہتھیار بند لوگوں نے مال غنیمت کی تلاش میں
گھومنے کا ارادہ کیا مگر اُس نے ان لوگوں کو واپس بُلا لیا اور سخت ملامت کی۔

"آخر کار یہ لوگ پہاڑ کے ایک ایسے حصہ میں پہونچے جو بہت ہی عمیق تنگ گھاٹیوں
اور سیلاب کی گذرگاہوں سے بالکل ٹکڑے ٹکڑے اور چٹانوں اور اونچے ٹیلوں سے
بھرا ہوا تھا۔ ایسے مقام میں کوچ کی ترتیب کا باقی رکھنا محال تھا۔ گھوڑے عجیب ضیق
میں پھنسے تھے۔ سواروں کے قابو سے نکلے ہوے ایک چٹان سے دوسرے چٹان
پر اور خوفناک گڑھوں کے نشیب و فراز میں اُچک اُچک کر ڈرتے ہوے چلتے تھے
جہاں پہاڑی بکریوں کو بھی بہ مشکل پاؤں رکھنے کی جگہ ملتی تھی۔ ایسے راستہ میں جب یہ
لوگ ایک گانوں کے پاس پہونچے جس میں آگ لگی ہوئی تھی تو شعلوں کی روشنی نے
اُس مقام کی خطرناکی ظاہر کردی۔ اور ادھر اُن مسلمانوں نے جو اک پہرے کے

Holy Brotherhood

برج میں پناہ گزیں تھے جو بہت بڑی بلندی پر بنا ہوا تھا نیچے شامت زدہ سواروں کو ڈگمگاتے اور چٹانوں میں ٹھوکریں کھاتے دیکھکر نعرۂ خوشی بلند کیا اور اپنے برج سے عجلت کے ساتھ نکلکر گھاٹیوں کے اوپر کی چٹانوں پر قبضہ کرلیا اور وہاں سے دشمنوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش شروع کی۔

"اس مصیبت کی حالت میں سینٹیاگو کے سردار نے کمک کی تلاش میں قاصدوں کو ہرطرف روانہ کیا۔ قادس کا مارکوئس جیسا کہ وفادار شریک جنگ کو زیبا تھا اپنے سواروں کی پلٹن کے ساتھ بعجلت روانہ ہوا۔ اسکے قریب پہونچنے نے دشمن کے حملوں کو روکا اور آخرکار اُس سردار کو موقع ملا کہ اپنے سپاہیوں کو اُس نے اس عذاب سے باہر نکال لیا ....

"بدرقہ یعنی راہ دکھانے والوں کو حکم دیا گیا کہ اس قتل عام کی جگہ سے باہر نکلجانے کی راہ بتائیں۔ یہ لوگ اس خیال سے کہ سپاہیوں کو نہایت ہی محفوظ راستہ سے نکلیں انھیں ایک ڈھالویں اور سنگلاخ راستہ پر لائے جہاں پیدلوں کو قدم جمانا مشکل تھا لیکن سواروں کے لیے تو اُسپر چلنا گویا محال ہی تھا۔ اس راستہ کے اوپر جابجا بڑی بڑی بلندیاں تھیں جن پر سے پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑیں ایسے وحشیانہ نعروں کے ساتھ آتی تھیں کہ قوی سے قوی دل بھی خوف زدہ ہوجاتے تھے۔ بعض مقام ایسے تنگ ملے کہ اُن سے ایک مرتبہ ایک آدمی سے زیادہ گذر نہیں سکتا تھا وہاں اوپر سے عربوں نے ایسے بھالے مارے کہ گھوڑے اور سوار دونوں سے پار اُترگیا اور اُنکی حالت نزع میں تڑپنے کی وجہ سے بالکل راہ بند ہوگئی آس پاس کے ٹیلوں ٹیکروں پر لوگوں کو خبر کرنے کے لیے کوئی ہزار جگہ آگ جلادی گئی تھی جسکی روشنی سے وہ دشمنوں کو جو باعتبار آدمی کے اُسوقت غول بیابانی سے زیادہ ترمشابہ تھے ایک چٹان سے دوسرے پر اُچھل کرجاتے دیکھ رہے تھے۔

خدا جانے کہ خوف یا گھبراہٹ کی وجہ سے یا واقع میں اُس ملک سے ناواقف ہونے کے باعث اُن لوگوں کے راہ نما بجائے اسکے کہ پہاڑ سے باہر نکال لے جائیں اُنھیں

اور بھی ہلاک کھوہوں میں لے آئے۔ صبح کی سفیدی جونمودار ہوئی یہ لوگ ایک تنگ مجرائے آب میں تھے جسکی سطح ٹوٹے ہوئے چٹانوں کی تھی جو پہاڑی سیلاب کے صدموں سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے تھے اور سر کے اوپر بھاری بھاری خشک چٹان ٹنگے ہوئے تھے جنکی چوٹیوں پر خوشخوار وشادمان دشمنوں کے گروہ کے گروہ بندھے ہوئے سر دکھائی دیتے تھے ...

"دن بھر یہ لوگ پہاڑوں سے جان چھوڑانے کی بے اثر کوشش میں مصروف رہے جن بلندیوں پر گذشتہ شب کو خبر لینے کے لیے آگ روشن تھی اُن سے خون کی صورت میں دھواں اُٹھ رہا تھا۔ پہاڑی آدمی ہر سمت سے آکر جمع ہوگئے اور عیسائیوں سے آگے بڑھکر ہر درہ اور گھاٹی کے اوپر پہنچ گئے۔ اور ٹیلوں اور ٹیکروں پر برجوں اور فصیلوں کی طرح پہرے بٹھلا دیے گئے۔

"جس وقت عیسائی ایک تنگ درہ میں بند تھے جس میں سے ایک گہرا چشمہ جاری تھا اور جو ایسے ٹیکروں سے گھرا ہوا تھا کہ آسمان سے باتیں کرتے تھے اور اُنھیں پر آگ بھی روشن تھی۔ رات کی تاریکی نے پھر اُنھیں ہر طرف سے گھیر لیا۔ اور دفعۃً ایک نئی صدا درہ میں گونجتی ہوئی سنائی دی۔ الزاجل کی آواز ایک ٹیکرے سے گونجتی ہوئی دوسرے ٹیکرے تک پہونچی۔ سنٹیاگو کے سردار کے پوچھنے پر کہ یہ آواز کیسی ہے ایک بوڑھے عیسائی سپاہی نے کہا کہ عربوں کے سپہ سالار زاجل کا نعرۂ جنگ ہے۔ یقین ہے کہ وہ ملاغہ کی پلٹنوں کو لیے ہوے خود ہی چلا آتا ہے۔

یہ سنکر اُس لائق سردار نے اپنے سرداران فوج سے مخاطب ہوکر کہا کہ "آؤ ہم اپنے دلوں کو راستہ بتاکر مرنے کے لیے مستعد ہو جائیں کیونکہ ہماری تلواروں سے تو کوئی راہ نکل ہی نہیں سکتی ہے۔ آؤ پہاڑوں پر چڑھ جائیں اور بجائے اسکے کہ چپ چاپ گلے کٹانے کو یہاں ٹھہرے رہیں اپنی جانیں گراں قیمت پر کیوں نہ بیچیں"۔

یہ کہکر وہ گھوڑے کو پہاڑ کے سامنے لایا اور مہمیز کرکے اُسکو اوپر لے گیا۔ سوار دل

اور پیدلوں نے اُسکی تقلید کی اور سب نے یہ ٹھان لی کہ اگر نہ بچ سکے تو بدرجۂ اقل مرتے مرتے بھی دشمن پر وار کر لینگے۔ یہ لوگ بلندی پر ڈگمگا ہی رہے تھے کہ عربوں کے پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ آنے لگی اور اُسکے ساتھ یہ بھی ہوا کہ کسی چٹان کا ٹکڑا اُچھلتا ہوا اوپر سے آیا اور اُس بلانصیب گروہ کے بیچ میں دھم سے گر پڑا۔ پیدل سپاہیوں کی یہ حالت تھی کہ ماندگی اور بھوک سے بیہوش یا زخموں سے لنگڑے ہو رہے تھے اسلیے اوپر چڑھنے میں گھوڑوں کی دُموں اور ایالوں کا سہارا ڈھونڈتے تھے۔ اور گھوڑوں کی یہ قطع کہ ڈھیلے پتھروں کے درمیان جو انکے قدم اُکھڑے یا دفعتًہ جو اُنکو کوئی زخم پہونچا تو گھوڑا۔ سوار اور سپاہی سب کے سب لڑھکتے ہوئے ایک کرارے سے دوسرے کرارے پر پہونچے یہانتک کہ درہ میں آکر اُنکے پرخچے اُڑ گئے۔ اس جانگسل کشاکش میں اُس سردار کا علمبردار معہ اپنے علم کے ضائع ہوگیا اور علی ہذا اُسکے بہت سے قریب کے رشتہ داروں اور عزیزوں نے عدم کی راہ لی۔ باانیہمہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہونچکر رہا۔ مگر یہاں نئی مشکلوں کا سامنا تھا۔ چٹانوں اور ناہموار گھاٹیوں کا ایک جنگل سامنے تھا جو سنگدل دشمنوں سے بھرا پڑا تھا۔ عیسائیوں کے پاس نہ علم تھا نہ بوق۔ اب سپاہیوں کو کس کے ذریعہ سے ایک جگہ سمیٹ کے اودھر جھکائیں۔ سب جدا جدا آوارہ گردی میں تھا۔ اور ہر شخص اسی فکر میں مبتلا تھا کہ کس طرح اپنے آپ کو پہاڑ کے نشیب و فراز اور دشمنوں کی زد سے بچائیے۔ جسوقت سنٹیاگو کے دیندار سردار نے اپنی بہادر فوج کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے اور منتشر دیکھا تو اپنے غم کو ضبط نہ کر سکا اور بے اختیار چلا اُٹھا "اے خدا آج اپنے بندوں پر تیرا بڑا قہر ہے! تو ہی نے ان کافروں کی نامردی کو بیباک بہادری سے مبدل کر دیا اور کسانوں اور گنواروں کو لڑائی کے سلیح لوگوں پر غالب کر دیا ہے!"

"وہ اپنے پیدل سپاہیوں کو مجتمع کرکے خوشی سے دشمنوں کے غول میں گھس پڑنے پر راضی تھا لیکن اُسکے ہمراہیوں نے منت آمیز درخواست کی کہ آپ صرف اپنی ذات خاص کے

بچا لینے کی اس وقت فکر کیجیے۔ یہاں ٹھہرے رہنے کے معنی یہ ہیں کہ ایک وار بھی کرنے نہ پائیں اور جان گنوا بیٹھیں اور نکل جانے سے مطلب یہ ہے کہ ایک ایسی جان بچا لی گئی جو عربوں سے انتقام لینے کی فکر میں مصروف رہیگی۔ سردار نے اپنے دل پہ جبر کرکے اس مشورہ کو مان لیا اور پھر چلا اٹھا "اے سارے گروہوں کے مالک! میں تیرے قہر سے بھاگتا ہوں نہ کہ ان کافروں سے۔ یہ تو ہمیں اپنے گناہوں کی سزا دینے کے لیے تیرے ہاتھ میں صرف آلے ہیں" یہ کہکر اُس نے راہنماؤں کو آگے بھیجا اور اپنے گھوڑے کو مہمیز کرکے قبل اسکے کہ عرب اُسکی راہ روکیں زور سے پہاڑ کی ایک گھاٹی میں ہو کر چل نکلا۔ سردار کا اپنے گھوڑے کو تیز کرنا تھا کہ اُسکے سپاہی ہر سمت میں پھیل گئے۔ تھوڑے لوگوں نے اُسی راہ سے نکل جانے کی کوشش کی مگر پہاڑ کی گتھیوں میں اُلجھکر رہ گئے۔ کچھ ادھر اُدھر بھاگتے پھرتے چٹانوں سے بہتیرے چٹانوں کے درمیان نیست و نابود ہو گئے اور بقیہ کو عربوں نے تہ تیغ کیا یا گرفتار کر لیا۔"

اُس رات کو ملاغہ کے پہاڑوں کے درمیان جو بلائیں عیسائیوں پر آئیں وہ کہیں آسانی سے بھول سکتی تھیں۔ وہ بدلا لینے کو بیتاب تھے۔ اور جب غرناطہ کے بادشاہ ابوعبداللہ نے جو اپنے باپ کو تخت سے اُتار کر چند روز وہاں بادشاہ بنگیا تھا عیسائیوں کی زمینوں کو لوٹنے کے لیے حملہ کیا تو ان لوگوں نے دل کھول کر انتقام لیا ابوعبداللہ نے رات کے وقت چپ چاپ کوچ کیا تھا لیکن اُسکی نقل و حرکت دیر تک چھپی نہیں رہی۔ پہاڑیوں کی چوٹیوں پہ خبردار کرنے کے لیے جابجا آگ جل رہی تھی۔ کیبراکے کونٹ نے جو یہ شعلے بلند ہوتے دیکھے اُٹھ کھڑا ہوا اور لوگوں کو ہوشیار کرنے کے لیے اُس نے نرسنگھا پھونکا اور ضلع کے سرداروں کو جمع کیا۔ لیوسینا کے قریب ان لوگوں نے مسلمانوں پر یورش کی اور جنگل کے درختوں کی آڑ کے باعث ایسی ہوشیاری سے اُنپر حملہ کیا کہ دشمن پسپا ہو گئے اور عیسائی سواروں نے اس نعرہ کے ساتھ کہ "ملاغہ کے پہاڑوں کو یاد کرو" مسلمانوں کے تعاقب میں گھوڑوں کو ڈالدیا اور سینٹ جمیس کا نام لیکر سب کے سب اُنپر ٹوٹ پڑے

مسلمانوں کے لیے وہ پیچھے ہٹنا سخت شکست تھا۔ بقیۃ السیف جب بھاگ کر غرناطہ پہونچے تو سارے شہر میں کہرام مچگیا۔

ابو عبداللہ دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا اور قیدی بنا کر قرطبہ بھیجا گیا۔ اس اثنا میں فرڈننڈ نے وغا کو لوٹ مار سے تباہ کیا اور بوڑھا مولیٰ ابو الحسن جو اپنی دار السلطنت کو واپس آگیا تھا اپنی مضبوط فصیلوں کے اندر بیٹھا ہوا بیکار غیظ و غضب میں دانت پیسا کیا۔

بارھویں فصل

غرناطہ کا ادبار

ابو عبداللہ کا عیسائی بادشاہوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوجانا اسلامی قوت کے حق میں سم ہوگیا۔ خود شاہزادہ کا ہاتھ سے نکل جانا تو فی نفسہ ایسی مصیبت نہ تھا۔ کیونکہ ابو عبداللہ اگرچہ میدان جنگ میں سچی اسلامی جرأت دکھلا سکتا تھا لیکن ارادہ کا کمزور اور متلون آدمی تھا اور ہمیشہ اس یقین کی وجہ سے پریشان رہتا تھا کہ اسکی تقدیر برگشتہ ہے وہ الزغیبی یعنی بد نصیب کے نام سے مشہور تھا اور ہمیشہ اپنی بد طالعی کو رویا کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اسکے خلاف میں کوشش کرنا فضول ہے۔ ہر برے نتیجے کے بعد وہ آواز بلند یہ کہتا کہ "بیشک یہ نوشتہ تقدیر ہے کہ میں بد بخت ہوں اور اس سلطنت کا میرے ہی وقت میں خاتمہ ہوگا"! ابو عبداللہ آسانی سے چھوڑ دیا جا سکتا تھا لیکن وہ جس قدر بذات خود بے ضرر تھا اسی قدر ہوشیار دشمن کے ہاتھ میں رکھکر خطرناک ہو سکتا تھا۔ اور واقعات سے ثابت ہوگیا کہ ابو عبداللہ کا فرڈننڈ کی اطاعت میں آجانا اندلس سے اسلامی قوت کے اکھاڑ پھینکنے کا منجملہ اور اسباب کے

اک بڑا سبب واقع ہوا۔ عیسائی بادشاہوں نے قرطبہ میں اُسکی بڑی عزت کی اور خود اُسکی موجودہ نا امیدی کی حالت اور اُسکے تقابل میں عیسائیوں کی فتح و نصرت کو جتلا کر دوستانہ طرز سے اُسکو سمجھایا اور ترغیب دیکر اُسکو اپنا آلہ اور ماتحت بنا لیا۔

پیش بیں بادشاہ اور ملکہ نے جب سمجھ لیا کہ ہم نے اس کاٹھ کے اُلّو کو بالکل اپنا بنا لیا تو اُسے غرناطہ جانے دیا۔ یہاں اُسکا باپ ابوالحسن پھر الحمرا پہ قابض ہو گیا تھا۔ ابوعبداللہ اپنے پرانے معاونوں کی مدد سے جو شہر کے البیسین محلہ میں رہتے تھے شہر میں داخل ہوا اور گڑھی پر قابض ہو گیا جہاں سے وہ اپنے باپ سے جو سامنے کے قلعہ میں رہتا تھا باقاعدہ لڑائیاں لڑا کرتا تھا۔ یہ نزاع ابوالحسن کی دو بیبیوں کی باہمی رقابت سے اور زیادہ تلخ ہو گئی۔ عائشہ جو ابوعبداللہ کی ماں تھی ایک عیسائیہ خاتون زورایہ نام سے جسکو ابوالحسن اور بیبیوں سے بہت زیادہ دوست رکھتا تھا بہت جلتی تھی اور بڑے بڑے اہل دربار کچھ اُسکی طرف تھے کچھ اسکی طرف۔ اسی باعث زغربون سے جو اک بربری قبیلہ اراگان سے آیا ہوا اور عائشہ کا طرفدار تھا اور بنی سراج سے جو قرطبہ کا اک پرانا خاندان تھا وہ مشہور عداوت شروع ہوئی جس کا انجام یہ ہوا کہ بنی سراج الحمراء کی محلسرا میں قتل کیے گئے۔ اگرچہ یہ امر ابھی تک مشتبہ ہے کہ اس خونریزی کا بانی ابوعبداللہ تھا یا نہیں۔ زغربوں کی مدد سے ابوعبداللہ کچھ عرصہ تک اُس گڑھی میں قدم جمائے رہا۔ لیکن تاہم بوڑھا ابوالحسن اُسکے اعتبار سے بہت زیادہ قوی تھا اسلیے ابوعبداللہ نے بہت جلد مجبور ہو کر المیریہ میں پناہ لی اور اُسوقت سے برابر غرناطہ کے دو بادشاہ رہے۔ ایک تو ابوعبداللہ جو حکمت عملی اور لڑائی دونوں میں ہمیشہ بدنصیب رہا اور جسکو اچھے مسلمان اسوجہ سے ذلیل و حقیر سمجھتے رہے کہ دشمنِ اسلام کا مطیع تھا اور دوسرا ابوالحسن یا یوں کہو اُسکا بھائی الزاجل کیونکہ وہ معمر بادشاہ اُن مصیبتوں کے بعد جو اُسکے بیٹے کی بغاوت اس سلطنت کے سر پر لائی تھی زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہا۔ پہلے اُسکی آنکھیں جاتی رہیں اور اُسکے تھوڑے ہی

دن بعد اُسنے دنیا کے کھیڑوں سے ہمیشہ کیلیے نجات پائی - مگر اُسکا مرنا معاندانہ کارروائی کے شبہہ سے خالی نہ تھا -

الزاجل اندلس کا آخری بڑا بادشاہ تھا - وہ بہادر سپاہی، قوی حکمراں اور عیسائیوں کا ثابت قدم مدمقابل تھا - اگر اُسکا بھتیجا خلل انداز نہ ہوتا تو اسکی زندگی بھر غرناطہ سلمانوں کے قبضہ میں رہ جاتا گو آخر میں عیسائیوں کے فتحیاب ہونے کو کوئی چیز روک نہیں سکتی تھی - مگر بجاے اسکے کہ اس فتحیابی کا موقع نہ دیا جاتا غرناطہ کے بادشاہوں نے اپنی اندرونی نزاعوں کے ذریعہ سے اُسکے پیش رفت اور جلدی سے واقع ہونے میں اپنے حتی المقدور کوئی قصور نہیں کیا - جب خدا یہ حکم ناطق دیدیتا ہے کہ فلاں بادشاہ ضرور سلطنت سے کنارہ ہوگا تو وہ پہلے اُسکو حماقتوں سے معمور کر دیتا ہے - اس زمانہ میں غرناطہ کے حکمرانوں کے دل ایسی ہی حماقتوں کا شکار رہنے ہوے تھے - ایسے وقت میں کہ ضرورت اس بات کی تھی کہ جتنے آدمی ہاتھ آسکیں سب عیسائیوں کا حملہ دفع کرنے پر مامور کیے جائیں یہ سب آپس کی تباہ کن لڑائیوں میں اپنی قوتیں ضائع کرتے تھے - بلکہ اگر اُن میں سے ایک کی فوج مشترک دشمن کے مقابلہ کو جاتی تھی تو دوسرا اُسکو بھی روک دیتا تھا اور غرناطہ کے اہل شہر کا یہ حال کہ مختلف پارٹیوں (جماعتوں) میں بیٹھے ہوے اپنے بادشاہوں کو باہمی حسد میں ترغیب و مدد دیتے تھے ہمیشہ ڈانواڈول اور ہر طرح کی تبدیلی چاہے اچھی ہو چاہے بُری خوش ہونے والے - اُنکو اس سے زیادہ اور کوئی بات خوش نہیں آتی تھی کہ بادشاہوں کو تخت سے اُتاریں اور بٹھائیں - جب تک کوئی فرماں روا لڑائی میں خوش قسمت رہتا اور کافروں کی سرحدوں سے قیمتی مال غنیمت لاتا اُس وقت تک یہ لوگ خوشی سے اُسکی اطاعت میں رہتے تھے اور جہاں اُسکو ناکامی ہوئی لوگوں نے اُسکے لیے پھاٹک بند کر دیے اور " خدا اُس دوسرے کی عمر دراز کرے " چلانے لگے ! اب یہ دوسرا شخص خواہ ابوعبداللہ ہو خواہ الزاجل یا اور کوئی جسپر

اہل غرناطہ کا ڈانواڈول جی اُسوقت آگیا۔

ادھر تو بدبخت ابو عبداللہ اپنے چچا کی کوششوں کو حتی الوسع ضائع کر رہا تھا اور اُدھر عیسائی آہستہ آہستہ اُس دائرہ کو تنگ کر رہے تھے جو اُنھوں نے اس بدنصیب سلطنت کے گرد کھینچا تھا۔ شہر سب یکے بعد دیگرے اُنکے قبضہ میں چلے جاتے تھے اور اوروں اور دوسرے قلعوں پر ۱۴۸۴ء میں فرڈنینڈ کے نئے اور تباہ کُن توپخانہ "لومبارڈ" کے ذریعہ سے قبضہ کر لیا گیا۔ دوسرے سال (Coin, Cartama, Ronda) ہاتھ سے نکل گئے مگر الزاغل کی طرف سے اسکا سخت بدلا بھی لیا گیا اور وہ یہ کہ اُس نے (Calatrava) کے مذہبی سواروں (نائٹ) کو کمینگاہ سے پکڑا اور سخت خونریزی کی۔ اسپر بھی عیسائیوں کی ملک گیری ثابت قدمی کے ساتھ جاری رہی ۱۴۸۶ء میں (Loxa) ہاتھ سے جاتا رہا اس میں انگلستان کے ایک ارل لارڈ اسکیلس نے انگلستانی تیراندازوں کی ایک جماعت کے ساتھ حملہ کی سربراہی کی تھی۔ و (Illora) (Moclin) پر بھی عیسائیوں کا دستِ تصرف پہونچ گیا جسپر مسلمانوں نے تو رو کر یہ کہا کہ غرناطہ کی داہنی آنکھ اندھی ہو گئی اور عیسائیوں نے یہ رائے قائم کی کہ عیسائی بادشاہوں نے اسلامی عقاب کا داہنا بازو اُکھیڑ لیا۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس سلطنت کے مغربی حصہ کو فرڈنینڈ اور اُسکی اولوالعزم بی بی نے پہلے ہی دبا لیا تھا اور اب اُس انار (غرناطہ) کو ایک ایک دانہ کر کے چٹ کر رہے تھے۔ غرناطہ والے ناامیدی سے تنگ آ کر الزاغل کو ناپسند کرنے لگے اسلیے اُن لوگوں نے ابو عبداللہ کو پھر شہر میں بلایا۔ اُس نے دیکھا کہ چچا کے مقابلہ میں یہاں قدم جمانا مشکل ہے لیکن جو تھوڑی سی فوجیں عیسائیوں نے اُسے دی تھیں اُنکی مدد سے تھوڑے عرصہ تک یہ مقابلہ پر ٹھیرا رہا۔ عین اُسی زمانہ میں فرڈنینڈ ولیز کا جو مالقہ کے قریب ہے محاصرہ کر رہا تھا۔ غرناطہ میں یہ خبر جو پہونچی تو وہاں کے لوگوں کو سخت غصہ آیا۔ کیونکہ

ملاغہ اس سلطنت کا دوسرا شہر تھا۔ اس شہر کے موقع کو سمندر اور پہاڑ ہر طرف سے بند کیے ہوئے تھے اور اس میں عمدہ تاکستان اور میووں کے باغ، سرسبز چمن اور ترو تازہ سبزہ زار تھے اسلیے یہ شہر اسلامی سلطنت کا داہنا بازو سمجھا جاتا تھا۔ اگر ملاغہ قبضہ سے نکلا تو غرناطہ کا "سؤر کا گوشت کھانے والوں" کے ہاتھ میں چلا جانا یقینی ہے اضطراب دیکھکر الزاجل سے جو ہمیشہ حملہ آور کے مقابلہ پر تُلا رہتا تھا رہا نہ گیا۔ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور وسے لڑکے چھڑانے کو اپنی فوج لیکر دلیرانہ روانہ ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ میرا دغاباز بھتیجا غرناطہ میں تیار بیٹھا ہے اور وہ میرے غائب رہنے کے موقع کو غنیمت سمجھکر اپنا اقتدار پھر قائم کر لیگا۔ لیکن الزاجل کا نام جو شجاع مشہور تھا وہ بہت ٹھیک تھا۔ اُسنے کُل ذاتی خیالات کو دُور کیا اور ملاغہ کے بچانے کو روانہ ہو گیا۔ مگر اس بیچارے کو عیار دشمن سے پالا پڑا۔ اس نے تو یہ تدبیر کی کہ محصورین اور کمک دینے والے دونوں ملکر محاصرین پر حملہ کریں۔ اور فرڈیننڈ یہ چال چلا کہ باہمی امدو پیام کو روک دیا۔ اور اُسکی تدبیر کو پیش نہ ہونے دیا۔ ایک رات کو ٹیلے لیز کے باشندوں نے الزاجل کی فوج کے لوگوں کو پاس کی بلندیوں پر اک لانبا پڑا جمائے ہوئے دیکھا۔ مگر صبح کو ایک متنفس کا بھی پتہ نہ تھا۔ شبخون مارنے میں ناکامی ہوئی اور قادس کے مارکوئس کے دلیرانہ حملہ کے سامنے کمک دینے والی فوج شبنم کی طرح ہوا ہو گئی۔ جس وقت یہ دل شکستہ سپاہی غمزدہ صورت بنائے ہوئے چپ چاپ غرناطہ کے پھاٹکوں میں داخل ہوئے اہل شہر سخت برہم ہوئے اور آسانی کے ساتھ الزاجل سے منحرف ہو گئے اُسکو ملکی نمک حرام قرار دیا اور اُسکی جگہ میں ابو عبداللہ کے بادشاہ ہونے کا اشتہار دیا۔ الزاجل اپنی باقی ماندہ فوج کو لیے ہوئے جب غرناطہ کے دروازہ کے قریب پہونچا تو دروازوں کو اُس نے اپنےلیے بند پایا۔ اور اوپر نظر اُٹھا کر جو دیکھا تو الحمرا کے برجوں پر ابو عبداللہ کے پھریرے اُڑ رہے تھے۔ اس نے دیکھا کہ ہمارے شہر نے

جو ہمیشہ سے ناکامی میں آپے سے باہر ہو جاتا ہے مصیبت کے وقت میں ہم سے منہ پھیر لیا اور وہاں لوٹ گیا اور گاڈز (Gaudix) میں اُس نے اپنا دربار جمایا۔
اب تو خود ملاقہ کا بھی محاصرہ شروع ہو گیا لیکن اُسکی شہرپناہیں ایسی مضبوط تھیں کہ ہیبت ناک مصیبتوں کا سامنا تھا۔ ایک تو پہاڑوں سے محصور، دوسرے مضبوط شہرپناہوں سے محفوظ، قلعہ کے ظل حمایت میں، اور سب پر طرہ یہ کہ سب سے بلند ایک پہاڑ جبل الفروغ (روشنی دکھلانے والی پہاڑی) موجود۔ جہاں سے شہر کے محافظ اُن عیسائیوں پر جو میدان میں تھے خوب پتھر برسا سکتے تھے۔ علاوہ بریں محافظ فوج کا سپہ سالار ایک نامور مسلمان الزیغری نام تھا جو قبل میں رونڈا (Ronda) کا قائد (قلعہ دار) تھا اور عیسائیوں پر خار کیے ہوے تھا کہ ان لوگوں نے اُس مشہور پہاڑی قلعہ کو زبردستی اس سے اینٹھ لیا تھا۔ وہ اہل شہر اور اپنے افریقی ماتحت پلٹنوں کے دل بڑھاتا اور بہادرانہ تحمل و جوش پر (جسکے دبانے کی کوشش میں عیسائی بادشاہ ناکام رہا) اُنکی ہمت بندھاتا تھا۔ جبل الفروغ کے قبضہ میں رہنے کی وجہ سے باوجود اسکے کہ تجارت پیشہ لوگوں کا میلان صلح جوئی کی طرف تھا وہ شہر کو بچائے رہا۔ جس وقت بادشاہ نے اُسکو رشوت دینے کی کوشش کی اُسنے پیام لانے والے کو مہذبانہ تحقیر کے ساتھ نکال دیا اور جب شہر میں اطاعت قبول کرنے کے لیے پیام آیا تو تاجروں نے شوق سے رضامندی ظاہر کی۔ الزیغری نے کہا کہ میں یہاں اطاعت کرنے کو نہیں تعینات ہوا ہوں بلکہ حفاظت کرنے کو۔ فرڈننیڈ نے جب یہ دیکھا تو سارا زور جبل الفروغ کے حملہ پر خرچ کیا۔ اُسکی مہیب توپ نے جو "زمینیز" کی سات بہنوں کے نام سے مشہور تھی اُس قلعہ کو دھوئیں اور شعلوں سے بھر دیا اور رات دن ادھر اُدھر کی آتش فشانی سے حشر برپا کر دیا۔ اب عیسائیوں نے چاہا کہ اسکو ہلّہ کرکے لے لیں لیکن الزیغری اور اُسکے دل نہ ہارنے والے پیروؤں نے کھولتی ہوئی رال اور فیر برسانا شروع کیا اور جن لوگوں نے سیڑھیوں پر چڑھکر اوپر چڑھنے

جاتے کا قصد کیا اُنکے سروں پر اوپر کے بُرج سے بھاری بھاری پتھر لڑھکانے لگے اور بعض کو ایسا تاک کر تیر مارا کہ اس پار سے اُس پار نکل گیا۔ آخر حملہ آور فوج کے چھکے چھوٹ گئے اور مجبور ہو کر سخت نقصان اُٹھانے کے بعد اپنے ارادہ سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ جب اس سے بھی ہارے تو سُرنگیں اُڑائی گئیں۔ جن میں کسی قدر کامیابی ہوئی اور اسپین کی تواریخ میں یہ پہلی مرتبہ باروت کے ذریعہ سے تھوڑیسی شہرپناہیں اُڑائی گئیں مگر اسپر بھی محافظین قلعہ ڈٹے رہے۔ اس وقت کُل بہادرانِ اسپین ملاغہ کی دیواروں کے سامنے جمع تھے۔ خود ملکہ ایزابلا بھی پہونچی اور اُسکے آنے سے اُسکے مذہبی سواروں اور سپاہیوں کے دلوں میں تازہ جوش بھر گیا۔ فصیلوں کے مقابلہ میں ٹھہرنے کے لیے چوبی برج لائے گئے اور جو لوگ دیواروں میں سُرنگ لگاتے تھے اُنکے لیے ڈھالوں کا سائبان کام میں لایا گیا مگر الزیغری اسپر بھی مغلوب نہ ہوا۔ آخر کار توپ و باروت سے بھی مدبّر دشمن نے حملہ کیا۔ یعنے ملاغہ کے لوگوں کو قحط نے پریشان کیا اور اب وہ تاجروں کی صلح جو تدبیروں کو سالار فوج کے دلیرانہ مشوروں سے زیادہ تر پسند کرنے لگے۔ باہر سے مدد پہونچنے کی امید ہی نہ تھی۔ الزاجل نے بلاشبہ اس محصور شہر کے بچانے کی ایک مرتبہ اور بھی کوشش کی تھی۔ اسکے جو کچھ سپاہی بچ رہے تھے اُنھیں کو مجتمع کر کے وہ ملاغہ کو بچانے کے لیے گاڈز (Guadix) سے باہر نکلا۔ لیکن اسکے نحس طالع بھتیجے نے پھر بھی وہ نحوست جو اُسکی طرف منسوب تھی ظاہر کی۔ کیونکہ حسد کے مجنونانہ جوش میں اُس نے غرناطہ کے سپاہیوں کو باہر نکالا اور الزاجل کی تھوڑی سی فوج کو جو ملاغہ کے راستہ میں تھی بالکل منتشر کر دیا۔ اور وہاں الزیغری نے جو اخیر حملہ کیا وہ مہیب خیز خونریزی کے ساتھ دفع کیا گیا۔ اہل شہر فاقوں سے جاں بلب تھے اور ماؤں نے اپنے بچوں کو سالار فوج کے گھوڑے کے سامنے لاکر ڈالدیا اور رونے لگیں کہ اب کچھ بھی کھانے کو نہیں ہے، ہم سے اپنے بچوں کا رونا دیکھا نہیں جاتا۔ چنانچہ شہر نے

اطاعت قبول کر لی اور المزیغری کو جو اسوقت تک جبل الفروغ میں ڈٹا ہوا تھا اسی کے سپاہیوں نے پھاٹک کھول دینے پر مجبور کیا اور اسکو اپنی شجاعت و بہادری کا یہ انعام ملا کہ ایک تہ خانے میں قید کر دیا گیا جہاں سے کبھی اسکی خبر بھی نہ آئی کہ کیا ہوگیا۔

اس بڑے محاصرہ کا خاتمہ ہوگیا۔ قحط زدہ لوگ عیسائیوں سے خوراک خریدنے میں باہم لپٹنے لگے۔ افریقی قلعہ دار جو باوجود اسکے کہ عرصہ تک کی کڑائی و فاقہ کشی سے کمزور ہو گئے تھے غلام بنائے گئے اور بقیہ باشندگان شہر کو فدیہ دے کر اپنے آپ کو چھڑا لینے کی اجازت ہوئی مگر وہ بھی اس مفتریانہ شرطوں پر کہ اُن لوگوں کے سارے اسباب فدیہ کے ایک جزو کے معاوضہ میں بادشاہ کے حوالے کر دیے جائیں۔ اور اگر آٹھ مہینے کے بعد بقیہ جزو وصول نہ ہو تو وہ سب بھی غلامی میں در آئیں۔ سب کا شمار ہوا اور جامہ تلاشی لی گئی۔ "اُسوقت کا کچھ عجیب سماں تھا کہ بوڑھے مرد، مجبور عورتیں، نازک نا کتخدائیں، جن میں سے بعض عالی نسب مبتلاے کرب و تعب بھی تھیں، بوجھوں سے لدی ہوئی، گلیوں میں سے القصابہ کو جا رہی تھیں۔" جب یہ لوگ اپنے گھروں سے چلے سر پیٹنے اور ہاتھ ملنے اور آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھا کر کہنے لگے: اے ملاغا! اے وہ شہر جو ایسا شہرۂ آفاق اور حسن میں ایسا طاق تھا، تیرے قلعہ کی مضبوطی و قوت کیا ہوئی اور تیرے برجوں کی شان و شوکت کہاں گئی؟ تیری عالیشان شہر پناہیں تیرے بچوں کی حفاظت میں کیا کام آئیں؟..... وہ سب پردیس میں ایک دوسرے پر آنسو بہائیں گے لیکن اُنکے نالے اور اُنکی فریادیں غیر کی طعن و تشنیع ہونگی۔" جو لوگ غریب تھے وہ اشبیلیہ بھیجے گئے اور آٹھ مہینے تک اُن سے مزدوری لی گئی اور جب آٹھ مہینے پورے ہوگئے تو چونکہ اُنکے پاس کچھ تھا ہی نہیں جو اپنے فدیہ کے عوض ادا کرتے اس لیے دائمی غلامی کی اُنھیں سزا دی گئی۔ ایسے لوگوں کی تعداد پندرہ ہزار تھی۔ فرڈنینڈ کی بے رحمانہ ذہانت یہ پھل لائی۔

اب غرناطہ کی سلطنت کا مغربی حصہ تمامہا عیسائیوں کے قبضہ میں آیا - سیرنیا ڈی رونڈا (Serrania de Ronda) کے مشہور اسلامی قلعہ اور خوبصورت شہر مالقہ میں عیسائیوں کی محافظ فوجیں رہنے لگیں - خود غرناطہ ابوعبداللہ کے قبضہ میں تھا - یہ جلدی سے اپنے سرپرست بادشاہ و ملکہ کو مالقہ کی فتح پر مبارکباد کہنے کو گیا - لیکن مشرق میں بوڑھا الزاجل اسوقت تک حملہ آوروں کے مقابلہ میں دلیری کے ساتھ ثابت قدم رہا اور دل شکستہ مسلمانوں میں جو کچھ حُبِ وطن کا جوش باقی رہ گیا تھا سب کو اُس نے اپنے جھنڈے کے گرد جمع کیا - جیان (Jaen) سے لیکر جو شمال میں ہے المیریہ تک جو بحر الروم کے ساحل پر اندلس کا سب سے بڑا بندرگاہ ہے اُسکا راستہ اغیار سے پاک تھا اسی کے قبضہ میں نہایت بکار آمد شہر گواڈکس (Guadix) اور بیزا (Baza) تھے اور اسی کے ممالک محروسہ کے اندر الپگزرا (Alpuxarras) تھا جو پہاڑیوں کی ایک مضبوط و جنگجو قوم کا گہوارہ ہے اور جسکے نشیب و فراز دامن کے ساتھ میں بیشمار ایسی گھاٹیاں جن میں سیرا نویدا کی برفیلی چوٹیوں سے سیرابی پہونچا رہتا تھا اور جسکے ڈھوروں اور ریوڑوں، انگوروں، نارنگیوں، اناروں، چکوتروں اور توت کے درختوں سے ایک پورے صوبہ کی دولت حاصل ہوتی تھی -

۱۴۸۸ع میں فرڈننڈ نے اپنے منصور و مظفر اسلحہ کو اسلامی مملکت کے اس بے خلل حصہ کی طرف پھیرا - اپنے سپاہیوں کو مرسیہ میں جمع کرکے اُس نے پچھم سمت الزاجل کے علاقہ میں کوچ کیا اور بیزا پر حملہ آور ہوا - یہاں سختی کے ساتھ اُسکے آگے بڑھنے کو روکا گیا - الزاجل کے ہاتھوں میں اب تک پرانی قوت باقی تھی اور اُس نے اُسکے زور بھی دکھلا دیے کہ عیسائیوں کو بیزا کی دیواروں کے پیچھے ہٹا دیا اور خود اُن کے ملک میں تاخت و غارت کے ذریعہ سے اپنا انتقام لینا شروع کیا - مگر فرڈننڈ جی نہیں ہارا اور دوسرے سال اُس نے پھر بیزا پر نئے سرے سے حملہ کیا اور بجائے اُسکے

کہ فضول حملوں میں اپنے سپاہیوں کی قوت ضائع کرائے آس پاس کی سرسبز و لہلہاتی کھیتیوں کو تباہ و برباد کیا۔ اور اس تدبیر سے شہر والوں کو قحط میں مبتلا کر کے اطاعت پہ مجبور کیا۔ اس میں چھ مہینے صرف ہوئے اور بیماریوں، موسم کی سختیوں اور جنگ کے حادثوں سے عیسائیوں کے بیس ہزار آدمی ضائع ہوئے لیکن ۱۴۸۹ء کے دسمبر میں آخرکار بیزار آ کے اطاعت قبول کر لی اور اس بڑے شہر کے نکل جانے سے الزاجل کی قوت بھی جاتی رہی۔ جتنے قلعے البگذارا (Alpuxarras) کے میدانوں کو گھیرے ہوئے تھے سب نے ایک ایک کر کے فرڈیننڈ کی قوت بازو کا لوہا مان لیا۔ الزاجل نے دیکھا کہ مسلمانوں کی حکومت کا آفتاب عنقریب غروب ہونے کو ہے اسلئے اُس نے باکراہ فرڈیننڈ کی اطاعت قبول کر لی اور شہر المیریہ اُسکے حوالہ کر دیا۔ البگذارا میں ایک چھوٹا سا علاقہ اور اندرآکس (Andarax) کے بادشاہ کا خطاب اُسکو دیا گیا۔ وہ اپنی ضائع شدہ شان و شوکت اور موجودہ شرم و خجالت کی سرزمین میں زیادہ عرصہ تک نہ رہا۔ اُس نے اپنا علاقہ بیچڈالا اور افریقیہ میں چلا گیا جہاں فاس کے بادشاہ نے بے رحمی سے اُسکو اندھا کرا دیا اور اُسکی زندگی کے بقیہ دن مصیبت و دریوزہ گری میں بسر ہوئے۔ جہاں کہیں وہ آوارہ وطن گدائی کے لباس میں جاتا تو جو لوگ کہ گدڑی میں اُس نامور کو پہچانتے تھے یا اُس تمغہ کے جو وہ پہنے ہوئے تھا اس عربی مضمون کو "یہ اندلس کا بیکس و بیچارہ بادشاہ ہے" پڑھتے تھے کلیجہ تھام کر رہ جاتے تھے۔

اب صرف غرناطہ مسلمانوں کے قبضہ میں باقی رہا۔ ابو عبداللہ بہت خوش ہوا کہ اُسکے پرانے رقیب الزاجل کو دین بنا ہانِ عیسوی نے تخت سے اُتار دیا۔ جو قاصد اُسکے پاس یہ خبر لیکر آیا اُسکے سامنے آواز بلند کہنے لگا کہ "اب سے کوئی شخص مجھے زغیبی نہ کہے کیونکہ ہمارے دن پھرے"۔ جسکا جواب اُس نے یہ دیا کہ جو آندھی ایک سمت چلی ہے وہ دوسری سمت بھی چل سکتی ہے بادشاہ کو مناسب یہ ہے کہ اس

خوشی کو اس سے ذرا زیادہ اطمینان کے موسم کے لیے اُٹھا رکھے - باوجود اسکے کہ
ابوعبداللہ کے کانوں میں اُسکے دارالسلطنت کی گلیوں سے یہ آوازیں آتی تھیں کہ
"ابوعبداللہ مُلکی نمک حرام کافروں سے ملا ہوا ہے" اسپر بھی ایسے وقت میں کہ اُس کا چچا
بالکل بے زور ہو گیا وہ اندھا بنکر فرڈننڈ وایزابلا کا ماتحت ہونے پر بھروسا رکھتا اور یقین
کیے ہوے تھا کہ مجھے کچھ خوف نہیں ہے - وہ اسکو بھول گیا تھا کہ جب اسنے اپنے چچا
کی احمقانہ عداوت میں عیسائی بادشاہوں سے درخواست کی تھی کہ اُسکی مملکت کو زیرفرمان
کرلیں تو (یہ شرط دنیا میں کوئی بیوقوف سے بیوقوف بھی نہیں کرسکتا ہے) اُس نے عہدنامہ
کے ذریعہ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر فرڈننڈ الزاجل کی سلطنت معہ گاڈز [illegible]
والمیریہ کے فتح کرنے میں کامیاب ہوگا تو میں بھی اپنی طرف سے غرناطہ حوالہ کر دونگا -
چنانچہ بہت عرصہ تک وہ اس فراموشی کی حالت میں رہنے دیا گیا اور اُسکے سمت ہما فقط
یہ تازیانہ رسید کیا گیا - فرڈننڈ نے بذریعہ تحریر کے اُسے اطلاع دی کہ جو شرطیں عہدنامہ
میں درج تھیں وہ میری طرف سے پوری کر دی گئیں اور لکھا کہ حسب شرائط مندرجۂ
عہدنامہ اب تم غرناطہ ہمارے حوالے کر دو - ابوعبداللہ نے بالحاح وزاری مہلت کی
درخواست کی مگر سنتا کون ہے - وہ عیسائی بادشاہ تُلا بیٹھا تھا - دھمکی بھی کہا کہ اگر فوراً یہ
دارالسلطنت حوالے نہیں کیا جائیگا تو ملاغہ کی کارروائی کا سبق دوہرایا جائے گا!
ابوعبداللہ تو ہکا بکا ہو گیا کہ کیا جواب دوں - لیکن غرناطہ کے لوگوں نے جنکا رہنما اک
دلیر و جری بہادر موسیٰ نام تھا اس معاملہ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اُس دین پناہ
عیسوی کو کہلا بھیجا کہ "اگر تم ہمارے ہتھیار لینا چاہتے ہو تو آکر لے لو!"

جس زمانے میں یہ دلیرانہ لفظ بولے گئے تھے غرناطہ کا دلکش وِگا فصلوں اور
میوؤں سے مالامال تھا - کیونکہ جو تباہیاں اسپر الزاجل وابوعبداللہ کی باہمی لڑائیوں
میں آئی تھیں اُن سے افاقہ پاکر پھر اپنی اُمنگوں پر آگیا تھا - اور مزید شوکت فصلیں

کاٹنے کے انتظار میں کھڑی تھیں۔ فرڈیننڈ کو اچھا موقع ہاتھ آیا۔ اپنی معمولی چال کے موافق اُس نے اپنے پچیس ہزار سپاہیوں کی فوج کو دغا پر مسلط کردیا اور تیس دن تک اُسے اُن لوگوں سے غارت وبرباد کرایا۔ جسوقت وہ قرطبہ کو واپس چلا ہے وہ وغا اک بڑا ساکفِ دست میدان تھا۔ ایک موسم کے لیے اسی قدر کافی تھا تاہم اُسی سنہ ۱۴۹۰ء کے اندر فصلوں کو تباہ وبرباد کرنے کی یہ بے رحمانہ کارروائی ایک مرتبہ اور بھی کی گئی۔

آخرکار لوگوں نے ابوعبداللہ کو بھی چونکایا اور وہ بھی مایوسی کی حالت میں دل قوی کرکے اُٹھ کھڑا ہوا۔ موسیٰ کی فطرتی جرأت وہمت نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ اُسی کی رہنمونی سے ابوعبداللہ نے مسلح ہوکر دشمن کے علاقہ میں بڑھکر جنگ شروع کی۔ اطراف وجوانب کے مسلمان جنھوں نے فرڈیننڈ کی اطاعت قبول کرلی تھی غرناطہ کے بادشاہ کو پھر جنگ کے راستہ پر دیکھکر قوی دل ہوگئے اور فوراً اپنے وعدوں کو خیرباد کہکر اُٹھ کھڑے ہوے اور اُسکے ساتھ شریک ہوگئے واقع میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غرناطہ کے اگلے زمانہ کیسے دن پھر رہے ہیں۔ عیسائیوں سے بعض قلعے واپس لیے گئے اور لشکر اسلام نے سرحدوں کو خوب لوٹا مارا۔ لیکن یہ آفتاب غروب ہوتے وقت کی آخری روشنی تھی۔ اپریل سنہ ۱۴۹۱ء میں فرڈیننڈ وایزابلا اپنی سالانہ صلیبی لڑائی پر یہ مصمم ارادہ کرکے روانہ ہوے کہ جب تک غرناطہ قبضہ میں نہ آجائے گا لوٹ کر نہ آئیں گے۔ فرڈیننڈ چالیس ہزار پیدل اور دس ہزار سوار کی فوج لیکر چلا۔ اس فوج کے سپہ سالار بھی ایسے ایسے لوگ تھے جیسے کہ مشہور شخص پانس ڈی لیون۔ قادس کا مارکوئس۔ سنیاگو کا مارکوئس۔ ٹمنڈلیا کا کونٹ۔ کیبرا کا کونٹ۔ ویلینیا کا مارکوئس۔ اور نامی گرامی نائٹ ڈان الانزو ڈی اگولر۔ ابوعبداللہ نے الحمرا میں (جہاں سے اُس گردوغبار کا بادل جو عیسائی سواروں کے گھوڑوں کی

ناپوں سے وغا میں بلند ہوا تھا دکھائی دیتا تھا) مجلس شوریٰ منعقد کی۔ بعض نے کہا کہ مقابلہ کرنا فضول ہے۔ لیکن موسیٰ اُٹھ کھڑا ہوا اور لوگوں سے کہا کہ اپنے اسلاف کے سچے خلف ہو اور جب تک لڑنے کے لیے زور آور بازو اور حملہ کرنے کے لیے تیز گھوڑے باقی ہیں ہرگز نا امید نہ ہو۔ تمام لوگوں پر موسیٰ کی گرمجوشی اثر کر گئی۔ پھر تو سارے غرناطہ میں ہتیاروں کے صاف کرنے اور سپاہیوں کے چلنے پھرنے کی آواز کے سوا کوئی آواز ہی نہیں سُنی جاتی تھی

موسیٰ سپہ سالار ہوا اور پھاٹک اُسکے سپرد ہوئے۔ جس وقت عیسائی فوج کے سامنے آئے وہ بند کر لیے گئے تھے لیکن موسیٰ نے اُنھیں کھولدیا اور کہا کہ "ہمارے جسم ان دروازوں کو روکیں گے"۔ ایسے الفاظ سے نوجوانان اسلام گرما گئے اور جب موسیٰ نے اُن سے یہ کہا کہ "ہمیں تو کسی اور چیز کے لیے لڑنا نہیں ہے۔ صرف اس زمین کے لیے جسپر ہم کھڑے ہیں۔ اور جب یہ نہیں تو ہمارا کوئی وطن ہے نہ کوئی ملک" تو سب کے سب اُسکے ساتھ مرنے کو تیار ہوگئے۔ ایسے سپہ سالار کی سرکردگی میں مسلمان غازیوں نے اُس میدان میں جو شہر اور عیسائیوں کی چھاؤنی کے درمیان واقع تھا بعید از قیاس بہادری کے جوہر دکھلائے۔ ایک ایک آدمیوں کا مقابلہ تو روزمرہ ہوا کرتا تھا۔ مسلمان گھوڑوں پر سوار ہوکر عیسائیوں کے خیموں کے پاس چلے آتے تھے اور کسی نائٹ کو برانگیختہ کر کے تنہا لڑنے پر آمادہ کرتے تھے۔ مگر اکثر عیسائیوں کو ایسی لڑائیوں سے واپس آنے کی نوبت نہ آئی۔ فرڈیننڈ نے جب دیکھا کہ میرے عمدہ ترین سپاہی ایک ایک کر کے مارے جارہے ہیں تو اُسنے اپنے نائٹوں کو سخت ممانعت کردی کہ مسلمان مبارز خواہوں کی ہرگز نہ سنیں۔ اسپین کے بہادروں پر نہایت شاق تھا کہ دلیر مسلمان سوار ہوکر اندر چلے آئیں اور اُنپر بزدلی و نامردی کے طعنوں کی بھرمار کریں اور یہ چپ چاپ اپنے خیموں میں بیٹھے رہیں۔ اور جس وقت غرناطیوں میں سے ایک نے

یہاں تک جرأت کی کہ شاہی خیمہ کے گویا اندر نیزہ پھینکا تو ہر نینڈ و پیرز ڈی پلگر سے ضبط نہ ہو سکا۔ اپنے تھوڑے سے پیروں کو جمع کرکے سونی رات کو سوار ہو کر ایک چور دروازہ کے پاس پہونچا اور محافظوں کو دھتا بتا کر گلیوں میں گھوڑے دوڑاتا ہوا بڑی مسجد تک پہونچا اور فوراً اُسکو مقدس دوشیزہ (حضرت مریمؑ) کے نذر کیا۔ اور اس مسجد کو عیسائی معبد بنانے کی نشانی کے لیے اُس نے ایک پرچہ جسپر "مقدس مریم" منقش تھا کانٹوں سے دروازہ پر چپکا دیا۔ اتنے عرصہ میں غرناطہ کے لوگ بیدار ہو گئے تھے اور ہر جانب میں سپاہی جمع ہو رہے تھے۔ لیکن پلگر نے اپنے گھوڑے کو مہمیز کیا اور لوگوں کو حیرت میں ڈال کر نہایت تیزی کے ساتھ غول میں گھس پڑا اور گھوڑے کی رَو میں لوگوں کو گراتا ہوا پھاٹک تک پہونچا۔ اور وہاں سے لڑ بھڑ کر راستہ نکالتا ہوا چھاؤنی میں پہونچ گیا۔ اُسی زمانہ سے پلگر کے خاندان کو ہائی ماس کے وقت اُس مسجد میں جو اَب گرجا ہے گانے والوں کی جگہ میں بیٹھنے کا حق حاصل ہوا۔

لیکن نہ ایسی دلیرانہ کارروائیوں سے محاصرہ کا زیادہ کام نکل سکتا تھا اور نہ یہ چند مٹ بھیڑیں قطعی فیصلہ کر سکتی تھیں۔ یہ سمجھکر فرڈ ینینڈ نے اپنی پرانی چالیں پھر شروع کیں۔ وہ اپنی چھاؤنی سے جو ایک ناگہانی سبب سے جل کر خاک ہو چکی تھی باہر نکلا اور وِغا میں جو کچھ فصلیں بچ رہی تھیں اُنکو تباہ و برباد کرنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے اپنے کھیتوں اور باغوں کو بچانے کے لیے دل توڑ کر آخری حملہ کیا اور موسیٰ اور ابو عبداللہ نے اپنے سواروں کے سپہ سالار نکر نامور بہادروں کی طرح خوب ہی جنگ کی لیکن پیدل سپاہی جو کم ثابت قدم تھے مار کر پھاٹکوں تک بھگا دیے گئے۔ موسیٰ غم سے چور اُنکے پیچھے پیچھے وہاں پہونچا اور اُس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اب ایسے لوگوں کو پیچھے رکھکر کبھی کھلے میدان کی جنگ کے خطرہ میں نہ پڑوں گا۔ یہی لڑائی غرناطہ والوں کی آخری لڑائی تھی۔ دس برس تک یہ سب حملہ آوروں سے چپہ چپہ بھر زمین کے لیے

لڑتے رہے اور جہاں کہیں انھیں قدم جمانے کی جگہ ملی وہاں ثابت قدمی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا۔ لیکن اب تو اُنکے قبضہ میں اپنی دارالسلطنت کے پرے کچھ بھی باقی نہ رہا۔ مجبور ہوکر سخت مایوسی کی حالت میں سب اُسی کی شہر پناہوں کے اندر بند ہوگئے لوگوں کو بھوکوں مارکر مجبور کرنا اُس دین پناہِ عیسوی کا ایک خوشگوار ہتھکنڈا تھا اور جیسا کہ عبد الرحمن ثالث نے طلیطلہ کے محاصرہ میں کیا تھا اُس نے بھی غرناطہ کے مقابل انھی دنوں میں محاصرہ کی غرض سے ایک شہر تعمیر کیا جسکا نام اپنے اعتقاد کے موافق سینٹیا فی یعنی "دین پاک" رکھا جو آجتک وہاں موجود ہے اور فرڈیننڈ کی ثابت قدمی کو یاد دلاتا ہے۔ آخر جو کام صرف بہادری سے نہیں نکل سکتا تھا اُسکو قحط نے پورا کیا۔ غرناطہ کے لوگوں نے ابو عبد اللہ سے الحاح وزاری شروع کی کہ ہم سے اب اور زیادہ مصیبتیں تو نہ جھیلواؤ کہیں محاصرہ سے تصفیہ بھی کرلو۔ آخرکار وہ نحس طالع بادشاہ راضی ہوا۔ موسیٰ نے کہا کہ میں تو اطاعت قبول کرنے والوں کا ساتھ نہ دوں گا۔ وہ سر سے پاتک مسلح ہوا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر شہر سے ایسا نکلا کہ پھر کبھی واپس نہ آیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ سوار ہوکر چلا جاتا تھا کہ بہت سے عیسائی نائٹوں کی ایک جماعت اُسے ملی اور اُن لوگوں نے جو اُسے لڑنے کے لیے للکارا تو لڑائی شروع کردی اُن میں سے بہتوں کو اُس نے تو تیغ بیدریغ کیا۔ اور جب اُسکا گھوڑا زخموں سے چور ہوکر گرا تو عیسائیوں نے اُس سے کہا کہ اب ہم تمپر رحم کرتے ہیں۔ مگر اُس نے تحقیر کے ساتھ اسکو نامنظور کیا اور پیادہ پا بڑی آن بان سے لڑتا رہا۔ یہاں تک کہ جب حد سے زیادہ کمزور ہوگیا اور لڑنے کی سکت اُس میں باقی نہ رہی تو گویا سنبھالا لیکر اُسنے اپنے آپ کو دریائے زنیل (Xenel) میں ڈال دیا۔ ہتھیاروں سے بوجھل تو تھا ہی فوراً تہ میں پہونچ گیا۔

"۲۵ نومبر ۱۴۹۱ء کو عہدنامہ پر دستخط ہوے اور ایک مدت معین کردی گئی

کہ اگر اسکے اندر امن وصلح رہی اور اگر باہر سے کمک نہیں آئی تو اس مدت کے منقضی
ہوجانے پر غرناطہ دین بنایانِ تثلیث کے حوالہ کردیا جائے۔ مسلمانوں نے ترکی و مصر
کے سلاطین سے کمک مانگی تھی بیچارے برابر اُنکی راہیں دیکھا کیے مگر مدد نہ آئی تھی
نہ آئی۔ جب بالکل مایوسی ہوگئی تو ابوعبداللہ نے دسمبر کے آخر میں فرڈیننڈ کو کہلا بھیجا
کہ آکر اس شہر پر قبضہ کرلو۔ عیسائی لشکر صف آراستہ ہوکر سنتیافی سے وغا کو طے
کرتا ہوا آگے بڑھا اور بدنصیب مسلمانوں کی خون روتی ہوئی آنکھیں اُسے تاکنے لگیں۔
سب سے آگے کا دستہ الحمراء میں داخل ہوا اور فوراً بڑا نقرئی صلیب اُس بلند شہر کی
چوٹی پر چمکتا ہوا دکھائی دینے لگا اور اُسکے پہلو میں سنٹ جمیس کا پھریرا اُڑ رہا تھا۔
اسکے دیکھتے ہی اُس لشکر سے جو میدان میں تھا سینٹیاگو کا نعرہ بلند ہوا۔ اس کے
بعد قسطالہ و اراگان کا جھنڈا صلیب کی بغل میں نصب کیا گیا۔ فرڈیننڈ و ایزابلا دونوں
نے زانو پہ سر جھکا دیے اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اور انکے پیچھے اسپین کی ساری فوج
رکوع میں جھکی اور شاہی مغنیوں نے "میں تیری تعریف کرتا ہوں۔ اے خدا" کا متبرک
گیت گانا شروع کیا۔ جبل الشہداء کے دامن کے قریب ابوعبداللہ جسکے جلو میں
تھوڑے سے سواروں کا گروہ تھا شاہی جلوس سے ملا۔ اُس نے فرڈیننڈ کو غرناطہ
کی کنجی دیدی اور اپنے پیارے شہر سے منہ پھیر کر کوہستان کی راہ لی۔ وہاں پیڈیل
(Padul) پر جو البگذرا کے سلسلہ کی ایک پہاڑی پر واقع ہے کھڑے ہوکر ابوعبداللہ
نے پھر اُس سلطنت پر نظر ڈالی جسکو اُس نے ہاتھ سے کھویا تھا۔ وہ خوبصورت وغا
(میدان)۔ وہ الحمراء کے برج۔ وہ (Generalife) کے باغ سب اُسکے
اُجڑے دیار کے حسن و شان و شوکت کو یاد دلانے لگے۔ اُس نے اللہ اکبر کہا اور
خوب پھوٹ پھوٹ کر رویا ؎

یہ کون پھوٹ کے رویا کہ درد کی آواز　　رچی ہوئی جو پہاڑوں کے آبشار میں ہے

اُسکی ماں عایشہ اُسکے پاس کھڑی تھی کہنے لگی کہ "جس چیز کو تم مرد نکر نہ بچا سکے اب اُسکے لیے عورتوں کی طرح خوب روؤ"۔ جس جگہ سے ابوعبداللہ نے غم آلود الوداعی نگاہیں اپنے اُس شہر پر ڈالی تھیں، جہاں سے وہ ہمیشہ کے لیے جلاوطن کیا گیا آج تک اسپین کی زبان میں ایسے نام سے موسوم ہے جسکے معنی "مسلمان کا آخری گریہ" ہیں۔ وہ بہت جلد پار اُتر کر افریقیہ چلا گیا جہاں اُسکی اولاد شپ قوت کی محتاج ہوئی اور دریوزہ گری کرنے لگی۔

پندرہویں فصل

صلیب کا نصب ہونا

ابوعبداللہ کا آخری گریہ اُس نالہ و شیون کی ابتدا تھا جو زمانۂ دراز تک اُن بدبخت مسلمانوں کا مشغلہ رہا جنھیں وہ تباہی و بربادی میں پھنسا چلا تھا۔ ابتدا میں تو فی الواقع یہی معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ منصفانہ شرطیں جن پر غرناطہ نے اطاعت قبول کی ہے تعمیل کی جائیں گی اور عبادت کی آزادی اور شرعی برتاؤ قائم رکھا جائیگا۔ پہلا پیر پادری (آرک بی شپ) ہرنینڈو نیک اور فیاض دل آدمی تھا اور اُسکی حکمت یہ تھی کہ لوگ جبراً عیسائی بنائے جائیں۔ وہ مسلمانوں کے حقوق کی بڑی عزت کرتا تھا مثال کی قوت، یکساں رحم و انصاف اور حتی الامکان اُنکے ہی طریقوں کو باقی رکھنے کے ذریعہ سے اُنکے دلوں پر فتح حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے پادریوں کو عربی پڑھوائی اور اُسی غیر صالح زبان میں اپنی عبادت شروع کی [ع] اور ایسی عنایتوں سے اُسنے عامۂ خلائق

ع سر ڈبلیو اسٹرلنگ کی کتاب چرچ ان آف اسپین جلد ۱ صفحہ ۱۱۵۔

کے دلوں پر ایسا سکہ بٹھایا کہ ۱۴۹۹ء میں جب کارڈینل زیمنیز کو ملکہ نے اسکی مدد کے لیے
بھیجا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو واقعات بیت المقدس میں اس مذہب کی ابتدا کے
وقت پیش آئے تھے اُنکا چربہ غرناطہ میں بھی کھینچا جائے گا۔ ایک دن میں تین ہزار
آدمیوں کو بڑے پادری نے اصطباغ دیا اور انھیں جمع کرکے تولیدِ ثانی کا پانی چھڑکا۔
زیمنیز بڑے پادری کے نرم طریقوں کا سخت مخالف تھا۔ وہ جہاد کرنے والے دینِ عیسوی
کا حامی اور جس زمانہ میں لڑنے کے معنی روحانیت کے تھے اُس وقت کا نہایت گرمجوش
آدمی تھا۔ اور چاہتا تھا کہ بقول اپنے "کافروں" کو دوزخ کی آگ سے بچاؤں گا
چاہے وہ اسکو پسند کریں اور چاہے ناپسند۔ اُس نے ایزابیلا کے دل میں یہ نیا ایک
مسئلہ بٹھایا کہ کافروں سے ایفاءِ وعدہ کرنا خدا کے ساتھ عہد شکنی ہے۔ اور اُس نیک
ملکہ کے نام پر جو چند دھبے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ آخرکار وہ مسلمانوں کو مذہب
کے لیے دق کرنے پر راضی ہوگئی۔

پہلی کوشش جو غرناطیوں پر جبر کرنے کی کی گئی ناکام رہی۔ سخت مسلمانوں
میں سے بعض نے عیسائی بنانے کے چند تازہ واقعات سے ناراضی ظاہر کی۔ اسیر وہ
گرفتار کیے گئے۔ اسی حیلہ سے ایک عورت زبردستی قید میں ڈالی گئی۔ بس اس واقعہ نے
البیسن (Allbaycem) کے لوگوں کو بھڑکا دیا۔ اسلحہ لیکر اُٹھ کھڑے ہوے اور اُس
عورت کو چھڑا لائے۔ سارا غرناطہ شور و غوغا اور ناکہ بندیوں کی لڑائیوں سے بھر گیا
قلعہ کی فوج بلوائیوں کی کثرتِ تعداد سے مغلوب و مجبور ہوگئی۔ زیمنیز بے سود مٹھیاں دانت
پیسا کیا۔ لیکن وہ امن جو بڑے پادری صرف اپنے صلیب بردار کو ساتھ لیے ہوے باہر نکلا
اور نڈر ہوکر البیسن میں داخل ہوا۔ فوراً لوگوں نے اُسے ہر طرف سے گھیر لیا اور اسکے
کپڑوں کو بوسہ دیکر اپنے مظالم کو اُس سے بیان کرنا شروع کیا۔ کیونکہ اُسکا عادل و
فیاض ثالث ہونا اُنکے نزدیک مسلّم تھا۔ بڑے پادری نے ہنگامہ کو رفع دفع اور کارڈینل

کو علیحدہ کر دیا۔

لیکن زیمنیز ایسا آدمی تھا ہی نہیں جو آسانی کے ساتھ اپنے ارادہ سے باز آجاتا اُس نے ملکہ کو بہکا کر ایک اشتہار جاری کرایا کہ مسلمان دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کریں خواہ مذہب سے ہاتھ دھو بیٹھیں خواہ اپنے وطن سے۔ اُنھیں یاد دلایا گیا کہ اُنکے اسلاف عیسائی ہی تھے اور وہ خود عیسائیت میں پیدا ہوئے تھے اسلیے فطرتاً اُنھیں اس دین کو قبول کرنا چاہیے۔ اس بے رحم کارڈنیل نے مسجدیں بند کرا دیں اور بے شمار قلمی کتابیں جن میں مسلمانانِ اندلس کی مدتوں کی تعلیم کے ذرے بھرے پڑے تھے جلوا دیں۔ اور ان دونوں دین پناہان عیسوی نے جو برتاؤ کہ اُمتِ موسوی کے ساتھ جن پر مسلمانوں سے کچھ کم مصیبت نہیں آئی تھی جائز رکھا تھا، مسلمانوں کو اُسی برتاؤ کی دھمکی دے کر اور مار مار کر انجیل کی صلح جوئی اور نیک خواہی کا سبق پڑھایا فی الحقیقت اکثر نے ان چھینٹوں میں آکر مذہب عیسوی کا اصطباغ لے لیا۔ کیونکہ انکو وطن چھوڑنے سے دین سے دست بردار ہو جانا زیادہ آسان معلوم ہوا لیکن البگزرا (Alpuxarras) کے پہاڑی لوگوں میں پُرانے عربی جوش کی جلتی ہوئی چنگاری باقی رہ گئی تھی۔ یہ لوگ تھوڑے عرصہ تک بمقابلہ اپنے دق کرنے والوں کے اُس پہاڑ کے برفیلے قلعوں پر قابض رہے۔ اس بغاوت کے فرو کرنے کی پہلی کوشش کا خاتمہ مصیبت اور تباہی پر ہوا۔ ڈان الانزو ڈی اگیلر جسکے بہادرانہ کارناموں کی شہرت چالیس برس سے بڑھتی ہی جاتی تھی ۱۵۰۱ء میں سیرا برمیجا (Sierra Bermeja) بھیجا گیا اور اُس نے عربوں کے ہاتھ سے نہایت ہی بُری شکست کھائی۔ ان لوگوں نے اوپر سے بھاری بھاری چٹان لڑھکا کر اُسکے سواروں کے رسالہ کو پیس ڈالا۔ ایک کہانی کا یہ مضمون ہے کہ الانزو مع اپنے معدودے چند پسماندوں کے ساتھ میدان میں چلا آیا۔ یہاں شیر ببر کی طرح کھڑا رہا اور باوجود اسکے کہ ہزاروں دشمن ہر طرف موجود تھے

اگر کسی شخص نے نزدیک جا کر لڑنے کی جرأت نہ کی دور ہی سے بان، تفنگ و تیر پھینکتے رہے
ان چیزوں کی ایسی بوچھاریں ہوئیں کہ اگر الا نزو کے سینہ میں صدہا دل ہوتے تو بھی چھلنی ہوجانے
سے نہ بچتے - آخرکار کاری زخموں کی بھرمار سے وہ غش کھا کر مٹی زمین پر ڈگمگا کے گرا اور ختم ہوگیا۔

لیکن ایک اور قرین قیاس داستان یہ کہتی ہے کہ مسلمانوں کے سپہ سالار نے صاف
لڑائی میں اُسکا کام تمام کیا- وہ اپنے خاندان میں پانچواں لارڈ تھا جو غیر مذہب والوں کی
لڑائی میں مارا گیا - باایں ہمہ اس چندروزہ کامیابی نے صرف یہی کیا کہ عیسائی اس واقعہ سے
جل گئے اور انتقام کشی میں بہت سخت ہوگئے - ٹنڈیلا کے کونٹ نے عذار (؟) پر دفعتہً
حملہ کردیا اور سیرین کے کونٹ نے اُس مسجد کو اُڑا دیا جسمیں اٹھ سو ضلع کی عورتیں اور بچے پناہ گزین
تھے" - اور خود فرڈنینڈ دوروں کی کنجی یعنی لینجرانؑ کے قلعہ پر قبضہ کر بیٹھا- جو کچھ باغی بچ رہے وہ مراکو
مصر، اور ٹرکی کو سدھارے جہاں اپنی لیاقت و ہنر سے روٹی پیدا کرنے لگے- اس طرح دوسری بغاوت
کی پہلی بغاوت فرو کی گئی - اسکے بعد کی آدھی صدی ایسی تھی جس میں نفرت کی آگ دلوں
میں موجود تو ضرور تھی مگر دبی ہوئی- بہت سے مسلمان جو ظاہراً عیسائی ہوگئے تھے بجبر و اکراہ
قدرے قلیل اُن فرائض کو ادا کرتے تھے جو اُنکی گردن پر آپڑے تھے - لیکن پادری کی نظر سے
غائب ہوتے ہی اپنے بچوں کو نہلا کر اُس مقدس پانی سے پاک صاف کر دیتے تھے جس سے
اُنھیں اصطباغ دیا جاتا تھا- اُنکی شادیاں عیسائیوں کی رسم پر ہوتی تھیں مگر گھر میں آکر اسلامی
طریق پر دوبارہ نکاح بھی کرلیتے تھے - یہ لوگ بربر کے دریائی قزاقوں کو اپنے شہروں میں آنے دیتے
اور عیسائیوں کے بچوں کو چُرا لیجانے میں اُنکی مدد کرتے تھے - اگر کوئی عاقلانہ اور دیانتدار حکومت
ہوتی جو غرناطہ کی حوالگی کے وقت کے معاہدوں کی وقعت کرتی تو اُسکی اس چھپی ہوئی ناراضی
کا خطرہ پیش نہ آتا مگر اسپین کے فرمانروا نہ عاقل تھے اور نہ مسلمانوں کے ساتھ برتاؤ کرنے
میں دیانتدار- اور جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا یہ اور بھی سنگدل اور جھوٹے ہوتے گئے عدؔ ... مسلمانوں
کو حکم دیا گیا کہ اپنے دیسی اور خوبصورت لباس کو ترک کردیں اور عیسائیوں کی ہیٹ (اونچی ٹوپی)
*بقیہ صفحہ

عہ حاشیہ صفحہ ۲۰۲ پر ملاحظہ ہو

اور اُنکے سے پائجامے پہنا کریں، نہانے سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور اپنے فاتحوں کی طرح میلے کچیلے رہیں اپنی زبان، اپنی عادات و رسوم، بلکہ اپنے ناموں کو بھی ترک کردیں اور اسپین کی زبان بولیں۔ اسپین والوں کا برتاؤ اختیار کریں اور دوبارہ اپنے نام اسپین والوں کے سے رکھ لیں۔ شہنشاہِ اعظم چارلس پنجم نے ۱۵۲۶ء میں اس فیصلہ کو منظور تو کرلیا مگر اُس میں اتنی سمجھ تھی کہ اسپر عملدرآمد نہیں کرایا اور اُسکے کارکن اس فیصلہ سے صرف یہ کام لیتے رہے کہ اسکے ذریعہ سے مالدار مسلمانوں سے رشوتیں اینٹھا کرتے تھے کہ ہم اسکے جاری کرنے میں دیدہ و دانستہ اندھے بنجائینگے بشرطیکہ ہمارے سرکاری اندھے پن کی قیمت دیدیجائے۔ اُس زمانہ میں تو یہ ظلم "بے تعصبی کی تجارت" سے جس سے نہایت باطمینان طرز پر خزانہ معمور ہوگیا رُکا رہا۔ لیکن جس ظالمانہ قانون کو باپ نے دانشمندی سے چھوڑ رکھا تھا اُسپر عملدرآمد کرانا اُسکے بیٹے فلیپ دوم کا حصہ تھا۔ ۱۵۶۷ء میں فلیپ نے زبان و رسوم وغیرہ کے مکروہ و ناپاک قاعدوں کو نافذ کیا اور پاک و صاف رہنے کی ممانعت پر عمل کرانے کے لیے اُس نے الحمراء کے خوبصورت حماموں کو ڈھانا شروع کیا۔ لوگوں کی قومیت کو اس طرح کلیۃً مٹانا اس قسم کی کارروائی تھی جسکو کوئی گروہ گوارا نہیں کرسکتا تھا، چہ جائیکہ المنصور و عبدالرحمٰن و ابن السراج کی اولاد۔ زمانۂ دراز سے بھڑک اُٹھنے والے اسباب تو جمع تھے ہی صرف ایک چنگاری کی ضرورت تھی۔ کسی خراج وصول کرنے والے سے جو لوگوں کو لوٹتا تھا نزاع کا ہونا تھا کہ آگ ہی تو لگ گئی۔ تھوڑے سے سپاہی کاشتکاروں کے جھونپڑوں میں شب باش تھے اُنکو کاشتکاروں نے قتل کرڈالا۔ غرناطہ کے ایک رنگریز فارض ابن فارض[+] نے جس میں بنی السراج کا خون تھا رنجیدہ لوگوں کے ایک گروہ کو جمع کیا اور قبل اسکے کہ قلعہ کی فوج اُنکے تعاقب کا ارادہ کرے پہاڑوں میں جا پہونچا ہرننڈو ڈی ویلاء جو خلفاء قرطبہ کی نسل اور غرناطہ

عے جہاں جہاں "انفیڈل" یعنی کافر کا لفظ اس کتاب میں مصنف نے مسلمانوں کیلیے استعمال کیا ہے ہر جگہ بطور نقل کفر کفر نباشد کے ہے یعنی اسپین والوں کا لفظ نقل کیا گیا ہے اور نوٹ "" کا مانند کے اندر ہے جو دوسرے کے مقولہ کو نقل کرنے کی علامت ہے۔ اور اسمیں متعصب عیسائیوں پر ایک طرح کی لطیف تعریض ہے جو "مسلمان" کے لفظ سے ہرگز پیدا نہیں ہوسکتی تھی اسی لیے مترجم نے انھیں اپنی اصلی حالت پر رہنے دیا ہے +

+ Faraz

عہ حاشیہ صفحہ ۲۰۱

کے مشاہیر میں سے تھا لیکن اپنے آوارہ پن سے ذلیل و خوار سمجھا جاتا تھا اندلس کا بادشاہ منتخب ہوا اور مولی محمد بن اُمیہ اُسکا لقب قرار پایا اور ایک ہفتہ کے اندر سارا (Alpuxarras) الپگذرا مسلح ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا اور مسلمانوں کی دوسری بغاوت شروع ہوئی (۱۵۶۸ء)

الپگذرا کا ضلع بغاوت کا ماوی و ملجا ہونے کے لیے بہت ہی مناسب واقع ہوا تھا۔ سارا نویدا اور سمندر کے درمیان جو تقریباً اُنیس میل لانبا اور گیارہ میل چوڑا پہاڑی میدان واقع ہے "وہ اس طرح ناہموار پہاڑی اور عمیق مجرے سیل سے ٹکڑے ٹکڑے ہے کہ سارے رقبہ میں باستثنا سے اُسکے جو اینڈراکس (Andarax) کی چھوٹی سی گھاٹی میں اور میدان سے اس منطقہ پر واقع ہے جو پہاڑوں اور سمندر کے درمیان حائل ہے سطح زمین کا کوئی ٹکڑا مشکل سے مل سکتا ہے۔ سارا نویدا سے نکلے ہوئے تین بڑے بڑے سلسلے جن سے خود بہت سی چھوٹی چھوٹی شاخیں نکلی ہیں شمال سے جنوب تک اس میدان کو تقاطع کیے ہوئے ہیں۔ اور اس طرح سے جو گھاٹیاں بن گئی ہیں ان میں بہت سے دھارے (جو جاڑوں میں بڑی ندیاں اور اکثر گرمیوں میں خشک ہو جاتے ہیں) سوئی سن اور پیکوڈی لے ویلیا کی پگھلی ہوئی برف کو بحر الروم میں پہونچاتے ہیں۔ فطاتی حسن اور بہت سی دیگر خوبیوں میں یہ پہاڑی زمین ملکِ یورپ کے نہایت ہی مسرت انگیز خوبصورت خطوں میں سے ہے نیچے کی گھاٹیوں اور اُس تنگ میدان میں جو سمندر کے کنارے زرّیں پٹیلے کی صورت واقع ہے سخت گرمی اور نباتات کی بہتات، گنّوں کے کھیت اور کھجوروں کے جھنڈ ہیں اور اس سے دو ہی قدم اوپر چڑھکر باغوں، ناج کے نشیبی کھیتوں، اور زیتون کے جھُنڈوں میں ہو کر الپائن پہاڑ کے خنک مرغزاروں اور صنوبر کے جنگلوں میں آدمی پہونچتا ہے اور اُسکے اوپر بڑے بڑے چٹان ملتے ہیں جہاں سبزہ بالکل بیگانہ ہے اور جہاں کے طول و عمق میں برف پڑی رہتی ہے اور موسم خزاں کی سخت گرمیوں میں بھی کونوں کتروں میں مل ہی جاتی ہے۔ جس زمانہ میں یہ خطہ محنتی و جفاکش مسلمانوں سے بہت آباد تھا تو یہ تنگ گھاٹیاں جنکے نیچے زرخیز زمین ہے کشت زاری ہوتی اور اسقدر محنت سے سیراب کیجاتی تھی کہ وسعت[ع] کا معاوضہ انھیں سے ہو جاتا تھا۔ یہاں کے

[ع] حاشیہ صفحہ ۲۰۴ ملاحظہ ہو

گانوں جن میں سے ہر ایک یا تو پہاڑیوں کے نشیب میں تھا یا ناہموار بلندی پر تاکستانوں
چمنستانوں سنگترے اور بادام کے باغوں، زیتون و توت کے جھنڈوں سے بنگلے گرد تھوہڑ
اور کٹاسے حفاظت کے لیے لگے ہوئے ٹھہرے تھے اور اوپر کی پہاڑی زمینوں سے بھیڑوں
اور گائوں کی گھنٹیوں کی آوازیں آتی تھیں۔ اور البگزرا کے ضلع کی شراب اور میوے، ریشم اور
روغن، پنیر اور ریشم غرناطہ کے بازاروں اور اندلس کے بندرگاہوں میں مشہور تھے[عـ۵]۔ یہی خوبصورت
ضلع تھا جسکو پادری کا تعصب سپاہیوں کی شرربار تلواروں اور جلتی لکڑیوں کے حوالہ کرتا ہے۔

البگزرا کی بڑی بھاری بغاوت دو برس تک رہی اور اُسکے فرو کرنے میں اسپین والوں کو
نہایت سخت کدوکاوش کرنا پڑی۔ اسکے روزنامچے دونوں جانب کی بیرحمانہ خونریزی، سخت
تعذیب، دھوکے کے قتل، فریب دغا اور ہیبت ناک سنگدلی کے واقعات سے معمور ہیں۔
جن سے طبیعت مکدر ہوجاتی ہے اور کچھ دلبستگی ہوتی ہے تو اس سے کہ بہادری و تحمل کے بھی بعض
کارنامے ایسے ہیں جن پر ہر زمانہ اور ہر قوم فخر کرسکتی ہے۔ یہ جنگ نہایت سخت و جانگزا تھی۔ یہ
عربوں کا آخری مقابلہ تھا۔ وہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہم حیران و مضطر کیے جارہے ہیں۔ ان لوگوں نے
طیش میں آکر پہلے ہی مجنونانہ حملہ میں سو برس کی توہین اور مذہبی تعذیب کا انتقام لے لیا۔ ایک
گانوں کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور علیٰ ہذا اپنے ظالموں کے مقابلہ کیلئے اُٹھ کھڑا
ہوا۔ گرجوں کی توہین کی گئی، مریم عذراء کی تصویر نشانہ بنائی گئی، پادری قتل کیے گئے اور بارہا
عیسائیوں پر ایسے عذاب لیے گئے جن سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور عیسائیوں

عـ۵ اسپین والوں سے کبھی نہ ہوسکا کہ اندلس کی زرخیز زمین کی پوری قدر کریں حوالی غرناطہ کی سبزہ زار زمین کی
نسبت وہاں کی سلطنت کا ۲۱ بقدر پست خیال تھا کہ سنہ ۱۵۹۰ء میں وہاں کا شاہی علاقہ اس سبب سے فروخت کیا گیا
جسقدر ان زمینوں میں خرچ کیا جاتا ہے اُسقدر بھی اسپین والے اُنسے پیدا نہیں کرسکتے ہیں! اور مسلمانوں کے زمانہ
میں یہی زمینیں گویا گرم ملکوں کے ہرے بھرے باغ تھیں۔ ۱۲

عـ۶ سر ڈبلیو اسٹرلنگ کی کتاب ڈان جان آو اسٹریا۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۲۶ - ۲۸ -

کا یہ حال کہ مناروں اور برجوں میں چھپتے پھرے اور دشمن کے ناگہانی حملہ کو بہادری سے روکتے رہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ دو عورتوں نے جو ایک برج میں تنہا رہ گئی تھیں دروازے کو بند کر دیا۔ انکے ہتھیار صرف پتھر تھے جنکو وہ تاک تاک کر فصیلوں سے پھینکتی تھیں۔ ان عورتوں نے تیروں سے گھائل ہونے پر بھی فقط اپنے دلوں کے زور پر حملہ آوروں کو صبح سے دوپہر تک پاس پھٹکنے نہ دیا آخر انکی خوش قسمتی سے دوپہر کو کمک پہونچگئی۔ اک اور کارنامہ آب زر سے لکھنے کے قابل عیسائیوں کی ایک فوج کے آگے بڑھنے کا ہے جو اس بغاوت کو فرو کرنے آئی تھی۔ اس فوج کے سپاہی ہلیط (Ha bilita) کے مجرائے سیل کے پاس پہونچ گئے تھے جو ایک عمیق غار سونیٹ کے قریب گہرا ہے اور اسکی تہ پر بڑے زور و شور سے دھارا چلتا ہے۔ مسلمانوں نے پل توڑ دیا اور صرف چند ڈگمگاتے ہوئے تختے چھوڑ دیے جنپر سے صرف ضرورت کے وقت کوئی دل چلا فوجی ہرکارہ جا سکتا تھا۔ ان تختوں کے دوسری جانب مسلمانوں کے تیرانداز کمانیں کھینچے کھڑے تھے ایسی حالت میں اگر سپاہی اسکے عبور کرنے میں جھجکے تو کچھ حیرت کا مقام نہیں ہے وہ تختوں کا ایک پہلو پر قرار نہ لینا، وہ دھارے کا شائیں شائیں بولنا، اور مسلمان تیراندازوں کا تیر برسانا سب باتیں ملکر بڑے بڑے بہادروں کے دل پانی کر دینے کو کافی تھیں۔ یہ فوج پس و پیش میں کھڑی ہی تھی کہ اتنے میں ایک رہبان سامنے آیا اور اطمینان سے لوگوں کا ہادی بنکر ان ڈگمگاتے ہوئے تختوں پر سے دشمنوں کے تیروں کے رخ پر چلا گیا۔ اسکے اس فعل سے دشمنوں پر کچھ ایسی حیرت طاری ہوئی کہ تیروں کا چلانا انھیں خیال تک نہ آیا۔ دو سپاہی اچھلکر اس جان نثار رہبان کے پیچھے ہو لیے ایک تو دوسری جانب پہونچ گیا اور دوسرا نیچے کے سخت دھارے کی نذر ہوا۔ پھر تو ساری فوج نے ہمت باندھی اور جہاں تک جلدی ہو سکا اس غار کو عبور کر کے اس طرف پہونچی اور وہاں اکٹھا جمع ہو کر نشیبی جانب ٹوٹ پڑی اور دشمنوں سے مورچہ چھین کر رہی۔ بس یہ اک واقعہ ایسا ہے جو کمینہ و بیجا افعال کی لانبی فہرست کے پڑھنے کے ملال و تنغص کو دل سے دور کرتا ہے مونڈے جار کے مارکوئس نے جو غرناطہ کی فوج کا سپہ سالار تھا کوشش کی کہ لوگوں

کو نا کرا اور اپنی فیاضی دکھا کر بغاوت کو فرو کرے کیونکہ چار ہزار سپاہیوں کو لیکر پہاڑوں میں اُسکے کوچ کرنے سے بہت کچھ رعب بیٹھ ہی چکا تھا لیکن جُبلیس (Jubiles) کی اتفاقی خونریزی اور لیبرول (Laroles) میں لوگوں کی دغابازی نے بغاوت کی آگ کو جو کسی قدر کچھ چکی تھی پھر بھڑکا دیا۔ البیسن (Albayein) کے قید خانہ میں ایک سو دس مسلمانوں کے عیسائیوں کے ہاتھ سے بیرحمی کے ساتھ مارے جانے نے اُس مظلوم قوم کو آپے سے باہر کر دیا۔ مونڈے جار اس خونریزی کے فعل میں کسی طرح شریک نہ تھا اور اپنے جلو کے سپاہیوں کو ہمراہ لیکر ہنگامہ فرو کرنے کیلئے قید خانہ کی طرف جا رہا تھا کہ راستہ میں اُسے القائد (داروغہ محبس) ملا اور کہنے لگا "اب جانے کی ضرورت نہیں ہے، قید خانہ سناٹا ہے، سب مسلمان مر گئے"۔ اسکے بعد روزانہ مسلمانوں کی قوت بڑھتی ہی گئی اور ابن اُمیہ واقع میں البگزرا کے پورے ضلع کا مالک ہوگیا۔ مگر یا اُمیہ قرطبہ کے رئیسوں کے اس نالائق و عیاش نام لیوا نے اپنے اقتدار سے بہت ہی تھوڑے دنوں تک تمتع حاصل کیا کیونکہ ۱۵۶۹ء کے اکتوبر میں خانگی عداوت و شبہہ کے سبب سے اُسکے ملازموں ہی نے سوتے میں اُسکا گلا دبا کر مار ڈالا۔ اُسکی جگہ میں ایک لائق و جان نثار آدمی جو بغاوت کا اصل بانی اور ایسا شخص تھا کہ اپنے دوست کیلئے جان تک دریغ نہیں کر سکتا تھا مولی عبداللہ ابن ابو کے لقب سے بادشاہ بنا۔

ابن ابو کو نئے دشمن سے مقابلہ کرنا پڑا۔ بادشاہ کا سوتیلا بھائی آسٹریا کا رہنے والا ڈان جان، مونڈے جار کی جگہ میں سپہ سالار ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آیا تھا۔ یہ اگرچہ بائیس برس کا نوجوان تھا مگر بہت ہونہار تھا۔ بہت دنوں تک فیلیپ۔ اسکو کاغذی لڑائیاں لڑنے کے بعد اُسے یقین دلا کر رہا کہ یہاں کی حالت نہایت نازک اور سخت تدبیروں کی متقاضی ہے آخر ڈان جان کے پاس کوچ کرنے کے بارے میں احکام آئے مسلمانوں کو فوراً توبہ کر لینے کے سوا کوئی توقع باقی نہ رہی۔ ۱۵۶۹ء کے جاڑوں میں جنگ شروع کی اور مئی کے مہینے میں اطاعت قبول کرنے کی شرطیں طے ہوگئیں اور وسط کے مہینوں میں خون کی سرخ ندیاں بہتی رہیں۔ ڈان جان کا اصول یہ تھا کہ پناہ نہ دو، مرد، عورتیں اور بچے اُسکے حکم سے اور اُسکی آنکھوں کے سامنے

بکثیر بکریوں کی طرح قتل کیے گئے اور الپگزرا کے علاقہ کے گانوں انسانی مذبح بنا دیے گئے۔

لیکن اُسوقت بھی جبکہ معلوم ہوتا تھا کہ بغاوت کی آگ بالکل بجھگئی ایک چھوٹی سی چنگاری چمک اُٹھی ابن ابو نے اسوقت تک اس بغاوت کو نہیں مانا تھا لیکن دھوکہ کے قتل نے اسے قطعی یقین تک پہونچا دیا۔ غرناطہ کے مذبح کے پہاڑ تک پچیس برس تک اُسکا سر لٹکا رکھا گیا۔ سپہ سالار اعظم کرسینس نے ایکدم سے قتل عام کرنے اور گانوں کو جلا کر ویران کر دینے اور جو لوگ کھوہوں اور غاروں میں پناہ لیتے تھے اُنکو دھوئیں سے گھونٹ گھونٹ کر مار ڈالنے کا باضابطہ طریقہ قائم کر کے ۵ نومبر ۱۵۷۰ء سے پہلے کھلی ہوئی بغاوت کی آخری چنگاری کو بجھا دیا۔

خلاصہ یہ کہ عیسائی اسپین نے آخر کار اپنی عزت گنوا کر اور آئندہ دولت کو کھو کر مسلمانوں کو مغلوب کیا۔

اس بغاوت میں جو لوگ بچ رہے غلامی و جلاوطنی کی مصیبت میں مبتلا ہوے۔ انکی تعداد کچھ بہت زیادہ نہ تھی۔ لوگوں کا بیان تھا کہ اس پچھلی لڑائی میں بیس ہزار سے زیادہ مسلمان ضائع ہوے اور شاید پچاس ہزار مسلمان اور باقی تھے کہ حواریوں اور عیسائی ملکوں کے شہیدوں کی تعظیم کی تقریب سے بقیۃ السیف مسلمانوں کو شہید کر کے ۱۵۷۰ء میں "ڈے آف ان نیئس" کی عید منائی گئی۔ جو لوگ کھلی ہوئی بغاوت میں گرفتار ہوے تو وہ غلام بنائے گئے اور بقیہ سپاہیوں کی حوالات میں اس احتیاط کے ساتھ کہ پہاڑوں کے دروں پر بھی پہرے بٹھا دیے گئے تھے ملک سے باہر کر دیے گئے۔ ان میں سے بہت سے مجبور و ضعیف ناداری، ماندگی اور موسم کی سختی سے راہ ہی میں راہی عدم ہوے اور جو اس سے بھی بچ رہے وہ کچھ تو افریقیہ پہونچے جہاں بھیک مانگ کر پیٹ پال سکے مگر جوتنے کو زمین نہ پا سکے اور کچھ فرانس جا رہے جہاں اُنکی کچھ بھی آؤ بھگت نہ ہوئی حالانکہ ہنری چہارم نے اسپین میں اپنی سازش پھیلانے میں ان لوگوں کو کار آمد ذریعہ پایا تھا۔ یہ اخراج ۱۶۱۰ء تک ختم نہیں ہوا تھا کیونکہ اس سال پانچ لاکھ مسلمان جلاوطن و تباہ کیے گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ غرناطہ کے زوال اور سترہوین صدی کے پہلے دس سال کے درمیان کم از کم تیس لاکھ مسلمان جلاوطن کیے گئے۔ عربی مورخ غم و اندوہ کے ساتھ خاتمہ اسطرح لکھتا ہے "قادر مطلق کی مرضی نہ ہوئی کہ انھیں فتح نصیب ہو اسلیے مغلوب ہوے اور ہر طرف مارے گئے یہانتک کہ آخر میں ارض اندلس سے بھی نکال دیے گئے یہ مصیبت خود ہمارے زمانہ یعنی ۱۰۱۷ ہجری میں واقع ہوئی۔ بیدہ الملک والملکوت یؤتیہ من یشاء۔

بدراہ اسپینی نہیں سمجھے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے نکالنے سے اُنکو مسرت
حاصل ہوتی تھی اور تھوڑے زمانہ تک اس سے زیادہ دلاویز و دلچسپ کوئی قصہ ہی نہ تھا۔
وہاں کے شاعر لوپ ڈی ویگا نے اُس "منصفانہ فرمان" کی مدح سرائی کی جسکے ذریعہ سے
فیلیپ سیوم نے مسلمانوں کے آخری پسماندوں کو افریقیہ جلا وطن کردیا اور ولیبیز کز نے یادگار کے
طور پر اسکا مرقع تیار کیا اور یہانتک ہوا کہ ونیٹز جیسے نرم دل ویلے تعصب نے بھی زبردستی
اس فعل کو قرین انصاف قرار دیا۔ یہ لوگ یہ نہیں سمجھے کہ اپنی سونے کا انڈا دینے والی مرغی
کو کھو بیٹھے۔ کئی صدیوں تک اسپین تہذیب کا مرکز، علوم و فنون کا ملجا، تعلیم کا اڈہ اور
ہر قسم کی عالی خیالی کا مسکن رہا۔ یورپ کا کوئی دوسرا ملک عربوں کی ترقی یافتہ مملکت کے
پاسنگ کو بھی نہیں پہونچا تھا۔ فرڈننڈ و ایزابیلا اور چارلس پنجم کی سلطنت کی چند روزہ
چمک دمک ایسی پائدار شان و شوکت کی بنیاد قائم نہ کرسکی۔ مسلمان تو ملک سے نکال دیے
گئے اور تھوڑے عرصہ تک عیسائی اسپین ماہتاب کی طرح مستعار روشنی سے بارونق نظر آیا۔
اسکے بعد اُسکو گہن لگ گیا اور آج تک اُسی تاریکی میں پڑا ذلتیں اُٹھا رہا ہے۔ مسلمانوں کی
سچی یادگار محض بنجر زمین کے اُن ویران قطعات میں نظر آتی ہے جہاں کسی زمانہ میں مسلمان
انگور زیتون اور ناج کے زرد خوشے پیدا کرتے تھے اور اس غبی و جاہل خلقت میں جہاں کسی
زمانے میں ذہانت و علمیت تروتازہ تھی اور وہاں کے لوگوں کی اُس ٹھہری ہوئی اور تنزل کی
حالت میں جسکی وجہ سے وہ کُل قوموں سے پستی و ذلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور واقع میں
وہ اسی قابل بھی ہیں ۔

تصانیف پروفیسر مرزا محمد ہادی بی اے

لیلیٰ مجنون - قابل دید ڈراما ۸
مثنوی امید و بیم - نظم اردو میں فلسفیانہ خیالات کا پہلا نمونہ قیمت ۴ر
نو بہار - مرزا رسوا کی ایک لاجواب نظم - ۲

تصانیف سلطان حیدر جوش

مساوات - ایک دلچسپ افسانہ ۱ر
اتفاقات زمانہ

تصانیف ڈاکٹر اقبال ایم اے

شکوہ - مشہور نظم ۲ر
جواب شکوہ - " ۴ر
بلال - " ۱ر
فریاد امت " ۲ر
شمع و شاعر " ۲ر
تصویر درد " ۴ر

تصانیف مولوی عبد الماجد بی اے

فلسفیانہ مضامین - رسالہ الناظر میں قابل دید مضامین وقتاً فوقتاً عبد الماجد صاحب نے لکھے تھے [illegible] ہے -
زود پشیمان - عبد الماجد صاحب نے ناظر کے فرضی نام سے یہ ڈراما لکھا ہے

جسکے تمام اشعار انھیں کی طرح موزون کئے گئے ہیں - قیمت ۸ر

میلاد النبی - مشہور محدث ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے میلاد شریف کا ترجمہ جناب شاہ محمد خاں صاحب رئیس [illegible] مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ نے کیا ہے متن و ترجمہ بالمقابل چھاپا گیا ہے - ۴ر

الاحسان - (مولفہ مولوی احسان اللہ علوی کاکوروی) اس کتاب میں لفظ صوفی کی تحقیق، تصوف کی ابتدا اور اسکی تدریجی ترقی کا ذکر کیا ہے اور آخر میں تصوف کے تمام فرقوں کی اسلام سے تطبیق اور اُس کی حقیقت اور اصولی بحث کیگئی ہے - ۸ر

محاربات صلیبی - ترجمہ مولوی مشتاق حسین خاں بی اے علیگ - بیت المقدس پر تسلط حاصل کرنے کے لیے مسیحیان یورپ کی حملہ آور کوششوں اور سلطان صلاح الدین کے تحت فرزندان اسلام کی مدافعانہ جانبازیوں کی مفصل داستان دیکھنے کے لایق ہے - قیمت عہ

ارض نہرین - میسوپوٹامیہ یا عراق عرب کا آثار تاریخ - مسٹر عنایت اللہ بی اے علیگ رجسٹرار عثمانیہ یونیورسٹی قابل دید رسالہ - قیمت ۴ر

حیات نظامی - مشہور شاعر نظامی گنجوی مصنف سکندر نامہ کے حالات - ۴ر

تذکرہ حزین - مشہور شاعر شیخ علی حزین جو بحیثیت [illegible] - ایران سے ہندوستان چلے آئے تھے ان کی سوانح عمری ہے - ۴ر

اصول تشریح - مصنفہ حکیم [illegible] لکھنوی [illegible] فن تشریح کے مسلم استاد تھے - عربی تحریرات [illegible] اپنی عمر کے آخری حصہ میں اس غرض سے مدون کر دیے کہ اس فن کے مبتدیوں اور شائقین کو تحصیل فن میں مدد ملے - قواعد کے علاوہ تمام ضروری شقوں کی تختیاں بھی مرتب کر دی ہیں - قیمت ۶ر

عورتوں کی انشا (مصنفہ بیگم صغرا علی) جو عورتوں کی مخصوص فطرت اور طبعی رجحان کو ملحوظ رکھکر انھیں کی زبان میں لکھی گئی ہے اس کے مطالعہ سے خواتین کو خطوط نویسی میں مدد ملے گی اور اُن کی ادبی واقفیت بھی بڑھے گی - قیمت عہ

خوان دعوت - (مصنفہ [illegible] صاحبہ لکھنوی) جس میں افسانہ اور مکالمہ کے دلچسپ پیرایہ میں باورچی خانہ کے لوازم و ضروریات اور کھانے پکانے کی ضروری ترکیبیں بتائی گئی ہیں - قیمت عہ

تسخیر [illegible] - ملک الشعراے انگلستان ولیم شکسپیر کے لاجواب ڈرامہ [illegible] کی

جسکے تمام اشعار گویا اُنھیں کی طرح موزون کئے گئے ہیں - قیمت ۸

میلاد النبی - مشہور محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے میلاد شریف کا ترجمہ جناب مولانا شاہ محمد جان صاحب مدرس اول مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ نے کیا ہے متن و ترجمہ بالمقابل چھاپا گیا ہے - ۴ر

الاحسان - (مؤلفہ مولوی احسان اللہ علوی کاکوروی) اس کتاب میں لفظ صوفی کی تحقیق، تصوف کی ابتدا اور اسکی تدریجی ترقی کا ذکر کیا ہے اور آخر میں تصوف کے تمام شعبوں کی اسلام سے تطبیق اور اُس کی حقیقت اور اصول پر بحث کیگئی ہے - ۸ر

محاربات صلیبی - (ترجمہ مولوی مشتاق حسین خان بی اے علیگ) بیت المقدس پر تسلط حاصل کرنے کے لیے مسیحیان یورپ کی حملہ آور گروہوں اور سلطان صلاح الدین کے تحت فرزندان اسلام کی مدافعانہ جانبازیوں کی مفصل داستان دیکھنے کے لایق ہے قیمت ۱۲ر

ارض نہرین - میسوپوٹامیہ یا عراق عرب کا آثار تاریخ از مسٹر عنایت اللہ بی اے علیگ رجسٹرار عثمانیہ یونیورسٹی قابل دید رسالہ قیمت ۴ر

حیات نظامی - مشہور شاعر نظامی گنجوی مصنف سکندر نامہ کے حالات - ۴ر

تذکرہ حزین - مشہور شاعر شیخ علی حزین جو ہجرت کر کے ایران سے ہندوستان چلے آئے تھے یہ اُن کی سوانح عمری ہے - ۴ر

اصول شاشی - [illegible] صاحب قدوائی لکھنؤی [illegible] کے مسلمہ استاد تھے - عربی تحریر [illegible] اپنی عمر کے آخری حصہ میں اس غرض سے نذر کردی کہ اس فن کے مبتدیوں اور شائقین کو تحصیل فن میں مدد ملے - قواعد کے علاوہ تمام ضروری شقوں کی تحقیقات بھی مرتب کردی ہیں - قیمت ۶

عورتوں کی انشا (مصنفہ بیگم صاحبہ علی [illegible]) جو عورتوں کی مخصوص فطرت اور طبعی رجحان کو ملحوظ رکھ کر انھیں کی زبان میں لکھی گئی ہے اس کے مطالعہ سے خواتین کو خطوط نویسی میں مدد ملے گی اور اُن کی ادبی واقفیت بھی بڑھے گی - قیمت ۱۲ر

خوان دعوت - (مصنفہ [illegible] صاحبہ لکھنوی) جس میں افسانہ اور مکالمہ کے دلچسپ پیرایہ میں باورچی خانہ کے لوازم وضروریات اور کھانے پکانے کی ضروری ترکیبیں بتائی گئی ہیں - قیمت

تسخیر [illegible] - ملک الشعراے انگلستان ولیم شکسپیر کے لاجواب ڈرامہ [illegible]

تصانیف پروفیسر مرزا محمد ہادی بی اے

لیلیٰ مجنون - قابل دید ڈراما - ۸

مثنوی امید و بیم - نظم اردو میں فلسفیانہ خیالات کا اعلیٰ نمونہ قیمت ۴ر

نوبہار - مرزا رسوا کی ایک لاجواب نظم - ۲ر

تصانیف مسٹر سلطان حیدر جوش

مساوات - ایک دلچسپ افسانہ ۱ر

اتفاقات زمانہ ۱

تصانیف ڈاکٹر اقبال پی ایچ ڈی ایم اے

شکوہ -	مشہور نظم	۲ر
جواب شکوہ -	"	۴ر
بلال -	"	۱ر
فریاد امت	"	۲ر
شمع شاعر	"	۲ر
تصویر درد	"	۴ر

تصانیف مولوی عبدالماجد بی اے

فلسفیانہ مضامین - رسالہ الناظر میں جو قابل دید مضامین وقتاً فوقتاً عبدالماجد صاحب نے لکھے تھے [illegible]

زود پشیمان - عبدالماجد صاحب نے ناظر کے فرضی نام سے یہ ڈراما لکھا ہے